التُّحفَةُ المَرضِيَّةُ

شرح

المُقَدِّمَةُ الجَزرِيَّةُ

تالیف

حضرت مولانا قاری محمد عاشق الٰہی بلند شہری رحمہ اللہ

تصحیح

قاری نجم الصبیح التھانوی

قرأت اکیڈمی ®
لاہور

التُّحْفَةُ الْمَرْضِيَّةُ

شرح

الْمُقَدِّمَةُ الْجَزَرِيَّةُ

تالیف

حضرت مولانا قاری محمد عاشق الٰہی بلند شہری صاحب

تصحیح

قاری نجم الصبیح التھانوی

قراءت اکیڈمی ®

28- الفضل مارکیٹ 17- اردو بازار لاہور

Ph.: 042 - 7122423

Mob: 0300-4785910

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

انتباہ

نام کتاب ------ التحفة المرضية شرح المقدمة الجزرية

تالیف ------ حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی صاحبؒ

طابع وناشر ------ قرآءت اکیڈمی (رجسٹرڈ) لاہور

کمپوزنگ و ------ یونیک گرافکس ۔ الفضل مارکیٹ

سرورق ڈیزائن ------ اردو بازار لاہور 0300-4240741

تقریظ

حضرت العلامہ شمس القراء والمجودین شاطبی وقت ومحقق العصر

الحاج القاری المقری فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِo اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، امابعد!

احقر نے جناب مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب بلند شہریؒ (جو فی الحال دارالعلوم کورنگی کراچی میں مدرس ہیں) کی تصنیف فرمائی ہوئی کتاب التحفة المرضية فی شرح مقدمة الجزریہ چند مقامات سے سنی' ماشاء اللہ نہایت محنت و جانفشانی سے مرتب فرمائی ہے' بفضلہٖ تعالیٰ فن کی اکثر ضروریات کے لئے جامع ہے' مناسب ہے کہ طلباء نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر اس کی پوری قدر کریں اور زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ بہت فائدہ ہوگا۔ حق تعالیٰ مولانا ممدوح وموصوف کی اس کوشش کو قبولیت کی اعلیٰ ترین خلعت سے مزین فرما کر خود موصوف کے لئے اور مجھ جیسے خدام کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین یا رب العلمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

(قاری) فتح محمد (صاحب) پانی پتیؒ

۸ جمادی الثانیہ ۱۳۹۲ھ بمطابق ۲۰ جولائی ۱۹۷۲ء دن کے ۱۲ بج کر ۲۰ منٹ

تقریظ قاری بشیر احمد صاحب مدظلہ

شیخ التجوید والقرآءت مدینہ منورہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد لله ربّ العلمين والصلوة والسلام على نبيّه وصفيّه سيّد المرسلين وعلى آله واصحابه حفّاظ كتابه ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين من العلماء المخلصين والقراء المجوّدين المقرئين

اما بعد!

قرآن مجید اللہ تعالیٰ شانہ کی آخری کتاب ہے جو اس نے اپنے آخری نبی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمائی اور اس کے الفاظ' قراءات اور روایات اور طرق اداء کی حفاظت امت مسلمہ کی ایک عظیم جماعت کے ذریعہ فرمائی۔ جہاں ایک جماعت کثیر نے قرآن مجید کے معانی و مفاہیم سمجھنے پر توجہ مرکوز کی اور اس سے احکام مستنبط کئے اور ایک بہت بڑی جماعت نے اس کی فصاحت و بلاغت پر کتابیں لکھیں' وہاں قراء کرام نے قرآن مجید کے الفاظ کو اور اس کی قرآءتوں کو اور روایتوں کو من وعن محفوظ رکھنے اور سلفًا عن خلفٍ اس کو آگے بڑھانے اور امت تک پہنچانے میں اپنی عمریں خرچ کیں۔

قرآن مجید کئی طرح سے معجز ہے اور اس کا ایک اعجاز یہ ہے کہ کلمہ واحدہ کو روایات کے مطابق دو تین طرح پڑھا جا سکتا ہے جن کی تفصیل جاننا قراءات عشرہ کے اصول اور فرش کے پہچاننے پر موقوف ہے۔ قراءات عشرہ میں سے سات قراءات متواترہ کو کتاب السبعہ میں حافظ احمد بن موسیٰ بن مجاہدؒ (متوفی ۳۲۴ء) نے سب سے پہلے جمع فرمایا: پھر ان قراءات کو علامہ ابو عمرو دانیؒ نے اپنی کتاب التیسیر میں جمع کیا پھر علامہ دانیؒ کی تیسیر کو امام شاطبیؒ نے اپنے قصیدہ لامیہ میں منظوم فرمایا۔

آٹھویں صدی ہجری میں عمدۃ المحققین علامہ ابو الخیر شمس الدین محمد بن محمد الجزری الشافعی الدمشقی پیدا ہوئے۔ اللہ جل شانہ نے ان سے قرآن کریم کی بہت خدمت لی اور انہوں نے کثیر تعداد میں تجوید و قراءات سے متعلق کتابیں لکھیں۔ ان کے بعد سے اب تک ان جیسا کوئی محقق پیدا نہیں ہوا۔ حافظ ابن

حجر عسقلانیؒ تک نے ان سے ان کی تالیفات کی اجازت لی ہے۔

ان کی دو کتابیں بہت زیادہ مشہور ہوئیں۔

(۱) "النشر في القراءات العشر" جو دو جلدوں میں ہے اور بڑی محققانہ کتاب ہے قاری محی الاسلام پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ شرح سبعہ قراءات میں لکھتے ہیں کہ آپ کی تمام تصانیف محققانہ ہیں، نشر کبیر میں تو کمال ہی کر دیا ہر اختلافی مسئلے کی ایسی چھان بین کی ہے کہ اس سے فوق ممکن نہیں، تیسری صدی سے آٹھویں صدی تک کی تمام تصانیف کے حوالے نقل کئے اور مذہب منصور بتایا اور ہر جگہ **قُلْتُ** کہہ کر اپنی رائے دی۔ بعد کے تمام مولفین و مصنفین کا بڑا ماخذ "نشر" ہے اور اس کی تحقیق پر ہر شخص کو اعتماد ہے۔

(۲) دوسری کتاب "مقدمة الجزری" ہے یہ نظم میں ہے جو ایک سو سات اشعار پر مشتمل ہے۔ تالیف کے بعد ہی سے اس کی مقبولیت عام ہو گئی، صدہا سال گزر جانے پر بھی کوئی قاری و مقری اس سے بے نیاز نہیں ہے۔

اس کے بعد اور بھی بہت سی آسان ترین کتابیں لکھی گئیں لیکن مقبولیت عامہ **مقدمة الجزری** کو حاصل ہوئی اس میں آج تک اضافہ ہی ہوتا رہا ہے، اس کو پڑھ کر ان گنت حضرات مجود بن گئے اور برابر اس کا فیض جاری ہے۔ **ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔**

کتاب جس قدر مقبول ہوتی ہے اسی قدر اس کے شروح و حواشی لکھے جاتے ہیں۔ مقدمۃ الجزری کے عربی، فارسی، ترکی، اردو شروح کثیر تعداد میں لکھے جا چکے ہیں۔ غالباً سب سے پہلے اردو شرح مولانا کرامت علی جونپوریؒ کی ہے جو بنام ہندی شرح جزری معروف ہے، اس کی اردو بہت پرانی ہے، دور حاضر کے طلباء کے لئے اس سے مستفید ہونا دشوار ہے۔ (موجودہ دور کی اردو کے مطابق نیز مفید حواشی سے مزین ہو کر یہ کتاب قرآءت اکیڈمی لاہور سے طبع ہو گئی ہے) حضرت مولانا قاری مقری سید محمد سلیمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ التجوید جامعہ عربیہ مظاہر العلوم سہارنپور نے ۱۳۵۳ ہجری میں اس کا ترجمہ اور مختصر شرح لکھی تھی، فوائد مرضیہ شرح المقدمۃ الجزریہ مؤلفہ قاری سلیمان دیوبندی صاحبؒ (مطبوعہ قرآءت اکیڈمی لاہور) پھر حضرت مولانا قاری رحیم بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ القراء والتحفیظ جامعہ خیر المدارس ملتان نے اس کی شرح لکھی جو بہت مفصل اور جامع ہے۔ یہ شرح بڑی تحقیق و تدقیق

کے ساتھ لکھی گئی جو اساتذہ کے مطالعہ کے قابل ہے۔

مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری ثم مہاجر مدنی ؒ نے بھی مقدمۃ الجزری کی طرف توجہ مبذول فرمائی اور اردو میں اس کی شرح لکھی' یہ اوراق اسی شرح پر مشتمل ہیں' جس کا نام "**التحفة المرضية في شرح المقدمة الجزرية**" ہے۔ مولانا موصوف محدث' مفتی' اور فقیہ مشہور ہیں' علم تجوید و قراءات سے ان کی وابستگی کا علم عام طور سے ان کے احباب و اصحاب کو نہیں ہے لیکن مذکورہ شرح دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہ نے ان کو فن تجوید و قراءات میں بھی فضل و کمال سے نوازا ہے' ان کی یہ شرح نہ بہت طویل ہے اور نہ بہت مختصر' بلکہ "**خَيْرُ الْأُمُوْرِ أَوْسَطُهَا**" کا مصداق ہے۔ طرز بیان شگفتہ اور دل آویز ہے۔ اساتذہ و تلامذہ سب ہی کے لئے مفید ہے زبان سادہ اور سلیس ہے اختصار کے ساتھ جامع بھی ہے' مولانا نے یہ شرح لکھ کر طلباء پر احسان فرمایا ہے۔

آج کل عموماً مدارس میں جو طلبہ مقدمۃ الجزری پڑھتے ہیں وہ عربی پڑھے ہوئے نہیں ہوتے یہ شرح ان حضرات کے لئے بیش بہا تحفہ ہے۔ میرا احساس ہے کہ مولانا کے اخلاص اور تقویٰ کی وجہ سے ان کی سب تالیفات بہت مقبول ہیں اللہ جل شانہ سے امید ہے کہ یہ شرح بھی عنداللہ وعندالناس مقبول ہوگی۔ **وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ**

احقر

بشير احمد عفا الله تعالى عنه

خادم القرآن الکریم بالمدینۃ المنورہ مورخہ ۱۰ رجب المرجب ۱۴۰۸ھ

تقریظ

مفتی اعظم پاکستان حضرت العلامہ مولانا محمد شفیعؒ صاحبؒ بانی وصدر دارالعلوم کراچی ۱۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد لله رب العلمين، والصلوة والسلام على رسوله سيدنا محمد خاتم الانبياء و المرسلين، وعلى اله واصحابه حملة القران المبين وخدام الدين المتين وعلى من تبعهم وحذا حذوهم باحسان الى يوم الدين۔ امابعد

محبّ محترم مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب بلندشہری مدرس دارالعلوم کراچی نے مقدمۃ الجزری کی شرح بنام التحفة المرضيه لکھی ہے جو سہل طریقہ پر اردو زبان میں ہے، مقدمہ مذکورہ چونکہ فن کی اہم کتاب ہے اور منظوم ہونے کی وجہ سے ادق بھی ہے اس لئے اردو زبان میں اس کا ترجمہ اور آسان شرح دور حاضر کے محصلین و متعلمین کے لئے نہایت ضروری تھا۔

اللہ تعالیٰ نے مصنف ممدوح کو تالیف وتصنیف کا سلیقہ عطا فرمایا ہے کتاب مذکورہ کے علاوہ آپ کی اور بھی بہت سی کتب شائع ہو چکی ہیں جو مقبول عوام وخواص ہیں، اللہ جل شانہ اس کتاب کو بھی شرف قبولیت بخشے، شیخ القراء حضرت الحاج مولانا القاری المقری فتح محمد صاحبؒ کی تقریظ وتصویب اور تحسین وتوصیف کے بعد کسی تقریظ کی ضرورت تو نہیں رہی کیونکہ کتاب مستند ہونے کے لئے موصوف کی تقریظ ہی کافی ہے لیکن مولانا موصوف کی فرمائش پر تطییب خاطر کے لئے احقر نے یہ چند سطریں لکھ دی ہیں۔

وبالله التوفيق

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۱۴ جمادی الثانیہ ۱۳۹۲ ہجری

مولف کی گزارش

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد لله الذى من على من شاء من عباده بحفظ كتابه وجعله محافظا على تجويده واحكامه وادابه والصلوة والسلام على سيدنا محمد افضل اصفيائه واحبابه وعلى اله واصحابه واحزابه۔

امابعد!

علامہ ابوالخیر شمس الدین محمد الجزریؒ کی معروف ومشہور کتاب مقدمۃ الجزری علم التجوید میں نہایت مختصر اور جامع ہے اس کی بہت سی شروح عربی اردو میں لکھی گئی ہیں' احقر نے بھی یہ چند اوراق لکھ کر اصحاب تجوید کی خدمت میں ہدیہ پیش کرنے کا ارادہ کیا ہے بس اللہ تعالیٰ کا فضل ہی ہے کہ اس نے اس اہم کام میں مجھے استعمال فرمالیا' بندہ نہ قاری ہے نہ مقری' نہ عالم نہ مجوّد نہ عبارت آرائی کا سلیقہ ہے نہ بات کہنے کا ڈھنگ' مگر محض اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس کتاب کی شرح اس بے سروساماں کے قلم سے مکمل ہوگئی جو **الذى لا يحسن الفقه قد صنف فيه كتابا** کا مصداق ہے دوسری شروح کے ہوتے ہوئے اس شرح کی ضرورت تھی یا نہیں؟ اس کا فیصلہ خود ناظرین کریں گے مجھے تو اس کی خوشی ہے کہ کتاب اللہ کی خدمت میں مجھ نالائق کا بھی حصہ ہوگیا اور بہت سا وقت اس شرح کے لکھنے میں لگ گیا جو بڑی سعادت ہے' احقر کی خواہش تھی کہ یہ شرح مطول اور بہت مختصر نہ ہو لیکن کہیں کہیں کچھ طول ہو ہی گیا۔ انشاء اللہ یہ طول بھی مفید ہوگا۔

جو حضرات اس سے مستفید ہوں وہ احقر کے لئے اور احقر کے والدین کے لئے اور اساتذہ و مشائخ خصوصا حضرت الاستاذ القاری المقری محمد سلیمان صاحب دیوبندیؒ شیخ التجوید جامع مظاہر العلوم سہارنپور کے لئے ضرور دعا فرمائیں' اللہ جل شانہ ان حضرات کے درجات بلند فرمائیں۔

اللهم لك الحمد لا احصى ثناء عليك انت كما اثنيت على

نفسك ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم و تب علينا انك انت التواب الرحيم' وصلى الله على خير خلقه سيدنا وسندنا وشفيعنا محمد وآله وصحبه اجمعين۔ العبد الفقير الى مولاه الغنى

محمد عاشق الٰهی بلند شهری

عفا الله تعالى عنه

یوم عاشوراء ۱۳۸۴ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(1) يَقُوْلُ رَاجِيْ عَفْوِ رَبٍّ سَامِعِ
مُحَمَّدُ بْنُ الْجَزَرِيِّ الشَّافِعِيْ

﴿ت﴾ ''کہتا ہے امیدوار سننے والے پروردگار کی معافی کا۔ محمد بن جزری شافعی۔''

﴿تشریح﴾ مصنفؒ کو بسملہ کے بعد حسب قاعدہ دیگر مصنفین کرام حمد وصلوٰۃ لکھنا چاہیے تھا لیکن چونکہ علوم نقلیہ میں ناقل اور قائل کا تعارف ضروری ہے اس لئے انہوں نے پہلے اپنا نام اور نسب اور وطن اور مذہب بتایا بعد میں حمد وصلوٰۃ لکھی اور اولین شعر کی ابتداء لفظ یَقُوْلُ سے کر کے پوری کتاب کو اس کا مقولہ بنا دیا اس سے ظاہر ہو گیا کہ خطبہ الحاقیہ نہیں ہے اگر خطبہ کو الحاقیہ مانا جائے (گو الفاظ ظاہرہ کے اعتبار سے یہ احتمال بعید ہے تو صیغہ مضارع کو حکایت حال ماضیہ پر محمول کریں گے۔ رَاجِیْ رَجَا یَرْجُوْ (معتل لام واوی سے) اسم فاعل کا صیغہ ہے جو عَفْوِ کی طرف مضاف ہے اور عَفْوِ بناء بر مضاف الیہ ہونے کے مجرور ہے اور رَبٍّ کی طرف مضاف بھی ہے اور رَبٍّ موصوف ہے سَامِعِ اس کی صفت ہے سَامِعِ کا کسرہ اشباع کے ساتھ یعنی خوب کھینچ کر پڑھا جائے گا تاکہ شعر کا وزن پورا ہو جائے۔ اس لئے عین کے نیچے کھڑا زیر لکھا جاتا ہے اور بعض نسخوں میں بجائے سَامِعِ کے سَامِعِیْ (مضافًا الی یاء المتكلم) لکھا ہے یعنی پروردگار کے عفو کا امیدوار جو میری بات سننے والا ہے۔ سَامِع بلا اضافت پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ چونکہ سَامِع اسماء حسنٰی سے نہیں ہے اور اسماء الٰہیہ توقیفی ہیں اس لئے بلا اضافت اس کا اطلاق مسامحت ہے پھر مفعول مقدر مان کر یا مجیب کے معنی میں لے کر اس کا جواب دیا گیا ہے۔

مُحَمَّدُ: یہ صاحب مقدمہ کا نام ہے رَاجِیْ سے بدل یا عطف بیان ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور بتقدیر اَعْنِیْ یا یعنی منصوب بھی ہو سکتا ہے مصنفؒ کے والد کا نام بھی محمد تھا اور الجزری ابن کا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہے جو جزیرہ ابن عمر کی طرف نسبت ہے یہ ابن عمر صحابی نہیں ہیں بلکہ

عبدالعزیز بن عمر برقعیدیؒ ہیں انہوں نے جزیرہ مذکورہ آباد کیا تھا اسی لئے جزیرہ ابن عمر کہا جانے لگا بعض حضرات اس کو بلادِ مشرق میں بتاتے ہیں لیکن قاموس میں لکھا ہے کہ یہ موصل کے شمال میں ایک شہر ہے جسے نہر دجلہ ہلال کی طرح احاطہ کئے ہوئے ہے۔

اَلشَّافِعِیْ: یہ حضرت امام شافعیؒ کی طرف نسبت ہے حضرت امام صاحب موصوف کا نام محمد اور والد کا نام ادریس ہے آپ نسباً قریشی اور مطلبی ہیں اپ کے پڑدادا کا نام شافع تھا اس کی طرف منسوب کر کے آپ کو شافعی کہا جاتا ہے جو لوگ آپ کے مذہب کا اتباع کرتے ہیں ان کو بھی شافعی کہتے ہیں اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ شافعی کی طرف نسبت کی جائے تو ایک یائے نسبت کا مزید اضافہ ہو مگر تخفیف کی وجہ سے ایک ہی (ی) پر اکتفاء کر لیتے ہیں۔

علامہ جزریؒ نے اپنی یہ نسبت شافعی المذہب ہونے کی وجہ سے لکھی ہے یا نسباً بنی شافع سے ہونے کی وجہ سے؟

اس کے بارے میں دونوں قول ہیں۔ ملا علی قاریؒ ان کے صاحبزادہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ یہ نسبت حضرت امام شافعیؒ کے مذہب کی طرف ہے اور اس کے بعد فرماتے ہیں **وَهُوَ اَقْرَبُ اِلَى الْمَرَامِ وَاَنْسَبُ فِيْ هٰذَا الْمَقَامِ**۔ یعنی یہ مقصد سے زیادہ قریب ہے اور اس مقام سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔

یہ بھی جاننا چاہیے کہ لفظ **اَلشَّافِعِیْ** اس جگہ اگر **مُحَمَّدُ** کی صفت مانا جائے تو مرفوع ہوگا اور اگر **اَلْجَزْرِیْ** کی صفت ہو تو مجرور ہوگا۔ لیکن دونوں صورتوں میں ضرورت شعری کی وجہ سے یاء ساکن پڑھی جائے گی اور اعراب ظاہر نہ کیا جائے گا۔ گو عربیت کا تقاضا یہ ہے کہ یاء مضموم یا مکسور ہو کیونکہ یہ معتل لام نہیں بلکہ کلمہ صحیحہ کے آخر میں یائے نسبت لگی ہوئی ہے۔

(2) **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَصَلَّى اللّٰهُ** ❶
عَلٰى نَبِيِّهٖ وَمُصْطَفَاهُ

---

❶ دونوں جگہ ھا کا ضمہ اشباع کے ساتھ پڑھا جائے گا۔

(3) مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ
وَ مُقْرِئِ الْقُرْاٰنِ مَعْ مُحِبِّهٖ

﴿ت﴾ "سب تعریف اللہ کے لئے ہے اور اللہ رحمت نازل فرمائے اپنے نبی پر اور اپنے برگزیدہ بندہ پر۔ وہ نبی اور برگزیدہ جن کا نام نامی اسم گرامی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے اور آپ کے آل واصحاب پر اور قرآن پڑھانے والے پر اور ان حضرات کے ساتھ اس پر بھی رحمت نازل فرمائے جو قرآن (یا قرآن پڑھانے والے سے) محبت رکھنے والا ہو۔"

﴿تشریح﴾ ان دونوں شعروں میں مصنفؒ نے حمد وصلوٰۃ ذکر کی قرآن شریف کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی حمد سے ہے اور حدیث شریف میں یہ مضمون وارد ہوا ہے كُلُّ اَمْرٍ ذِيْ بَالٍ لَمْ يُبْدَأْ بِالْحَمْدِ لِلّٰهِ فَهُوَ اَقْطَعُ۔ (رواہ ابن ماجہ مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۲ کتاب النکاح) یعنی ہر وہ چیز جو مہتم بالشان ہو اگر الحمد للہ کے ساتھ شروع نہ کی جائے تو وہ بے برکت ہے اس لئے اقتداءً بالقرآن الکریم وامتثالا لامر النبی الروف الرحیم، عام مصنفین اپنی کتابوں کو اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ شروع کرتے ہیں اور جن حضرات کی کتابوں کے اوائل میں حمد نہیں لکھی ہوتی ان کی طرف سے یہ جواب دیا جاتا ہے کہ انہوں نے زبان سے حمد ادا کر دی ہوگی، ابتداء بالحمد کے لئے کتابت حمد ضروری نہیں ہے۔ حمد کے بعد مرکز علوم الٰہیہ فخر بنی آدم نبی مکرم ﷺ پر اور آپ کے آل واصحاب پر درود بھیجتے ہیں یعنی آپ کے لئے اللہ پاک سے رحمت کاملہ کا سوال کرتے ہیں آپ پر درود بھیجتے ہیں اس سے جہاں ازدیاد حسنات (نیکیوں کا زیادہ ہونا) اور رفع درجات نیز کفارہ سیئات کا عظیم نفع حاصل ہوتا ہے وہاں ایک گونہ آپ کا شکریہ بھی ادا ہو جاتا ہے۔

چونکہ اللہ کے بعد آپ سب سے بڑے محسن ہیں اور آپ کی بدولت ہی ہدایت ملی ہے اور علوم الٰہیہ نصیب ہوئے ہیں اس لئے آپ ﷺ پر درود بھیجے بغیر مضامین کتاب شروع کر دینا ایک طرح کی ناسپاسی ہے اور چونکہ آپ کے علوم امت تک آپ کی آل واصحاب کے واسطے سے منتقل ہوئے ہیں اس لئے ان حضرات کو بھی نزول رحمت کی دعا میں شریک کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

اور بعض مصنفین کرام دعائے مذکور میں آپ کے آل واصحاب کے ساتھ مجتہدین ومعلمین اور علماء

قراء کو بھی شریک کر لیتے ہیں کیونکہ یہ حضرات بھی محسن ہیں جیسا کہ علامہ جزریؒ نے یہاں **وَمُقْرِئِ الْقُرْاٰنِ** کا لفظ بڑھا کر قرآن مجید کا درس دینے والوں کو شریک کر لیا ہے اور اس لفظ کے بڑھانے میں معلمین قرآن کو شریک دعا کرنے کے ساتھ ساتھ براعت استہلال (مضامین کتاب کی طرف اشارہ کرنے والے الفاظ خطبہ میں لانے کو براعت استہلال کہتے ہیں۔) کا بھی فائدہ ہے۔ کیونکہ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اس کتاب کا تعلق علوم قرآنیہ سے ہے۔

اَلْحَمْدُ میں الف لام استغراقی ہے یا جنس کے لئے ہے اور **لِلّٰهِ** میں جو لام جارہ ہے وہ اختصاص کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ جنس حمد یا ہر حمد اللہ ہی کے لئے خاص ہے **وَصَلَّى اللّٰهُ صَلّٰی** باب تفعیل سے ماضی کا صیغہ ہے صلوٰۃ کی نسبت جب اللہ پاک کی طرف ہو تو رحمت کے معنی مراد ہوتے ہیں اور فرشتوں کی طرف منسوب ہو تو دعائے مغفرت مراد لیتے ہیں اور اگر انسانوں کی طرف نسبت ہو تو تضرع اور دعاء کے معنی مراد ہوتے ہیں۔

عَلٰى نَبِيِّهٖ نَبِیٌّ (بتشدید الیاء) **فَعِیْلٌ** کے وزن پر ہے **نَبَأٌ** بمعنی خبر سے مشتق ہے چونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام خدائے پاک کی طرف سے خبریں پہنچاتے تھے اس لئے ان کو نبی کہا گیا یہ کلمہ حقیقت میں مہموز اللام ہے تخفیفاً ہمزہ کو یاء سے بدل کر یاء کو یاء میں مدغم کر دیا گیا ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ **نَبِیٌّ نَبْوَۃٌ** سے مشتق ہے جو ناقص واوی ہے واؤ یاء میں مدغم ہو گیا **نَبْوَۃٌ** کے معنی رفعت و بلندی کے ہیں اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو رفعت و بلندی کی وجہ سے نبی کہا جاتا ہے۔

وَمُصْطَفَاهُ مُصْطَفٰى الف مقصورہ کے ساتھ باب افتعال کے اسم مفعول کا صیغہ ہے ھائے ضمیر کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے الف کے ساتھ لکھا گیا ہے **مُصْطَفٰى** بمعنی برگزیدہ ہے یہ معتل لام واوی ہے مادہ **صَفْوَۃٌ** ہے حسب قاعدہ صرفیہ باب افتعال کی تاء طاء سے بدل گئی ہے کیونکہ فاء کلمہ کی جگہ حروف اطباق میں سے یعنی صاد موجود ہے۔ لفظ **مُصْطَفٰى** میں حضور اقدس ﷺ کے اس ارشاد کی طرف اشارہ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى كِنَانَةَ مِنْ وُّلْدِ اِسْمٰعِيْلَ وَاصْطَفٰى قُرَيْشًا مِنْ كِنَانَةَ وَاصْطَفٰى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِيْ هَاشِمٍ وَاصْطَفَانِيْ مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ۔

”بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو چن لیا اور بنی کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے مجھ کو چن لیا۔“

(رواہ مسلم کمافی المشکوۃ ص ۵۱۱)

بعض شراح نے یہاں یہ سوال کھڑا کیا ہے کہ مصنفؒ نے صلوٰۃ کے ساتھ سلام کیوں ذکر نہیں کیا جب کہ قرآن شریف میں صَلُّوْا عَلَيْهِ کے ساتھ سَلِّمُوْا بھی وارد ہوا ہے۔ یہ سوال وزن دار نہیں ہے کیونکہ آیت کریمہ کا سیاق اس پر دال نہیں ہے کہ ایک ہی ساتھ صلوٰۃ وسلام بھیجا کرو البتہ دونوں کو جمع کرنا افضل واکمل ہے لیکن یہ بھی جائز ہے کہ صرف صلوٰۃ یا صرف سلام کا ہدیہ بارگاہ رسالت میں بھیج دیا جائے، صاحب کتاب مفتاح الحصن میں لکھتے ہیں کہ وَلَوِ اقْتَصَرَ عَلٰى اَحَدِهِمَا جَازَ مِنْ غَيْرِ كَرَاهَةٍ یعنی اگر صرف سلام یا صرف صلوٰۃ پر اکتفا کر لے تو بلا کراہت جائز ہے۔

مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ لفظ مُحَمَّدٍ مجرور ہے کیونکہ نَبِيِّهٖ سے بدل ہے یا عطف بیان ہے اٰلٌ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت مراد ہیں اور پوری امت اجابت بھی مراد ہو سکتی ہے اور صَحْبِهٖ سے مراد آپ کے صحابہ ہیں۔ صحابی وہ ہے جسے بحالت ایمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میسر ہوئی ہو خواہ ذرا دیر ہی کے لئے ہو اور موت تک برابر ایمان پر قائم رہا ہو' لفظ صَحْبٌ اخفش کے نزدیک صَاحِبٌ کی جمع ہے گو اس کی تضعیف کی گئی ہے اور سیبویہ کے نزدیک صَاحِبٌ کی جمع نہیں بلکہ اسم جمع ہے (کرکب للراکب) مُقْرِئِ الْقُرْاٰنِ قرآن پڑھانے والا مُقْرِئُ باب افعال سے اسم فاعل کا صیغہ ہے قَارِئٌ پڑھنے والا اور مُقْرِئٌ پڑھانے والا مَعْ مُحِبِّهٖ یہاں عین کے جزم کے ساتھ پڑھا جائے گا مُحِبِّهٖ کی ضمیر مجرور (مضاف الیہ) قرآن کی طرف یا مُقْرِئِ کی طرف راجع ہے اگر اٰلِهٖ سے امت اجابت مراد ہو تو اس کے مابعد تمام معطوفات کا عطف من قبیل عطف الخاص علی العام ہوگا اور حضرات اہل بیت کو چونکہ لفظ صحبہ شامل ہے اس لئے اس صورت میں بھی ان حضرات کا خصوصی تذکرہ بالکلیہ متروک نہ ہوگا اور گو ہر مسلمان کو قرآن پاک سے محبت ہے لیکن یہاں قرآن سے خصوصی شغف رکھنے والا مراد ہے جس کو محبّ قرآن اور محبّ مقری کہہ کر دعا میں شامل فرمایا ہے۔

(4) وَبَعْدُ اِنَّ هٰذِهٖ مُقَدِّمَهْ
فِيْمَا عَلٰى قَارِئِهٖ اَنْ يَّعْلَمَهْ

﴿ت﴾ ''اور بعد حمد وصلوٰۃ کے (کہتا ہوں کہ) یہ (رسالہ ایک) مقدمہ ہے ان چیزوں کے بارے میں جن کا قرآن پڑھنے والے کے لئے جاننا لازم ہے۔''

﴿تشریح﴾ وَبَعْدُ۔ ظروف زمانیہ میں سے ہے اس کا مضاف محذوف منوی ہے اس لئے مرفوع ہے یعنی بَعْدُ الْبَسْمَلَةِ وَالْحَمْدِ وَالصَّلٰوةِ۔

حضور اقدس ﷺ خطبہ دیتے وقت حمد وثنا کے بعد امابعد فرما کر مضمون خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ ضرورت شعری کی وجہ سے مصنف نے بجائے امابعد کے وبعد کہا ہے هٰذِهٖ اسم اشارہ محسوس کے لئے ہے اگر خطبہ الحاقیہ ہو اور اگر خطبہ اصل کتاب سے تالیفاً مقدم ہو تو اشارہ مضامین معہودہ فی الذہن کی طرف ہوگا جن کو اس مقدمہ میں جمع کیا ہے یہاں مقدمہ سے مقدمۃ الکتاب یا مقدمۃ العلم مراد نہیں بلکہ تجوید وقرات کے مضامین مشمولہ رسالہ ہذا کا مجموعہ مراد ہے۔

مُقَدِّمَهْ بسکون الہاء ہے اور یہ تاء ہے جو وقف کی وجہ سے ہاء سے بدل گئی ہے اور یہ لفظ بکسر الدال ہے جو قَدَّمَ بمعنی تَقَدَّمَ سے ماخوذ ہے یعنی باب تفعیل سے ہے مگر لازم ہے كَمَا وَرَدَ لَازِمًا فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ اور لغت قلیلہ کی بناء پر فتح الدال پڑھنے کی بھی گنجائش ہے فِيْمَا اس میں مَا موصولہ ہے ای هٰذِهٖ مقدمة مجموعة في الذي على قارئه اي قاري القرآن ان يعلمه۔ یعنی مقدمہ ان مضامین کے بارے میں جمع کیا گیا جن کا جاننا قرآن مجید پڑھنے والے پر لازم ہے اَنْ يَّعْلَمَهْ کی ضمیر منصوب مَا موصولہ کی طرف راجع ہے اور وقف کی وجہ سے اس کی ہاء ساکنہ پڑھی جائے گی اور وقف ضرورت شعری کی وجہ سے ہے تاکہ مصرع اول کے قافیہ کے ساتھ مطابقت ہو جائے۔

(5) اِذْ وَاجِبٌ عَلَيْهِمْ مُحَتَّمْ
قَبْلَ الشُّرُوْعِ اَوَّلًا اَنْ يَّعْلَمُوْا

6 مَخَارِجَ الْحُرُوْفِ وَالصِّفَاتِ
لِيَلْفِظُوْا بِأَفْصَحِ اللُّغَاتِ

﴿ت﴾ ''اس لئے کہ واجب تاکیدی ہے ان پر یہ کہ تلاوت شروع کرنے سے پہلے جان لیں حروف کے مخارج کو اور ان کی صفات کو تاکہ سب سے زیادہ فصیح لغت کا تلفظ کر سکیں۔''

﴿تشریح﴾ اِذْ وَاجِبٌ میں اِذْ تعلیلیہ ہے فِيْمَا عَلٰى قَارِئِهٖ اَنْ يَّعْلَمَهٗ سے جو وجوب مستنبط ہو رہا ہے اس کی علت بیان کرنا چاہتے ہیں۔ مُحَتَّمٌ بھی واجب کے معنی میں ہے مصرع کا وزن پورا کرنے یا وجوب کو مؤکد کرنے کے لئے لفظ مُحَتَّمٌ کا اضافہ کیا ہے۔

عَلَيْهِمُ میں یہاں میم ساکنہ نہیں بلکہ مضمومہ ہے اور ضمہ بھی بالاشباع پڑھا جائے گا اور ضمیر جمع قَارِئٌ کی طرف راجع ہے جو اس سے پہلے مصرع میں مذکور ہے اور چونکہ اس سے جنس قَارِئٌ مراد ہے اس لئے اس کی طرف ضمیر جمع کا راجع ہونا صحیح ہے۔

قَبْلَ الشُّرُوْعِ لفظ قبل واجب کا ظرف ہے اور مضاف الیہ مذکور ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اَوَّلًا اسی کی تاکید ہے اور اَنْ يَّعْلَمُوْا کا مفعول اس کے مابعد کا مصرع ہے۔

قال القاری ای یجب علیهم قبل الشروع فی قراءة القرآن وفی ابتداء قصدهم تعلم القرآن ان یعلموا مخارج الحروف والصفات۔

﴿قولہ﴾ لِيَلْفِظُوْا یا لِيَنْطِقُوْا جیسا کہ بعض نسخوں میں ہے یہ مخارج اور صفات کے جاننے کا فائدہ ذکر کرنے کے لئے ہے یعنی حروف کے مخارج اور ان کی صفتوں کا جاننا اس لئے ضروری ہے کہ ان کے جاننے سے افصح اللغات یعنی لغت قریش کو صحیح طریقہ پر ادا کر سکیں گے جس میں قرآن حکیم نازل ہوا ہے۔

مصنفؒ نے یہاں جن چیزوں کے جاننے کو واجب کہا ہے اس سے وجوب شرعی مراد لیں تو واجب علی الکفایہ پر محمول کریں گے اور واجب عرفی بمعنی ما لا بد منه فی فعله ولا یستحسن ترکه بھی مراد لے سکتے ہیں۔ چونکہ جملہ مسائل و مضامین مذکورہ مندرجہ مقدمہ ہذا کا جاننا ہر شخص پر

واجب نہیں ہے اس لئے واجب سے مراد واجب علی العین شرعی مراد نہیں لے سکتے۔

7 مُحَرِّرِی التَّجْوِیْدِ وَالْمَوَاقِفِ
وَمَا الَّذِیْ رُسِّمَ فِی الْمَصَاحِفِ

﴿ت﴾ ''اس حال میں کہ تجوید کو اچھی طرح ادا کرنے والے ہوں اور مواقع وقف کو اور اس (رسم خط) کو جو مصاحف (عثمانیہ) میں اختیار کیا گیا ہے پہچاننے والے ہوں۔''

﴿تشریح﴾ مُحَرِّرِی التَّجْوِیْدِ یہ اَنْ یَّعْلَمُوْا کی ضمیر جمع سے حال ہے اور اَلْمَوَاقِفِ موقف کی جمع ہے جو وَقَفَ یَقِفُ کا اسم ظرف ہے اور مصدر اس کا وقوف ہے جس کے معنی ٹھہرنے کے ہیں اور اَلْمَوَاقِفِ کا عطف اَلتَّجْوِیْدِ پر ہے۔ تلاوت کے درمیان ٹھہرنے کو وقف اور ٹھہرنے کی جگہ کو موقف کہتے ہیں۔ اور وقف کے مواقع کا جاننا نہایت ضروری ہے تاکہ غلط جگہ وقف نہ کردے اور ایسی جگہ سے ابتدا نہ کردے جہاں سے ابتداء درست نہ ہو۔

وقف وابتداء کے مواقع کی تشریح وتفصیل اسی مقدمہ کے باب معرفۃ الوقوف میں آگے آئے گی انشاءاللہ تعالیٰ۔ یہاں مصنفؒ نے مواقف کا ذکر کیا ہے اور مبادی کا ذکر لفظاً چھوڑ دیا ہے **وھذا من باب الاکتفاء کما فی قوله تعالیٰ سَرَابِیْلَ تَقِیْکُمُ الْحَرَّ۔ اَیْ وَالْبُرْدَ فحذف ذکر البرد اکتفاءً بذکر الحرّ۔**

تجوید لغۃً کھرا کرنے اور عمدہ بنانے اور پرکھنے کو کہتے ہیں اور اصطلاحاً حروف کو مخرج اور صفات لازمہ اور عارضہ کے ساتھ ادا کرنے کو کہتے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب مصنفؒ نے گزشتہ شعر میں مخارج وصفات کے جاننے کو ضروری قرار دے دیا تو اب اس شعر میں مُحَرِّرِی التَّجْوِیْدِ کا لفظ بڑھا کر تکرار سے کیوں کام لیا؟

احقر کے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تکرار نہیں ہے کیونکہ مصنف علیہ الرحمہ نے گزشتہ شعر میں مخارج وصفات کے جاننے کو ضروری قرار دے کر لِیَلْفِظُوْا بِاَفْصَحِ اللُّغَاتِ کے ذریعہ جاننے کا فائدہ بتایا ہے اور اس شعر میں یہ سمجھایا ہے کہ مخارج وصفات کا جاننا ہی کافی نہیں بلکہ جاننے کے مطابق ادا کرنا بھی ضروری ہے اور صحیح ادائیگی کے ساتھ وقف وابتداء کی اغلاط سے بھی بچنا لازمی ہے۔

گویا اس شعر میں ان لوگوں کو تنبیہ کی ہے جو تجوید و قرآءت کے قواعد تو علمی اور کتابی طور پر رٹ لیتے ہیں مگر ادائیگی غلط کرتے ہیں۔ وَمَا الَّذِیْ ما موصولہ یا زائدہ ہے اور پہلی صورت میں اَلَّذِیْ اس کی تاکید ہے۔

﴿قولہ﴾ رُسِّمَ بتشدید المیم باب تفعیل سے ماضی مجہول کا صیغہ ہے اور بعض نسخوں میں بتخفیف المیم بھی لکھا ہے فِی الْمَصَاحِفِ مصحف کی جمع ہے یہاں مصاحف سے مراد قرآن مجید کے وہ نسخے ہیں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زیر اہتمام انہی کے دور خلافت میں لکھے گئے تھے اور مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، شام اور کوفہ، بصرہ وغیرہ کو ایک ایک نسخہ بھیج دیا گیا تھا تاکہ اس کے بعد جو بھی قرآن مجید لکھا جائے ان ہی نسخوں کے مطابق ہو۔

بخاری شریف ج ۲ ص ۷۴۵ میں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت سعید بن العاص اور حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام رضی اللہ عنہم کو مصاحف لکھنے کا حکم فرمایا تھا اور یہ بھی فرمایا تھا کہ حضرت زید بن ثابتؓ اور دیگر تین حضرات اگر قرآن شریف کے لکھنے میں کسی جگہ عربیت (کے رسم خط وغیرہ) میں مختلف ہوں تو قریش کے لغت کے مطابق لکھیں کیونکہ قرآن شریف قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے چنانچہ ان حضرات نے اس پر عمل کیا (حضرت زیدؓ انصاری اور باقی حضرات مہاجر تھے) یہ ۲۵ ہجری کا واقعہ ہے اس سے قبل حضرت ابو بکرؓ کے ارشاد سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے قرآن شریف کی کتابت کی تھی یعنی قرآن کے یاد رکھنے والوں سے سن کر اور کھجور کی ٹہنیوں اور ہڈیوں اور چمڑوں کے ٹکڑوں سے اخذ کر کے جمع کیا تھا جن پر اپنی اپنی یادداشتیں لوگوں نے لکھی تھیں خود حضرت زید بن ثابتؓ بھی حافظ قرآن اور کاتب وحی تھے۔ ان سے لکھوا کر حضرت ابو بکرؓ نے اپنے پاس محفوظ کر لیا تھا۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس محفوظ رہا پھر ان کی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہا۔

خلافت عثمانی کے دور میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل عراق کے ساتھ آرمینیہ اور آذربیجان کی فتح میں حصہ لیا تھا اور جہاد میں شرکت فرمائی تھی اس موقع پر جو ان کے ساتھ اختلاط رہا تو ان کے اختلاف فی القراءت سے گھبرا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنی کتاب کے بارے میں اختلاف کیا اسی طرح کے اختلاف کا مسلمانوں میں خطرہ پیدا ہو

ہے لہٰذا آپ وقت سے پہلے تدارک کر دیں چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے صحیفے منگوا کر ایک ہی طرح کے رسم خط پر کتابت کرا کر متعدد مصاحف لکھوائے اور اطراف میں ایک ایک نسخہ ارسال فرما دیا۔ اور ایک نسخہ اپنے لیے رکھ لیا جسے ''مصحف امام'' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

امت کا اس پر اجماع ہے کہ مصحف عثمانی کے خلاف قرآن کا رسم خط اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔

(8) مِنْ كُلِّ مَقْطُوْعٍ وَّ مَوْصُوْلٍ بِهَا
وَتَآءِ اُنْثٰى لَمْ تَكُنْ تُكْتَبْ بِهَا

﴿ت﴾ ''یعنی ہر وہ مقطوع اور موصول جو مصاحف عثمانیہ میں مرسوم ہے اور مونث کی وہ تاء جو بصورۃ ھاء (یعنی گول) نہیں لکھی گئی۔''

﴿تشریح﴾ مِنْ بیانیہ ہے اور یہ پورا شعر وَمَا الَّذِیْ الخ کا بیان ہے یعنی حضرت عثمانؓ کے لکھوائے ہوئے مصاحف میں ہر کلمہ جس طرح لکھا ہوا ہے وہی اس کا رسم خط ہے جس کا جاننا اور اتباع کرنا یعنی اسی طرح سے لکھنا ضروری ہے جس طرح انہوں نے مصاحف لکھوائے' مثلاً فِیْ اور مَا کو کسی جگہ ملا کر فِیْمَا لکھا گیا ہے اور کسی جگہ دونوں کو الگ کر کے لکھا ہے اور اسی طرح کی بہت سی مثالیں ہیں جو بَابُ مَعْرِفَةِ الْمَقْطُوْعِ وَالْمَوْصُوْلِ میں معلوم ہوں گی ملا کر لکھے ہوئے دو کلموں کے مجموعہ کو موصول (یعنی ملا ہوا) اور الگ الگ کر کے لکھے ہوئے ہر کلمہ کو مقطوع (یعنی کٹا ہوا) کہتے ہیں بظاہر ملا کر لکھنے اور الگ الگ کر کے لکھنے میں گو بہت سی جگہ معنی بدل جانے کا کوئی احتمال نہیں ہوتا لیکن مصحف عثمانی کے رسم خط کے مطابق لکھنا بہر حال واجب ہے اس کے خلاف لکھنا جائز نہیں ہے۔ مقطوع اور موصول کے مقررہ رسم خط کے علاوہ بھی بہت سے کلمات ایسے ہیں جو خلاف قیاس لکھے گئے جن کو علامہ شاطبیؒ نے قصیدہ رائیہ میں بتایا ہے۔

مقدمہ جزریہ کے مصنفؒ نے چونکہ اپنی کتاب میں صرف مقطوع اور موصول کی تفصیل لکھی ہے اور حرف تاء کے متعلق جو رسم خط مقرر ہے اس کی نشاندہی کی ہے اس لئے یہاں اس شعر میں انہوں نے ان ہی دو چیزوں کے ذکر پر اکتفا فرمایا ہے۔

﴿قولہ﴾ وَتَاءِ اُنْثٰی الخ یعنی طلبائے تجوید و قرآءت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ تائے تانیث کا رسم خط بھی پہچانیں اور اس کا اتباع کریں یعنی مقررہ رسم کے خلاف نہ لکھیں مثلاً لفظ رَحْمَتُ اور نَعْمَتُ کسی جگہ لمبی ت سے لکھا ہے اور کسی جگہ گول ۃ لکھی ہے جو وقف میں ھا ہو جاتی ہے حالانکہ ان دونوں کلموں کی گول ۃ کو لمبی ت لکھنا خلاف قیاس ہے مگر چونکہ مصحف عثمانی میں اس کو جگہ جگہ لمبی ت سے ہی لکھا ہے اس لئے ان خاص جگہوں میں اس کے خلاف لکھنا جائز نہیں ہے' وَمِنْ ھٰھُنَا قِیْلَ خَطَّانِ لَا یُقَاسَانِ خَطُّ الْعَرُوْضِ وَخَطُّ الْقُرْاٰنِ (دو رسم خط' خلاف قیاس ہیں (۱) علم عروض کا خط (۲) قرآن مجید کا خط) چونکہ مذکورہ ۃ کو لمبی ت لکھنا خلاف قیاس ہے اسی لئے زیادہ ضرورت اسی کے پہچاننے کی ہے کہ گول ۃ کی جگہ لمبی ت کہاں کہاں ہے کیونکہ جہاں موافق قیاس گول لکھی ہے وہاں زیادہ دھیان کے بغیر بھی غلطی سے احتراز ہو سکتا ہے اس لئے مصنفؒ نے یوں نہیں کہا کہ گول ۃ اور لمبی ت کو پہچانے بلکہ اہم ضرورت کا احساس دلانے کے لئے یوں کہا ہے کہ اس تاء تانیث کو جانے جو گول نہیں لکھی گئی۔

مصنفؒ نے باعتبار مایؤل الیہ کے ھاء کہا ہے جیسا کہ صاحب کافیہ نے جمع منتہی الجموع کے بیان میں ایسا کیا ہے فقال شرط صیغة منتھی الجموع بغیر ھاء یعنی اس تاء تانیث کو پہچانیں جو باعتبار مایؤل الیہ کے وقف میں ہاء ہو جاتی ہے۔

﴿قولہ﴾ لَمْ تَکُنْ تُکْتَبُ بِھَا۔ تُکْتَبُ مجزوم نہیں ہے کیونکہ لَمْ جازمہ کا اثر تَکُنْ پر ختم ہو چکا ہے اور یہ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ضرورت شعری کی وجہ سے مجزوم پڑھا جائے گا کیونکہ بمطابق مذہب سوسیؒ تُکْتَبُ کی باء کا بِھَا کی باء میں ادغام کبیر ہو رہا ہے لہٰذا باء مشددہ ہے ادغام کبیر میں حرف متحرک کو مابعد کے حرف میں مدغم کر دیتے ہیں اور بِھَا اصل میں بِھَاءِ (بالھمزة المتطرفة "طرف میں واقع ہونے والا ہمزہ") تھا وقف کی وجہ سے ہمزہ کو حذف کر دیا گیا۔ اور یہ حذف حضرت امام حمزہؒ کی قرآءت کے مطابق ہے۔

﴿فائدہ﴾ چونکہ ہر علم کے شروع کرنے سے پہلے اس کی تعریف موضوع اور غرض اور اس کا حکم معلوم کر لینا ضروری ہے اس لئے مصنفؒ نے حمد و صلوٰۃ کے بعد پہلے ان ہی چار امور کا تذکرہ فرمایا ہے اس کے بعد مخارج کا بیان شروع کیا ہے۔ مصنفؒ نے لفظ اِذْ وَاجِبٌ عَلَیْھِمْ مُحَتَّمٌ کہہ کر

علم تجوید کا حکم بتایا ہے اور اَنْ یَّعْلَمُوْا مَخَارِجَ الْحُرُوْفِ وَالصِّفَاتِ سے علم تجوید کی تعریف کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور لِیَلْفِظُوْا بِاَفْصَحِ اللُّغَاتِ فرما کر علم تجوید کی غرض بتائی ہے۔ اور موضوع کے بارے کہا جا سکتا ہے کہ اَلْحُرُوْفِ سے اس کی طرف اشارہ ہے کیونکہ علم تجوید کا موضوع حروف تہجی ہیں۔

یہاں مصنفؒ نے امور اربعہ کی طرف صرف اشارہ کیا ہے پھر مخارج وصفات سے فارغ ہو کر تجوید کی تعریف کی ہے حَیْثُ قَالَ وَهُوَ اِعْطَاءُ الْحُرُوْفِ حَقَّهَا الخ

﴿فائدہ﴾ لفظ مقطوع اور موصول کو ایک جگہ جمع کرنے میں صنعت طباق استعمال کی ہے جو مستحسنات بدیع میں سے ہے۔ طباق کی تعریف یہ ہے کہ کلام میں دو ایسے لفظ جمع کر دیئے جائیں جو معنی کے اعتبار سے باہم متقابل و متضاد ہوں اور مصرع اول نیز مصرع ثانی کے آخر میں جو لفظ بِهَا مکرر آیا ہے اس میں صنعت تجنیس ہے وہ بھی مستحسنات بدیعیہ میں سے ہے۔

تجنیس اس کو کہتے ہیں کہ کلام میں ایسے الفاظ جمع ہوں جو بولنے اور لکھنے میں تو مشابہ ہوں مگر دونوں کے معنی الگ الگ ہوں۔

بَابُ مَخَارِجِ الْحُرُوْفِ

مخارج حروف کا بیان

مخارج، مخرج (اسم ظرف) کی جمع ہے جن جگہوں سے حروف نکلتے ہیں ان کو مخارج کہتے ہیں اور یہاں حروف سے مراد حروف ہجا ہیں کلمہ نحویہ کی قسم ثالث (جو اسم فعل کی قسم ہے وہ) مراد نہیں ہے۔

حرف کی دو قسمیں ہیں:

(۱) حرف اصلی (۲) حرف فرعی۔

حروف اصلیہ عربی زبان میں ۲۹ ہیں۔

حرف ہجاء کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ هُوَ صَوْتٌ مُعْتَمِدٌ عَلٰى مَقْطَعٍ مُحَقَّقٍ اَوْ مَقْطَعٍ مُقَدَّرٍ۔ یعنی حرف وہ آواز ہے جو مقطع محقق یا مقطع مقدر پر معتمد ہو۔ مقطع محقق کا مطلب یہ

ہے کہ ہونٹ، زبان یا حلق کے کسی جزو معین پر آواز ٹھہرے۔ اور مخرج مقدر وہ ہے جس میں حرف کی آواز کسی جزو معین پر نہ ٹھہرتی ہو۔

مخرج مقدر دو ہیں جوف دہن اور خیشوم اور بعض حضرات نے صرف جوف دہن کو مخرج مقدر بتایا ہے۔

مخارج محققہ ومقدرہ سے انتیس (۲۹) حروف نکلتے ہیں جو یہ ہیں ا- ب- ت- ث- ج- ح- خ- د- ذ- ر- ز- س- ش- ص- ض- ط- ظ- ع- غ- ف- ق- ك- ل- م- ن- و- ہ- ء- ی- یہ عربی زبان کے حروف ہیں جن کی اپنی ذاتی اور خالص آواز مقرر ہے چونکہ ان میں سے کوئی حرف کسی دوسرے حرف کی آواز سے مل کر نہیں نکلتا ہے اس لئے ان کو حروف اصلیہ کہتے ہیں۔

حرف فرعی وہ ہے جو دوسرے حرف کے امتزاج سے پیدا ہوتا ہے اور اس کا مخرج بین المخرجین ہوتا ہے مثلاً ہمزہ مسہلہ اور صاد مشمہ بالزاء اور الف ممالہ جن کا طرز ادا اور متعلقہ معلومات شاطبیہ اور اس کی شروح میں مذکور ہیں۔ یہاں حروف ہجائیہ اصلیہ کے مخارج بیان کئے جا رہے ہیں۔

﴿فائدہ﴾ آج کل اہل عرب قاف کی جگہ گاف اور فاء کی جگہ پے بولتے ہیں اور اہل مصر جیم کی جگہ گاف بولتے ہیں یہ لوگ عموماً قرآن کو تو ٹھیک پڑھتے ہیں مگر اپنی بول چال میں حروف مذکورہ استعمال کرتے ہیں اور بعض بے احتیاط قرآن کی تلاوت کرتے وقت بھی غلطی کر جاتے ہیں۔ احقر نے مسجد نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں ایک شخص کو سورۃ یوسف پڑھتے ہوئے دیکھا تو اَلسِّجْنُ اور نَـاجٍ مِّـنْهُـمَـا میں جیم کی جگہ گاف پڑھتے ہوئے سنا، یہ سخت حرام ہے اور تحریف قرآن ہے۔ اعاذنا الله وایاهم من ذلك عجمی حروف کو اگر اہل عرب اپنی زبان میں استعمال کرنے لگیں تو اس سے وہ حروف لغات قرآن کا جزو نہیں بن سکتے۔

ولقد صدق علی القاری حیث قال واما الكاف العجمية وكذا الزای (الفارسية) والباء الفارسية فليست من اللغات القرانية وان كانت لغة لبعض العرب المصرية او اليمانية۔

(9) مَخَارِجُ الْحُرُوْفِ سَبْعَةَ عَشَرْ ❶
عَلَى الَّذِيْ يَخْتَارُهُ❷ مَنِ اخْتَبَرْ

﴿ت﴾ ''حروف کے مخارج سترہ ہیں اس قول کی بناء پر جسے اس نے اختیار کیا ہے۔ جس نے (مختلف اقوال) کی جانچ کی۔''

﴿تشریح﴾ مخارج حروف کی تعداد میں اختلاف ہے خلیل نحویؒ (استاد سیبویہؒ) اور دیگر محققین اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ کل مخارج سترہ ہیں۔ مصنفؒ کے نزدیک بھی یہی راجح ہے۔ اسی لئے انہوں نے اس کو اختیار کیا ہے اور یہاں سترہ مخارج بیان کئے ہیں جن کی تفصیل اور تشریح ابھی آتی ہے لیکن سیبویہ سولہ مخارج مانتے ہیں۔ انہوں نے سترہ مخارج (مذکورہ فی هذا المقدمة) میں سے مخرج اول یعنی جوف دہن کا اعتبار نہیں کیا اور الف کا مخرج وہ بتایا ہے جو ہمزہ کا مخرج ہے اور واؤ مدہ اور یائے مدہ کا مخرج وہی رکھا ہے جو واؤ متحرک اور یاء متحرک کا ہے اور فراء چودہ مخرج بتاتے ہیں وہ جوف دہن کا بھی اعتبار نہیں کرتے اور ل — ن — ر کا ایک ہی مخرج بتاتے ہیں اس طرح سے تین مخرج کم ہو کر چودہ مخارج رہ گئے۔

مخرج معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس حرف کا مخرج معلوم کرنا ہو اس کو ساکن کر کے اس سے پہلے ہمزہ متحرکہ لگا کر دیکھو جس جگہ آواز ٹھہر جائے وہی اس کا مخرج ہوگا جیسے باء کا مخرج معلوم کرنا ہو تو اَبْ کہو۔ اس کو ادا کرنے میں آواز ہونٹوں پر ٹھہر جاتی ہے اور یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ باء کا مخرج دونوں ہونٹ ہیں۔

دوسرا طریقہ مخرج کے معلوم کرنے کا یہ ہے (جو مشہور نہیں ہے مگر خلیل ابن احمد سے منقول ہے) کہ اس حرف کو متحرک کر کے آخر میں ہائے ساکنہ لگا کر تلفظ کرو مثلاً ج کا مخرج معلوم کرنا ہو تو جـه کا تلفظ کرو اس ھاء کو ہائے سکتہ کہتے ہیں۔ صورت اولیٰ میں (یعنی جب حرف کو ساکن کر کے ہمزہ متحرکہ

---

❶ سَبْعَةَ عَشَرْ اور مَنِ اخْتَبَرْ دونوں میں ضرورت شعری کی وجہ سے راء ساکنہ پڑھی جائے گی اگرچہ دونوں مبنی علی الفتح ہیں۔

❷ حكاية للحال الماضية' واختاره للضرورة ۔

اول میں لگا کر مخرج معلوم کیا جائے) انتہائے صوت پر غور کر کے مخرج معلوم ہوگا اور صورت ثانیہ میں (جب کہ ہائے سکتہ ملا کر مخرج معلوم کیا جائے تو) ابتدائے صوت پر غور کرنا ہوگا۔

جس قدر بھی مخارج محققہ ہیں ہونٹ' زبان اور حلق سے نکلتے ہیں یعنی یہ تین اعضاء ایسے ہیں جن کے مختلف اجزاء سے حروف ادا ہوتے ہیں گو' مسوڑھوں اور دانتوں کا بھی بعض حروف کی ادائیگی میں دخل ہے مگر محض دانت یا مسوڑھے سے کوئی حرف ادا نہیں ہوتا' جوف دہن اور خیشوم کا اضافہ کرنے سے خروج حروف کے مقامات پانچ کہے جا سکتے ہیں اور مصنفؒ کی یہی رائے ہے لیکن چونکہ جوف کو بہت سے قراء و نحاۃ مخرج مانتے ہی نہیں اور غنہ کا مخرج مخارج حروف میں بیان کرنے پر بھی اعتراض کیا گیا ہے اس لئے حروف نکلنے کے متفق علیہ اعضاء تین ہی ہیں۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ شرح شاطبیہ میں لکھتے ہیں کہ اعضاء ثلاثہ ہونٹ' زبان' حلق کی طرف لفظ الٓمّٓ سے اشارہ ہے کیونکہ لفظ الف کا پہلا حرف ہمزہ ہے جو حلق سے نکلتا ہے اور ل کا مخرج زبان ہے اور م کا مخرج ہونٹ ہے۔

قادر مطلق جل مجدہٗ نے حروف کے جو مخارج فطری طور پر مقرر فرما دیئے ہیں انسان ان ہی سے ادا کرنے پر مجبور ہے' خلق افعال کے بارے میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کا ایک معتزلی سے مناظرہ ہو گیا معتزلہ کہتے ہیں کہ بندے خود اپنے افعال کے خالق ہیں اور اہل سنت والجماعت فرماتے ہیں کہ افعال عباد کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے اور بندے خالق نہیں بلکہ کاسب ہیں۔ حضرت امام صاحبؒ نے اس متزلی سے فرمایا کہ اگر تو خود اپنے فعل کا خالق ہے تو حاء کو جو وسط حلق سے نکلتی ہے ادنائے حلق یا اقصائے حلق سے نکال کر دکھا' یہ سنتے ہی وہ معتزلی مبہوت اور حیران رہ گیا۔

(10) فَأَلِفُ ❶ الْجَوْفُ وَأُخْتَاهَا وَهِيْ
حُرُوْفُ مَدٍّ لِّلْهَوَاءِ تَنْتَهِيْ

---

❶ الفاء تفصيلية وقوله "الجوف" بالرفع على انه مبتدا او خبر للمبتدا' اى فالف مخرجها الجوف' او الجوف مخرجها' ويحتمل ان يكون لفظ الجوف مجرورا على انه من باب الاضافة الى الظرف' او هي لامية' اولادنى ملابسة۔

﴿ت﴾ ''پس الف (کا مخرج) جوف ہے اور اس کی دونوں بہنیں (یعنی واؤ ساکن ماقبل مضموم اور یاء ساکن ماقبل مکسور بھی اسی کی طرح ہیں) یعنی یہ دونوں بھی جوف سے نکلتے ہیں اور یہ (تینوں حروف) حروف مد ہیں جو ہوا پر تمام ہو جاتے ہیں۔''

﴿تشریح﴾ پہلا مخرج جوف دہن ہے یعنی منہ کے اندر کا خلاء اس سے حروف مدہ نکلتے ہیں جو تین ہیں (۱) الف' جو ہمیشہ ساکنہ ہوتا ہے اور اس سے قبل ہمیشہ فتحہ ہی ہوتا ہے۔ (۲) واؤ جب کہ ساکنہ ہو اور اس سے قبل ضمہ ہو۔ (۳) یائے ساکنہ جب کہ اس سے قبل کسرہ ہو۔ ان کو حروف مد یا مدہ اس لئے کہتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک ذاتی طور پر مد اصلی اور طبعی ہے اور کسی سبب سے جب کہیں مد فرعی ہوتا ہے تو ان ہی میں سے کسی ایک کو بڑھا کر پڑھنے سے پیدا ہوتا ہے۔ یوں کہنا چاہیے کہ یہ تینوں مادۂ مد ہیں۔ مصنفؒ نے الف کو اصل قرار دیا ہے یعنی پہلے الف کا مخرج جوف بتایا اور پھر یوں کہا کہ اس کی دونوں بہنوں کا بھی یہی مخرج ہے۔ یہ طرز اس امر کے ظاہر کرنے کے لئے اختیار کیا کہ الف ہمیشہ مدہ ہی ہوتا ہے مگر واؤ اور یاء غیر مدہ بھی ہوتے ہیں تینوں حروف مدہ لفظ نُوْحِيْهَا اور اُوْتِيْنَا میں جمع ہیں۔

شعر کے دوسرے مصرع میں مصنفؒ نے یہ بتایا ہے کہ یہ تینوں حروف ہوا پر تمام ہو جاتے ہیں۔ یعنی یہ چونکہ تینوں مقطع محقق پر معتمد نہیں ہوتے اس لئے منہ کے اندر جو خلاء ہے اسی کی ہوا پر تمام ہو جاتے ہیں اور اسی لئے ان کو حروف جوفیہ اور ہوائیہ کہتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ یہ تینوں امتداد کو قبول کرتے ہیں یعنی ان کو بقدر سانس کھینچا جا سکتا ہے۔

چونکہ یہ تینوں حَیِّزْ (حَیِّزْ بمعنی جگہ) مقدر سے نکلتے ہیں اس لئے مناسب یہ تھا کہ ان کا مخرج بعد میں بیان کیا جاتا لیکن مصنفؒ نے اس کے باوجود ان تینوں کا مخرج پہلے بیان کیا ہے غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ دیگر حروف کے مخارج کے اعتبار سے ان تینوں کے مخرج میں عموم ہے اور ان کا مخرج بمنزلہ کل ہے اور باقی مخارج (علی الانفراد) بمنزلہ جزو ہیں۔ اس لئے کل کو جزو پر مقدم کر دیا۔ عموم مخرج کا مطلب یہ ہے کہ جوف دہن دراز مخرج ہے جس کا پھیلاؤ دیگر مخارج کی حد تک ہے۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ سیبویہ نے جو الف کا مخرج' مخرج ہمزہ بتایا ہے تو یہ اس اعتبار سے ہے کہ الف کی آواز کی ابتداء مبدا حلق سے ہوتی ہے اور پھر بڑھتے ہوئے سارے منہ کی ہوا میں پھیل

جاتی ہے۔

اور مکیؒ نے رعایہ میں لکھا ہے کہ الف ایسا حرف ہے جس کا مخرج حلق میں جا کر ختم ہو جاتا ہے تو گویا الف کی ابتداء بھی حلق سے ہے اور انتہاء بھی حلق پر ہے اس اعتبار سے اس کو حرف حلقی کہنا بھی درست ہوا جیسا کہ علامہ شاطبیؒ نے اختیار کیا ہے اور اس کا مخرج بجائے جوف کے حلق بتانا بھی صحیح ہوا (انتہی ملخصاً)

﴿فائدہ﴾ حروف مدہ زمانی ہیں کیونکہ ان کے ادا کرنے میں کسی قدر وقت زیادہ خرچ ہوتا ہے اور حروف شدیدہ آنی ہیں جو آن واحد میں ادا ہو جاتے ہیں اور ان کے علاوہ دیگر حروف آنی اور زمانی کے درمیان ہیں جن میں ضاد قریب بزمانی ہے اور باقی حروف قریب بآنی ہیں۔

﴿فائدہ﴾ الف اور ہمزہ میں یہ فرق ہے کہ الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے اور اس سے پہلے ہمیشہ فتح ہوتا ہے اور ہمزہ متحرک بھی ہوتا ہے اور ساکن بھی لیکن جب اس پر سکون ہوگا اور ماقبل والے حرف کو اس سے ملا کر پڑھیں گے تو جھٹکے سے ادا کریں گے قَالَ میں الف ہے اور اَلْحَمْدُ میں ہمزہ مفتوحہ ہے اور مَاْكُوْل میں ہمزہ ساکنہ ہے اور ضروری نہیں ہے کہ ہمزہ ساکنہ سے پہلے فتحہ ہی ہو اس سے پہلے زیر اور پیش بھی ہوتا ہے جیسے بِئْسَ اور بُؤْسٌ

﴿فائدہ﴾ واؤ متحرک اور واؤ ساکن ماقبل غیر مضموم کا مخرج جوف دہن نہیں ہے بلکہ دونوں ہونٹوں کے ناتمام ملنے سے نکلتا ہے اسی طرح یائے متحرکہ اور یائے ساکنہ ماقبل غیر مکسور کا مخرج بھی جوف دہن نہیں ہے بلکہ وہ شجر فم سے نکلتی ہے (دیکھو مخرج نمبر ۷)

﴿فائدہ﴾ واؤ ساکن ماقبل مفتوح (جیسے خَوْف) اور یائے ساکن ماقبل مفتوح (جیسے ضَيْف) کو حروف لین کہتے ہیں اور گو بعض حالات میں ان پر بھی مد ہوتا ہے لیکن مدہ صرف اسی وقت ان کو کہا جاتا ہے جبکہ ان سے پہلے والے حرف کی حرکت ان کی ہم جنس ہو یعنی واؤ ساکن سے پہلے ضمہ اور یائے ساکن سے پہلے کسرہ ہو۔ فاحفظ

(11) ثُمَّ لِاَقْصَى الْحَلْقِ هَمْزٌ هَاءٌ

ثُمَّ لِوَسْطِهٖ فَعَيْنٌ حَاءٌ

﴿ت﴾ ''پھر اقصائے حلق کے لئے ہمزہ اور ہاء ہے، پھر وسط حلق کے لئے عین اور حاء ہے۔''

﴿تشریح﴾ اس شعر میں مصنفؒ نے دوسرا اور تیسرا مخرج بیان کیا ہے آگے بڑھنے سے قبل یہ سمجھ لیجئے کہ مصنف علیہ الرحمہ نے بیان مخارج کی ترتیب اس طرح رکھی ہے کہ حلق سے شروع کر کے ہونٹوں تک چلے آئے ہیں اور یہ بھی جاننا چاہیے کہ مخارج حروف کے اعتبار سے حلق کے تین حصے ہیں۔

اول: اقصاء حلق: یعنی حلق کا وہ حصہ جو خوب دور ہے اور سینہ کے قریب ہے۔

دوم: ادنیٰ حلق: یعنی حلق کا وہ حصہ جو زبان کی جڑ سے قریب ہے۔

سوم: وسط حلق: جو اقصاء حلق اور ادنیٰ حلق کے درمیان میں ہے۔ اَقْصٰی بمعنی اَبْعَدُ (خوب دور) اور اَدْنٰی بمعنی اَقْرَبُ (خوب نزدیک) ہے دونوں اسم تفضیل کے صیغے ہیں۔

اقصاء حلق سے ہمزہ اور ہائے ہوز یعنی چھوٹی ھا نکلتی ہے اور یہ مصنف کی ترتیب کے مطابق دوسرا مخرج ہے اور وسط حلق سے عین اور حاء حطی یعنی بڑی حاء نکلتی ہے اور ترتیب مصنفؒ کے اعتبار سے یہ تیسرا مخرج ہے اور ادنیٰ حلق سے غین (معجمہ) اور خاء (معجمہ) نکلتی ہے اور ترتیب مصنفؒ کے اعتبار سے یہ چوتھا مخرج ہے اور ان چھ حروف کو حروف حلقیہ کہا جاتا ہے جن کا بامعنی کوئی مجموعہ نہیں بنتا۔ ان کے یاد رکھنے کے لئے یہ شعر یاد کرلو۔

حلق کے چھ حروف ہیں اے مہ لقا ہمزہ ہاؤ عین و حاء وغین خاء

اور ملا علی قاری رحمہ اللہ نے عربی کے اس شعر میں حروف حلقیہ ستہ کو جمع کیا ہے۔

فَهَمْزٌ وَهَاءٌ ثُمَّ عَيْنٌ وَ حَاءُ هَا
وَغَيْنٌ وَخَاءٌ ثُمَّ كُنْ مُتَأَمِّلاً

نیز مصرع ذیل کے اوائل کلمات میں بھی حروف حلقیہ ستہ جمع ہیں۔

اَخِيْ هَاكَ عِلْمٌ حَازَهٗ غَيْرُ خَاسِرٍ

﴿فائدہ﴾ چونکہ سیبویہؒ اور علامہ شاطبیؒ نے الف کا مخرج اقصاء حلق بتایا ہے اس لئے ان کے نزدیک حروف حلق سات ہوں گے۔

﴿قولہ﴾ همزٌ هَاءٌ ای هَمْزَةٌ وَهَاءٌ وزن شعر کی وجہ سے حرف عاطف یعنی واؤ کو حذف کردیا ہے اور لفظ "هَمْزَةٌ" کی "ة" بھی حذف ہوگئی۔

﴿قولہ﴾ فَعَيْنٌ وَحَاءٌ ای عَيْنٌ فَحَاءٌ ضرورت شعر کی وجہ سے فائے عاطفہ بجائے معطوف کے معطوف علیہ پر داخل کردی ہے اور بعض نسخوں میں وَمَا لِوَسْطِهٖ فَعَيْنٌ حَاءٌ ہے اس نسخہ کی بناء پر فاء اپنی جگہ پر صحیح ہے مگر اس صورت میں عاطفہ نہ ہوگی بلکہ جزائیہ ہوگی اور ما موصولہ متضمن معنی شرط کو ہوگا اور حرف عاطف محذوف ہوگا ای فَعَيْنٌ وَحَاءٌ فافهم۔

﴿فائدہ﴾ ھاء اور ہمزہ مخرج کے اعتبار سے ایک ہی مرتبہ میں ہیں یا کچھ تقدیم و تاخیر ہے؟ اس میں دونوں قول ہیں جس نے ایک مرتبہ نہیں مانا اس نے ہمزہ کو ھاء سے مقدم بتایا ہے اور جو لوگ الف کا مخرج بھی اقصاء حلق بتاتے ہیں ان کے نزدیک الف ھاء سے مقدم ہے اور علامہ شاطبیؒ کے نزدیک الف کا مرتبہ ہمزہ کے بعد ہے اسی طرح کا اختلاف عین اور حاء کے متعلق بھی ہے سیبویہؒ عین کی تقدیم کے قائل ہیں اور مکیؒ کا بھی یہی قول ہے اور ابوالحسن ابن شریحؒ اور مہدویؒ وغیرہ نے حاء کو عین پر مقدم کہا ہے۔ غین اور خاء کے بارے میں بھی اسی طرح کا اختلاف ہے سیبویہؒ اور شاطبیؒ غین کو مقدم کہتے ہیں اور مکیؒ اس کا عکس مانتے ہیں۔ هذا كله في شرح القاري

(12) اَدْنَاهُ غَيْنٌ خَآءُهَا وَالْقَافُ
اَقْصَى اللِّسَانِ فَوْقُ ثُمَّ الْكَافُ

﴿ت﴾ "ادنائے حلق غین اور خاء (کا مخرج) ہے اور قاف اقصائے لسان (اور اس کے مقابل) اوپر کے تالو سے نکلتا ہے پھر کاف (کا مخرج)۔"

(13) اَسْفَلُ وَالْوَسْطُ فَجِيمُ الشِّيْنُ يَا
وَالضَّادُ مِنْ حَافَتِهٖ اِذْ وَلِيَا

﴿ت﴾ "(قاف کے مخرج سے) نیچے ہے اور وسط لسان سے پس جیم اور شین اور یاء نکلتے ہیں اور ضاد حافہ لسان سے نکلتا ہے جب کہ وہ مل جائے۔"

(14) اَلْاَضْـرَاسَ مِـنْ اَيْسَـرَ اَوْ يُـمْـنَـاهَـا
وَ اللَّامُ اَدْنَـاهَـا لِـمُـنْـتَـهَـاهَـا

﴿ت﴾ ''اضراس (علیا) سے' داہنی طرف کی داڑھوں سے بھی نکلتا ہے اور بائیں طرف کی داڑھوں سے بھی' اور لام کا مخرج حافہ لسان کے قریب سے شروع ہو کر اس کے منتہیٰ تک ہے۔''

﴿تشریح﴾ شعر ۱۲' ۱۳' ۱۴ میں مصنفؒ نے چھ مخارج بیان فرمائے ہیں اور ان سے پہلے تین مخارج بیان کر چکے ہیں مخرج نمبر ۴' ۵' ۶' ۷' ۸' ۹ بالترتیب اشعار بالا میں مذکور ہیں جن کی تشریح اس طرح ہے۔

﴿قولہ﴾ اَدْنَاہُ' اَدْنٰی بمعنی اَقْرَبْ کے ہے جو دُنُوٌّ سے مشتق ہے اور ضمیر مجرور مضاف الیہ حلق کی طرف راجع ہے۔

﴿قولہ﴾ غَیْنٌ خَاءُ هَا بحذف المضاف ہے یعنی اَدْنَی الْحَلَقِ مَخْرَجُ غَیْنٌ وَخَاءُ هَا اور غَیْنٌ خَاءُ هَا کے درمیان سے حرف عطف ضرورت شعری کی وجہ سے حذف کر دیا ہے اور خَاءُ هَا کی ضمیر مجرور غین کی طرف راجع ہے اور یہ اضافت ادنیٰ ملابست کی وجہ سے ہے۔ وھی مَشَارُ کھما فی کونھما حلقیتین اور فی کونھما معجمتین او اتحاد ھما فی المخرج۔ خلاصہ یہ ہے کہ ادنیٰ حلق سے غین اور خاء نکلتی ہے اور یہ مصنفؒ کی ترتیب کے اعتبار سے چوتھا مخرج ہے جس کی مزید توضیح مع امور متعلق ضروریہ ابھی ہم شعر (۱۱) کی تشریح میں لکھ چکے ہیں۔ وللہ الحمد

پانچواں مخرج: قاف کا ہے جو اقصائے لسان یعنی زبان کے اس آخری حصہ سے نکلتا ہے جو حلق سے ملا ہوا ہے جسے زبان کی جڑ بھی کہتے ہیں۔ مصنفؒ نے اَقْصَی اللِّسَانِ کے بعد لفظ فَوْقُ بڑھا کر یہ بتایا ہے کہ قاف ادا ہونے کے لئے اقصاء لسان کا اپنے مقابل اوپر کے تالو سے ٹکرانا ضروری ہے پس تقدیر عبارت اس طرح ہے وَالْقَافُ مَخْرَجُهَا اَقْصَی اللِّسَانِ وَمَا فَوْقَهٗ مِنَ الْحَنَكِ الْاَعْلٰی۔

چھٹا مخرج: کاف کا ہے جو قاف کے مخرج سے متصل ہی منہ کی جانب ذرا نیچے ہٹ کر ہے۔

مصنفؒ نے ثُمَّ الْكَافُ اَسْفَلُ کہہ کر اسی کو بتایا ہے تقدیر عبارت یوں ہے: ثُمَّ الْكَافُ مَخْرَجُهَا اَقْصَى اللِّسَانِ اَسْفَلُ مِنَ الْقَافِ یعنی اِنَّ الْكَافَ فِيْ اَسْفَلِ اللِّسَانِ بِالنِّسْبَةِ اِلَى الْقَافِ۔ کاف کا مخرج بھی اقصائے لسان اور اوپر کا تالو ہے مگر بنسبت قاف کے مخرج کے اس کا مخرج منہ کی جانب قریب ہے یہ دونوں حروف چونکہ لہاۃ کے قریب سے نکلتے ہیں اس لئے ان کو لہویہ اور لہاتیہ کہتے ہیں۔ لہاۃ اس کوے کو کہتے ہیں جو حلق میں لٹکا رہتا ہے۔

﴿قولہ﴾ وَالْوَسْطُ فَجِيْمُ الشِّيْنُ يَا، اس عبارت میں مصنفؒ نے ساتواں مخرج بیان کیا ہے۔ یعنی وَسْطُ اللِّسَانِ (یعنی زبان کا درمیانی حصہ) اور اس کے مقابل اوپر کا تالو اس سے جیم۔ شین اور یاء ادا ہوتے ہیں اور ان تینوں حروف کو حروف شجریہ کہتے ہیں کیونکہ شجر الفم ❶ سے نکلتے ہیں۔

اَلْوَسْطُ میں لام تعریف مضاف الیہ کا بدل ہے کیونکہ وسط سے وسط لسان مراد ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے وَسْطُ اللِّسَانِ مَعَ مَا يُحَاذِيْهِ مِنْ وَسْطِ الْحَنَكِ الْاَعْلٰى فَمَخْرَجُ الْجِيْمِ وَالشِّيْنِ وَالْيَاءِ ضرورت شعری کے باعث خبر پر فاء کا اضافہ کر دیا ہے اور جیم کی تنوین حذف کر دی ہے اور جیم اور یاء کو نکرہ اور شین کو معرفہ لائے ہیں اور معطوفات کے درمیان سے حروف عاطفہ بھی حذف کر دیئے ہیں بحسب ما استقام له الوزن في هذا المقام اور لفظ يَا سے ہمزہ حذف کر دیا ہے۔ كَمَا هُوَ قِرَاءَةُ حَمْزَةَ فِيْ مِثْلِ هٰذَا اللَّفْظِ اِذَا وُقِفَ عَلَيْهِ۔

﴿تنبیہ﴾ یہاں یاء غیر مدہ کا مخرج بیان ہوا ہے کیونکہ یاء مدہ کا مخرج مصنفؒ کے نزدیک جوف دہن ہے۔ كَمَا مَرَّ

﴿فائدہ﴾ اپنے مخرج میں حروف شجریہ کی کیا ترتیب ہے اس کے بارہ میں مہدوی کا قول ہے کہ کاف کے مخرج سے متصل شین کا مخرج ہے اور اس کے بعد جیم اور یاء کا مخرج ہے۔

﴿فائدہ﴾ آئندہ جو مخارج بیان ہوں گے ان میں اضراس اور ثنایا کا ذکر ہے جو مجموعہ "دندان"

❶ قال القاری الشجر مفتح الفم وقیل مجمع اللحیین۔ یعنی شجر فم منہ کے کھلے ہوئے حصہ کو کہتے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ دونوں جبڑوں کے جمع ہونے کی جگہ کو شجر فم کہا جاتا ہے شَجَرْ شین اور جیم کے زبر کے ساتھ ہے۔

کے اجزاء ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آگے بڑھنے سے پہلے دانتوں کے نام اور مواقع بیان کر دیئے جائیں۔

یاد رہے کہ انسان کے منہ میں عموماً بتیس دانت ہوتے ہیں سولہ اوپر اور سولہ نیچے۔ سامنے ہونٹوں کے کھلتے ہی جو چوڑے دانت نظر آتے ہیں ان کو **ثَنَایَا** کہتے ہیں ان میں سے اوپر کے دو کو **ثَنَایَا عُلْیَا** یا **ثَنَایَا مُشْرِفَهْ** کہا جاتا ہے اور نیچے جو دو ہیں ان کو **ثَنَایَا سُفْلٰی** کہتے ہیں۔ پھر ثنایا کے پہلو میں دونوں جانب جو دو دو دانت ہیں (ہر طرف ایک اوپر اور اس کا مقابل دوسرا نیچے) ان چاروں کو **رَبَاعِیَاتْ** ❶ اور **قَوَاطِعْ** کہتے ہیں، پھر ان رباعیات کے پہلو میں دونوں جانب جو چار دانت ہیں (دو اوپر اور دو نیچے) ان کو **اَنْیَابْ** اور **کَوَاسِرْ** کہتے ہیں یہ کل بارہ ہوئے ان کے علاوہ جو بیس دانت ہیں داہنی طرف دس (پانچ اوپر پانچ نیچے) اور بائیں طرف دس (پانچ اوپر پانچ نیچے) ان کو **اَضْرَاس** کہتے ہیں۔ ان میں جو اوپر والے دس ہیں (پانچ داہنی طرف اور پانچ بائیں طرف ان کو **اَضْرَاسِ عُلْیَا** کہتے ہیں (جن کا ضاد کے مخرج میں ذکر آتا ہے) اور نیچے والے اضراس کو **اَضْرَاسِ سُفْلٰی** کہتے ہیں۔ مجموعہ اضراس تین قسموں پر منقسم ہے (۱) **ضَوَاحِكْ** (۲) **طَوَاحِنْ** (۳) **نَوَاجِذْ**۔ جن کی تفصیل یہ ہے کہ انیاب کے پہلو میں دونوں جانب جو چار دانت ہیں (ایک نیچے داہنی طرف اور دوسرا نیچے بائیں طرف اور ایک اوپر داہنی طرف اور دوسرا اوپر بائیں طرف) ان کو ضواحک کہتے ہیں۔ پھر ضواحک کے پہلو میں دونوں جانب جو بارہ دانت ہیں چھ داہنی طرف (تین اوپر تین نیچے) اور چھ بائیں طرف (تین اوپر اور تین نیچے) ان کو طواحن کہتے ہیں۔

پھر ان طواحن کے پہلو میں بالکل آخر میں چار دانت ہیں (دو اوپر ایک داہنی طرف ایک بائیں طرف) اور دو نیچے (ایک داہنی طرف ایک بائیں طرف) ان کو **نَوَاجِذْ** کہتے ہیں۔ ان کی ترتیب اور تفصیل کو یاد رکھنے کے لئے مندرجہ ذیل اشعار یاد کرلو۔

وَعِدَّةُ الْأَسْنَانِ لِلْإِنْسَانِ ۔۔۔ كُلٌّ ثَلَاثُوْنَ يَلِيْهَا اثْنَانِ

مِنْهَا الثَّنَايَا أَرْبَعٌ أَرْبَعٌ ۔۔۔ هُنَّ الرَّبَاعِيَاتُ فِيْمَا يُسْمَعُ

---

❶ رَبَاعِیَات راء کے زبر کے ساتھ اور یاء بھی غیر مشدد پڑھیں۔ کما ذکر القاری فی شرح الشاطبیۃ۔۱۲

وَسَمِّ بِالْأَنْيَابِ مِنْهَا أَرْبَعَا وَأَرْبَعًا ضَوَاحِكًا لِّمَنْ وَّعٰى

وَعِدَّةُ الرَّحٰى مِنْهَا اثْنَا عَشَرَ ثَلَاثَةٌ فِىْ كُلِّ شِقٍّ قَدْ ظَهَرَ

وَ أَرْبَعٌ نَوَاجِذُ أَقْصَى الْفَمِ وَهِىَ بِذَالِ إِنْ سُئِلْتَ مُعْجَمِ

آمدیم برسر مطلب۔اب ہم پھر مخارج کا بیان شروع کرتے ہیں۔سو جاننا چاہیے کہ

آٹھواں مخرج: ضاد (معجمہ) کا ہے جو حافہ لسان یعنی زبان کی کروٹ اور اضراس علیا کی جڑوں کے ملنے سے ادا ہوتا ہے داہنی طرف سے بھی ادا ہوسکتا ہے (مگر داہنی طرف سے نکالنا مشکل ہے) اور بائیں طرف سے بھی ادا ہوسکتا ہے (اور بائیں طرف سے ادا کرنا آسان ہے) اور عموماً سب بائیں طرف سے ادا کرتے ہیں' نیز دونوں جانب سے بھی بیک وقت ادا ہوسکتا ہے مگر یہ بہت مشکل ہے۔ حضرت عمرؓ بیک وقت دونوں جانب سے ادا فرماتے تھے۔ (کما ذکر القاری فی شرح الشاطبیۃ) اور چونکہ یہ حرف حافہ لسان سے نکلتا ہے اس لئے اس کو حَافِيَهْ کہتے ہیں۔

بہت سے لوگ اس کو خالص دال یا خالص ظاء یا دواد پڑھتے ہیں یہ سب غلط ہے اور نئے دور کے بہت سے قاری حضرات حافہ لسان کو اضراس علیا سے ملاتے ہی نہیں ہیں بلکہ حافہ کو اضراس کے قریب سے گزار کر آگے بڑھ جاتے ہیں' یہ سب لوگ غلطی پر ہیں ضاد کو اس کے صحیح مخرج سے پوری صفات کے ساتھ اور خصوصاً صفت استطالت کے ساتھ ادا کرنا چاہیے' اگر مخرج اور صفات کا پورا لحاظ کیا جائے تو اس کی آواز ظاء کے بہت مشابہ ہوگی۔

﴿قولہ﴾ وَالضَّادُ اى اَخْرِجِ الضَّادَ مِنْ حَافَتِهٖ اى حَافَةِ ❶ اللِّسَانِ اِذْ وَلِيَا اى اِتَّصَلَتْ حَافَتُهٗ اور وَلِيَا ماضی مطلق کا صیغہ ہے اس میں الف اطلاق کا ہے یعنی ضرورت شعری کی وجہ سے فتح یاء کو بقدر الف کھینچ کر پڑھا جائے گا۔

﴿قولہ﴾ اَلْاَضْرَاسَ' وَلِيَا کا مفعول ہے اور اضراس سے اضراس علیا مراد ہیں اور اَلْاَضْرَاسَ کو اس طرح پڑھیں گے کہ لام تعریف کو فتحہ دے کر ضاد سے ملادیں گے۔ وَلِيَا کے اندر

❶ حافة اللسان بتخفيف الفاء طرفه وجانبه والالف منقلبة عن الواو كذا ذكر القارى فى شرح الشاطبية' وذكره المنجد فى مادة حوف۔١٢

جو ضمیر مستتر ہے حافہ لسان کی طرف راجع ہے اور چونکہ حافہ طرف کے معنی میں ہے اس لئے معنی کا لحاظ کرتے ہوئے ضمیر مذکر اس کی جانب راجع کر دی گئی۔

ملا علی قاریؒ نے وَلِيَا کے الف کو الف تثنیہ بتایا ہے اور حافہ سے جانبین مراد لے کر ضمیر تثنیہ راجع کی ہے اور وَلِيَـــا کے الف کو الف اطلاق بتانے میں صیغہ تمریض استعمال کیا ہے گویا ان کے نزدیک تثنیہ ہونا راجح ہے لیکن ہمارے نزدیک تثنیہ بنانا تکلف بارد ہے۔

﴿قولہ﴾ مِنْ اَيْسَرِ اَوْ يُمْنَاهَا۔ یہ علی سبیل ما نعة الخلو ہے مانعة الجمع نہیں ہے کیونکہ دفعۃً دونوں جانب سے بھی ضاد کو نکالنا جائز ہے مصنفؒ کو مِنْ يُسْرَاهَا اَوْ يُمْنَاهَا کہنا چاہیے تھا مگر ضرورت شعری کی وجہ سے ایک صیغہ میں تذکیر سے کام لیا اور دوسرے صیغہ میں تانیث اختیار کی ہے۔

نواں مخرج: لام کا ہے جس کو مصنفؒ نے شعر (۱۴) کے مصرع ثانی میں وَللَّامُ اَدْنَـــاهَـــا لِمُنْتَهَاهَا کہہ کر بتایا ہے یعنی اَنَّ مَخْرَجَ اللَّامِ اَدْنَى الْحَافَةِ اى اَقْرَبُهَا وَ اَوَّلُهَا اِلٰى نِهَا يَتِهَا اَوْ اِلٰى مُنْتَهٰى طَرْفِهَا۔ اور لِمُنْتَهَا هَا میں لام بمعنی اِلٰى ہے۔ حاصل یہ ہے کہ زبان کا کنارہ مع کچھ حصہ حافہ جب ثنایا اور رباعی اور ناب اور ضاحک کے مسوڑھوں سے ٹکر کھائے اور کسی قدر حنک اعلیٰ یعنی اوپر کے تالو کی طرف مائل ہو تو اس سے لام نکلتا ہے خواہ داہنی طرف سے خواہ بائیں طرف سے لیکن (ضاد کے برعکس) داہنی طرف سے نکالنا آسان ہے اور بیک وقت دونوں طرف سے بھی ادا ہو سکتا ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں وَلَيْسَ فِي الْحُرُوْفِ اَوْسَعُ مَخْرَجًا مِّنْهُ (یعنی لام سے زیادہ کوئی حرف وسیع المخرج نہیں ہے۔)

(15) وَالنُّوْنَ مِنْ طَرْفِهٖ تَحْتُ اجْعَلُوْا

وَ الرَّا ❶ يُدَانِيْهٖ ❷ لِظَهْرٍ اَدْخَلُ

❶ قال القارى بقصر الراء ضرورة اى لضرورة وزن الشعر اقول لو قال المصنف والراء دانيه باثبات الهمزة و باضافة اسم الفاعل الى الضمير لاستقام الوزن بدون القصر۔

❷ باشباع كسرة الضمير۔

﴿ت﴾ "اور نون کو زبان کے سرے سے (لام کے مخرج سے کچھ) نیچے ادا کرو اور راء (کا مخرج) نون کے مخرج سے قریب ہے (لیکن) پشت زبان کی طرف زیادہ داخل ہے۔"

﴿تشریح﴾ النُّوْنَ منصوب ہے کیونکہ اِجْعَلُوْا کا مفعول مقدم ہے اور مبتدا بنا کر مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں یعنی اَلنُّوْنُ یَخْرُجُ مِنْ طَرَفِہٖ او یقال مَخْرَجُ النُّوْنِ مِنْ طَرَفِہٖ اس صورت میں اِجْعَلُوْا کا مفعول محذوف ہوگا ای اِجْعَلُوْہُ۔

﴿وقولہ﴾ تَحْتُ مَبْنِیٌّ عَلَی الضَّمِّ بِحَذْفِ الْمُضَافِ اِلَیْہِ ای تَحْتَ مَخْرَجِ اللَّامِ۔

﴿وقولہ﴾ مِنْ طَرَفِہٖ ای طَرَفِ اللِّسَانِ۔ مطلب یہ ہے کہ دسواں مخرج نون کا ہے جو لام کے مخرج سے نیچے کو ہے کیونکہ نون ثنایا رباعی اور ناب کے مسوڑھے اور زبان کی نوک سے نکلتا ہے اور اس کا مخرج لام کے مخرج سے کم ہے۔ نون میں ضاحک کو دخل نہیں ہے اور یہ مخرج نون مظہرہ کا ہے کیونکہ نون مخفاۃ (جو نون اخفاء کے ساتھ ادا کیا جائے اس کا) مخرج خیشوم ہے کما سیجئ انشاء اللہ تعالی۔

﴿قولہ﴾ وَالرَّایُدَ انِیْہِ لِظَھْرٍ اَدْخَلُ یعنی مَخْرَجُ الرَّاءِ یُدَانِیْ ای یُقَارِبُ مَخْرَجَ النُّوْنِ لٰکِنَّہٗ اِلٰی ظَھْرِ اللِّسَانِ اَدْخَلُ مطلب یہ ہے کہ گیارھواں مخرج راء کا ہے جو نون کے مخرج کے قریب ہے۔ البتہ مخرج راء میں پشت زبان کو زیادہ دخل ہے۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ بعض نسخوں میں اَدْخَلُوْا بصیغۃ الجمع ہے اور یہ باب افعال سے ماضی کا صیغہ بھی ہوسکتا ہے اور امر کا بھی۔

پہلی صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ قاریوں نے راء کو پشت زبان کی طرف داخل کیا ہے اور دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اے متعلمین تم لوگ راء کو پشت زبان کی طرف داخل کرو۔

﴿فائدہ﴾ ان تینوں حرفوں (یعنی ل — ن — ر) کو حروف طرفیہ اور ذولقیہ' ذلقیہ کہتے ہیں کیونکہ ذلق لسان یعنی طرف زبان سے نکلتے ہیں۔ ❶

❶ قال فی القاموس ذلق کل شئ وزلقۃ ویحرك وذولقہ حدہ و ذولق اللسان والسنان طرفھما۔

(16) وَالطَّآءُ❶ وَالدَّالُ وَتَامِنْهُ وَمِنْ
عُلْيَا الثَّنَايَا وَالصَّفِيرُ مُسْتَكِنْ❷

﴿ت﴾ "اور طاء، دال، تاء (تینوں حروف) طرف لسان اور ثنایا علیا (کی جڑ) سے نکلتے ہیں اور حروف صفیر (یعنی سین، صاد، زاء کا مخرج) مقرر ہے۔"

(17) مِنْهُ وَمِنْ فَوْقِ الثَّنَايَا السُّفْلٰى
وَالظَّاءُ وَالذَّالُ وَثَا لِلْعُلْيَا

﴿ت﴾ "زبان کے سرے اور ثنایا سفلی کے فوق سے، اور ظاء، ذال، ثاء (ثنایا) علیا کے لئے (خاص ہیں)۔"

(18) مِنْ طَرْفَيْهِمَا وَمِنْ بَطْنِ الشَّفَهْ
فَالْفَا مَعَ اطْرَافِ الثَّنَايَا الْمُشْرِفَهْ

﴿ت﴾ "یعنی (ظاء، ذال، ثاء) طرف لسان اور ثنایا علیا کے سرے سے نکلتے ہیں اور (نیچے کے) ہونٹ کے پیٹ اور ثنایا علیا کے اطراف سے فاء نکلتی ہے۔"

﴿تشریح﴾ شعر (۱۶، ۱۷، ۱۸) میں علی الترتیب مخرج (۱۲، ۱۳، ۱۴) اور (۱۵) مذکور ہیں جن کی توضیح اور تشریح یوں ہے کہ:

بارہواں مخرج: طاء، دال اور تاء کا ہے یہ حروف طرف لسان اور ثنایا علیا کی جڑ سے نکلتے ہیں اور ان تینوں کو حروف نِطْعِیَہ کہا جاتا ہے کیونکہ ان کا مخرج اوپر کے تالو کے نِطْع یعنی چھت کے قریب ہے قال القاری لِمُجَاوَرَةِ مَخْرَجِهَا نِطْعَ الْغَارِ الْاَعْلٰی وَهُوَ سَقْفُهٗ۔

تیرھواں مخرج: حروف صفیر کا ہے اور حروف صفیر سین، صاد اور زاء کو کہتے ہیں جس کی وجہ تسمیہ

---

❶ والطاء الخ قصر لفظ التاء للضرورة ونكر، وقوله منه اى من طرف اللسان وقوله عليا الثنايا من اضافة الصفة الى موصوفها۔

❷ بتخفيف النون مراعاة للوزن كما قال القارى۔

ان شاء اللہ صفات کے بیان میں معلوم ہوگی' یہ تینوں حروف طرف لسان اور ثنایا سفلی کے کنارہ ❶ سے نکلتے ہیں اور کچھ اتصال ثنایا علیا کا بھی ہوتا ہے اور ان تینوں حروف کو حروف اَسَلِیَّہ کہتے ہیں کیونکہ یہ اسلة اللسان یعنی زبان کے باریک حصے سے نکلتے ہیں۔

﴿قولہ﴾ وَالصَّفِيْرُ بحذف المضاف یعنی حُرُوْفُ الصَّفِيْرِ ❷ وَهُوَ مُبْتَدَأٌ وَخَبَرُهُ مُسْتَكِنْ اى مُسْتَقِرٌّ مَخْرَجُهَا۔

چودھواں مخرج: ظاء ذال اور ثاء کا ہے اور یہ تینوں حروف لسان اور ثنایا علیا کی اطراف ❸ سے نکلتے ہیں جس کی طرف مصنفؒ نے مِنْ "طَرَفَيْهِمَا" سے اشارہ کیا ہے اور ان تینوں حروف کو حروف لِثَوِيَّہ کہتے ہیں کیونکہ یہ لِثَہ یعنی مسوڑھے سے نکلتے ہیں۔

﴿فائدہ﴾ عام کتابوں میں حروف صفیر کا مخرج حروف لثویہ کے بعد ذکر کیا ہے لیکن مصنفؒ نے سیبویہؒ کا اتباع کرتے ہوئے حروف صفیر کی تقدیم کی ہے۔

پندرھواں مخرج: فاء کا ہے جسے مصنفؒ نے اس عبارت سے بیان کیا ہے وَمِنْ بَطْنِ الشَّفَهْ فَالْفَا مَعَ اَطْرَافِ الثَّنَايَا الْمُشْرِفَهْ مطلب یہ ہے کہ فاء کا مخرج نیچے کے ہونٹ کا پیٹ اور ثنایا مشرفہ یعنی ثنایا علیا کا کنارہ ہے۔ مصنفؒ نے صرف بَطْنِ الشَّفَهْ کہا ہے یعنی لفظ شَفَهْ کو مطلق چھوڑ دیا ہے "سُفْلٰی" کی قید نہیں لگائی اس میں جہاں ضرورت شعری پیش نظر ہے وہاں یہ بات بھی ہے کہ فاء کو اگر کوئی شخص نکالنا چاہے گا تو نیچے ہی کے ہونٹ سے نکال سکے گا پس اس وجہ سے التباس کا موقعہ نہ رہا۔ لہٰذا شَفَهْ کو مطلق چھوڑ دیا۔ شَفَهْ کو بفتح شین بھی پڑھ سکتے ہیں اور بکسر الشین بھی اور مصنفؒ نے دوسرے مصرع کے اول میں جو فاء بڑھائی ہے یہ زائدہ ہے کیونکہ "لفظ" الفاء مبتدا موخر ہے۔

---

❶ مصنفؒ نے مِنْهُ وَمِنْ طَرَفِ الثَّنَايَا نہیں کہا۔ بلکہ "مِنْهُ وَمِنْ فَوْقِ الثَّنَايَا" کہا ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ مجازاً فوق سے طرف مراد لیا جا سکتا ہے۔ لمجاورته اياه۔ منه عفا الله عنه

❷ یعنی الصَّفِيْرِ کا مضاف الیہ محذوف ہے جو لفظ "حُرُوْفُ" ہے مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا اور مُسْتَكِنْ خبر ہے اس میں نون مشددہ کو ضرورت شعری کی وجہ سے مخفف کر دیا گیا ہے۔

❸ اَطْرَافِ سے ثنایا کا وہ کنارہ مراد ہے جو مسوڑھوں سے ملا ہوا ہے نوک مراد نہیں ہے۔۱۲

﴿قولہ﴾ مِنْ بَطْنِ الشَّفَهْ خبر مقدم ہے۔

﴿قولہ﴾ مَعَ اَطْرَافِ الثَّنَایَا کو اس طرح پڑھیں گے کہ عین کو طاء میں ملادیں گے جس کی صورت یہ ہے کہ مَعْ کو قبیلہ ربیعہ کے لغت کے مطابق بکسون العین تسلیم کریں گے پھر قَدْ اَفْلَحْ کی طرح ''اَطْرَافِ'' کے ہمزہ کا فتح عین کو دے کر طاء سے ملادیا جائے ❶ گا۔ قالہ القاریؒ۔

(19) لِلشَّفَتَیْنِ الْوَاوُ بَآءٌ مِّیْمُ
وَغُنَّةٌ مَّخْرَجُهَا الْخَیْشُوْمُ

﴿ت﴾ ''دونوں ہونٹوں کے لئے واؤ' باء اور میم ہیں اور غنہ (جو ہے) اس کا مخرج خیشوم ہے۔''

﴿تشریح﴾ اس شعر میں مصنفؒ نے سولہواں اور سترہواں مخرج بیان کیا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ

سولہواں مخرج شفتین (یعنی دونوں ہونٹ) ہیں اور اس مخرج سے تین حروف ادا ہوتے ہیں۔ اول واؤ (غیر مدہ) جو دونوں ہونٹوں کے ناتمام ملنے سے ادا ہوتا ہے۔ دوم باء جو دونوں ہونٹوں کی تری سے نکلتی ہے اسی لئے اس کو بحری کہتے ہیں سوم میم جو دونوں ہونٹوں کی خشکی سے نکلتی ہے اسی لئے اس کو بری کہتے ہیں اور چونکہ یہ تینوں حروف صرف ہونٹوں سے نکلتے ہیں اور فاء کے ادا ہونے میں بھی نیچے کے ہونٹ کو بڑا دخل ہے اس لئے واؤ' میم' باء' فاء ان چار حرفوں کو شَفَوِیَّهْ کہتے ہیں۔ مصنفؒ نے ضرورت شعری کی وجہ سے شعر (۱۹) کے مصرع اول کے درمیان سے حروف عاطف حذف کر دیئے ہیں ورنہ عبارت یوں ہوتی: اَلْوَاوُ وَالْبَاءُ وَالْمِیْمُ نیز واؤ کو معرفہ اور باء اور میم کو نکرہ لانا بھی ضرورت شعری کی وجہ سے ہے۔

﴿قولہ﴾ وَغُنَّةٌ مَّخْرَجُهَا الْخَیْشُوْمُ۔ اس عبارت میں مصنفؒ نے غنہ کا مخرج بتایا ہے

---

❶ اقول لو قال المصنف ''اَلِفَا بِاَطْرَافِ الثَّنَایَا الْمُشْرِفَةِ'' لا ستقام الوزن والمعنى من غير حاجة الى لغة ربيعة وزيادة الفاء بين المبتدا والخبر وهمزة لام التعريف وان كانت وصلية لكنها وقعت في بداية المصرع الثاني بعد الوقف على المصرع الاول فتقطع۔ ۱۲

یعنی سترہواں مخرج خیشوم ہے جو آخری مخرج ہے، خیشوم ناک کے بانسہ کو کہتے ہیں اس سے غنہ ادا ہوتا ہے۔ یہاں مصنفؒ پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ غنہ حروف میں سے نہیں ہے۔ بلکہ صفات میں سے ہے پھر مخارج حروف کے بیان میں اس کا ذکر کیوں کیا؟

مصنفؒ کے صاحبزادہ نے اپنی شرح میں کہا کہ یہاں غنہ کے بجائے نون مخفاۃ کا ذکر کرنا چاہیے تھا کیونکہ نون مخفاۃ کا مخرج خیشوم ہے لیکن مصنفؒ کا فرمانا یہ ہے کہ نون ساکن اور میم ساکن مخفاتین اور مدغمتین (بادغام مع الغنہ) ان سب کا مخرج خیشوم ہے کیونکہ بناء برقول صحیح بحالت اخفاء وادغام ان دونوں حرفوں کا مخرج اپنے مخارج اصلیہ سے منتقل ہو جاتا ہے اور اس وقت یہ دونوں خیشوم سے ادا ہوتے ہیں جیسا کہ واؤ اور یاء کا مخرج (جبکہ مدہ ہوں) مخرج اصلی سے منتقل ہو جاتا ہے اور یہ دونوں جوف دہن سے ادا ہوتے ہیں۔

ولفظه على ما نقل القاريؒ ان المخرج السابع عشر الخيشوم وهو للغنة وهي تكون في النون والميم الساكنتين حالة الاخفاء او ما في حكمه من الادغام بالغنة فان مخرج هذين الحرفين يتحول في هذه الحالة عن مخرجهما الاصلي على القول الصحيح كما يتحول مخرج حروف المد من مخرجها الى الجوف على الصواب۔ (النشر في القراء ات العشر ج ۱ ص۲۰۱)

اس تشریح کے بعد یہ اشکال تو ختم ہو جاتا ہے کہ صفت کو مخارج حروف میں ذکر کیوں کیا؟ البتہ اس امر کی گنجائش ہے کہ انتقال مخرج الی الخیشوم کے بارے میں کسی کو اختلاف رائے ہو لیکن مصنفؒ اپنی رائے کے پابند ہیں انہوں نے اپنے مسلک کے مطابق غنہ کو حروف کی صف میں داخل کر دیا اور حروف کے مخارج بیان کرنے کے بعد آخر میں غنہ کا مخرج بتا دیا۔ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا لٰكِنَّهٗ بَقِيَّتِ الْخَبَايَا فِي الزَّوَايَا۔

خلاصہ مخارج

الحمد للہ تعالیٰ مخارج کا بیان ختم ہوگیا اب ہم بطور خلاصہ چند سطریں لکھ کر بیان صفات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ پس جاننا چاہیے کہ اولاً مخرج کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) مخرج محقق (۲) مخرج مقدر

مخارج محققہ پندرہ ہیں جن کے تین اصول ہیں۔

(۱) حلق (۲) زبان (۳) ہونٹ ان اصول ثلاثہ سے اٹھائیس حروف ادا ہوتے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے کہ حلق سے چھ اور زبان سے اٹھارہ اور ہونٹوں سے چار حرف نکلتے ہیں' حلق میں تین اور زبان میں دس اور ہونٹوں میں دو مخرج ہیں جن کی تفصیلات گزر چکی ہیں۔

اور مخرج مقدر دو ہیں (۱) جوف دہن اس سے تینوں حروف مدہ نکلتے ہیں۔ (۲) خیشوم اس سے غنہ یعنی (مصنفؒ کے مسلک کے مطابق) نون اور میم مخفا تین اور مدغمتین بالغنہ ادا ہوتے ہیں۔

﴿سوال﴾ پہلے بتا چکے ہیں کہ حروف کل ۲۹ ہیں اور مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ حروف کی تعداد زیادہ ہے؟

﴿جواب﴾ یائے مدہ اور غیر مدہ نیز واؤ مدہ اور غیر مدہ کا مخرج گو الگ الگ ہے لیکن تعداد میں بحیثیت حرف ہونے کے ایک ہی شمار ہوں گے اسی طرح نون اور میم مدغمتین ومخفا تین مع الغنہ کا مخرج گو مصنفؒ کے نزدیک مظہر تین کے مخرج سے جدا ہے لیکن من حیث الحرف نون بہر حال ایک ہی حرف شمار ہوگا خواہ کہیں سے بھی نکلے۔ وکذا لمیم فاحفظ

﴿فائدہ﴾ بعض مخارج سے دو حروف اور بعض مخارج سے تین حروف کی جو ادائیگی بتائی ہے اس وحدت سے وحدت حقیقیہ مراد نہیں ہے کیونکہ خوب اچھی طرح دھیان کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن حروف کو متحد فی المخرج بتایا ہے ان کا مخرج بھی آپس میں علیحدہ علیحدہ ہے اور اسی لئے ہمزہ اور ھاء نیز غین اور خاء کی تقدیم وتاخیر میں اختلاف ہوا ہے اور اسی وجہ سے اس مخرج کو مخرج کلی کہا جاتا ہے' جس سے ایک یا دو حرف نکلتے ہیں کیونکہ اس کے ذیل میں مخارج جزئیہ ہوتے ہیں شدت تقارب کو وحدت فی المخرج قرار دے کر دو یا تین مخارج کو مخرج واحد مان لیا گیا ہے۔ اس تقریر سے یہ شبہ بھی دور ہوگیا کہ باء

بحری اور میم بری ہے اور واؤ دونوں ہونٹوں کے ناتمام ملنے سے ادا ہوتا ہے تو ان تین حروف کا مخرج الگ الگ اور فاء کا مخرج الگ کر کے ہونٹوں میں چار مخرج بتانا چاہیے حالانکہ ہونٹوں میں صرف دو مخرج بتاتے ہیں۔

ازالہ شبہ کا حاصل یہ ہے کہ واؤ میم باء ہونٹوں کے جس حصے سے بھی ادا ہوں بہر حال شفتین سے ادا ہوتے ہیں اور ان کی ادائیگی میں اور کسی عضو کو کلاً یا جزءً کوئی دخل نہیں ہے لہٰذا تینوں کا مخرج ایک ہی قرار دیا گیا۔ اور گو باء اور میم میں بری اور بحری ہونے کا فرق ہے مگر محل ادا میں جو قرب شدید ہے اس کی وجہ سے دو مخرج نہیں قرار دیئے گئے اور فاء کی ادائیگی میں چونکہ ایک ہی ہونٹ کام میں آتا ہے اور ثنایا علیا کے اطراف کو بھی اس میں دخل ہے اس لئے اس کا مخرج علیحدہ قرار دیا گیا اس طرح مجموعہ شفتین میں صرف دو مخرج ہوئے۔

بَابُ صِفَاتِ الْحُرُوْفِ

صفات حروف کا بیان

مخارج حروف کے بعد اب مصنفؒ صفات حروف کا بیان شروع فرماتے ہیں کیونکہ حروف کی صحیح ادائیگی کے لئے صفات کا جاننا اور ادا کرتے وقت ان کا خیال رکھنا یعنی صفات کے ساتھ ادا کرنا بھی لازم ہے علماء تجوید وقرآءت نے لکھا ہے کہ حروف کے لئے ان کے مخارج بمنزلہ میزان ومقدار کے ہیں کیونکہ ان سے حروف کی ماہیت اور کمیت معلوم ہوتی ہے اور صفات بمنزلہ محک اور معیار کے ہیں کیونکہ ان کے ذریعہ حروف کی ہیئت اور کیفیت کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور جو حروف مخرج میں مشترک ہوتے ہیں وہ صفات کے ذریعہ ممتاز ہوتے ہیں' محک کسوٹی کو کہتے ہیں اور صفات سے وہ عوارض اور کیفیات مراد ہیں جو حروف کی ادائیگی کے وقت اصوات کو عارض ہوتی ہیں کالجهر والرخوة والهمس والشدة وغيرها۔

اس کے بعد جاننا چاہیے کہ اولاً صفات کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) صفات لازمہ (۲) صفات عارضہ

صفات لازمہ ان صفات کو کہتے ہیں جو اس حرف سے جدا ہی نہیں ہوتیں جس میں پائی جاتی ہیں یعنی وہ حرف ذاتی طور پر ان سے متصف ہوتا ہے کسی عارض کی وجہ سے وہ صفات اس میں نہیں آتی ہیں ایسی صفات کو ذاتیہ بھی کہتے ہیں اور چونکہ ان کی وجہ سے حرف پوری طرح ادا ہوتا ہے اور آپس میں ایک حرف دوسرے حرف سے ممتاز ہوتا ہے اسی لئے ان کو صفات مُمَيِّزَهْ اور مُقَوِّمَهْ بھی کہتے ہیں۔

صفات عارضہ وہ ہیں جو کسی صفت ذاتیہ کی وجہ سے یا کسی دوسرے حرف کے متصل ہونے سے پیدا ہوجاتی ہیں جیسے تفخیم و ترقیق وغیرہ۔ چونکہ صفات عارضہ سے حروف میں جمال اور حسن پیدا ہوجاتا ہے اس لئے ان کو مُحَسِّنَهْ اور مُزَيِّنَهْ اور مُحَلِّيَهْ بھی کہتے ہیں۔ المقدمۃ الجزریہ اور بہت سی دوسری کتابوں میں (بشمول توسط) اٹھارہ صفات لازمہ اور چند صفات عارضہ بیان کی گئی ہیں اور بعض کتب میں چوالیس صفات مندرج ہیں، علامہ برکویؒ نے ازلاق، اصمات اور انحراف ولین کو ترک کردیا ہے اور صفت غنہ کا اضافہ کردیا ہے اور نونیۃ السخاوی کے شارح نے ازلاق واصمات کو ترک کر کے صفت ہوائی کا اضافہ کیا ہے، علامہ شاطبیؒ نے بھی ازلاق واصمات کو ذکر نہیں کیا اور صاحب فوائد مکیہ نے بھی ان کا اتباع کیا ہے۔ وللناس فيما يعشقون مذاهب۔

صفات لازمہ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) متضادہ اور (۲) غیر متضادہ (جن کو منفردہ بھی کہتے ہیں) صفت متضادہ وہ صفت ہے جس کی ضد کوئی دوسری صفت وجودی ہو، ایسی صفات دس ہیں (اور اگر توسط کو بھی شمار کریں گے تو گیارہ ہوجاتی ہیں)

اور صفت غیر متضادہ وہ ہے جس کی ضد کوئی دوسری صفت "وجودی" نہ ہو۔ لفظ وجودی ہم نے بطور قید احترازی کے بڑھایا ہے جس کا فائدہ انشاء اللہ صفات لازمہ کے بعد ذکر کردہ فوائد کے خاتمہ پر سوال وجواب کے ذیل میں معلوم ہوگا۔

مصنفؒ نے صفات لازمہ سات اشعار میں بیان کی ہیں چار اشعار صفات متضادہ کے لئے اور تین شعر غیر متضادہ کے لئے لائے ہیں۔

یہاں صفات لازمہ کی دونوں قسمیں اور ان کے حروف بیان ہوتے ہیں، صفات عارضہ مصنفؒ نے شعر (۴۰) سے شروع کی ہیں ان کی تشریح وہیں اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔

صفات متضادہ کا بیان

صفات متضادہ کے نام اور یہ بات کہ کون سی صفت کس صفت کی ضد ہے اس کو ذیل میں بالاجمال بیان کرنے کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ ہم ہر صفت کا مفہوم اور اس کے حروف بیان کریں گے۔ اول پانچ صفات یہ ہیں:

(۱) ہمس (۲) رخاوت (۳) استفال (۴) انفتاح (۵) اذلاق۔

پھر ان کے مقابل دوسری پانچ صفات ہیں: (۶) جہر (جو ہمس کی ضد ہے) (۷) شدت (جو رخاوت کی ضد ہے) (۸) اطباق (جو انفتاح کی ضد ہے) (۹) استعلاء (جو استفال کی ضد ہے) (۱۰) اصمات (جو اذلاق کی ضد ہے)

مصنفؒ نے وزن شعر کی حفاظت کا لحاظ کرتے ہوئے ان صفات میں سے بعض کو بصیغہ مصدر بیان کیا ہے اور بعض کو بصیغہ صفت لکھا ہے۔

(20) صِفَاتُهَا جَهْرٌ وَّ رِخْوٌ مُّسْتَفِلْ
مُنْفَتِحٌ مُّصْمِتَةٌ وَّ الضِّدَّ قُلْ

﴿ت﴾ ''حروف کی صفات (یہ ہیں) جہر' رخاوت' استفال' انفتاح' اصمات۔ اور (ان میں سے ہر ایک کی) ضد (بھی) کہہ لو۔''

﴿تشریح﴾ اس شعر میں مصنفؒ نے پانچ صفات ذکر کی ہیں مگر ان کے حروف نہیں بتائے ہیں آئندہ تین اشعار میں ان پانچوں کی مقابل صفات ذکر کی ہیں اور ان کے حروف بھی بتائے ہیں چونکہ وہ صفات ان پانچ صفات کی ضد ہیں اس لئے ان حروف کا مجموعہ بتانے سے ان صفتوں کے حروف بھی معلوم ہو جائیں گے۔ کیونکہ ایک صفت کے جو حروف ہیں ان کے علاوہ باقی حروف اس کی مقابل اور متضاد صفت کے ہیں۔ مذکورہ بالا پانچ صفات کی مقابل صفات پہچانو۔

(21) مَهْمُوْسُهَا فَحَثَّهُ شَخْصٌ سَكَتْ
شَدِيْدُهَا لَفْظُ اَجِدْ قَطٍ بَكَتْ

﴿ت﴾ ''جو حروف صفت ہمس سے متصف ہیں (جو جہر کی ضد ہے) ان کا مجموعہ فَحَثَّهٗ شَخْصٌ سَكَتْ ہے۔ جن حروف میں شدت ہے (جو رخاوت کی ضد ہے) ان کا مجموعہ اَجِدْ قَطٍ بَكَتْ ہے۔''

﴿تشریح﴾ صفات متضادہ میں سے مصنفؒ نے پہلے صفت ہمس بیان کی ہے اور اس کے مقابل یعنی اس کی ضد صفت جہر بتائی ہے۔ صفت ہمس دس حروف میں پائی جاتی ہے جن کا مجموعہ فَحَثَّهٗ شَخْصٌ سَكَتْ (یعنی پس اس کو ایک شخص نے ترغیب دلائی جو خاموش رہا۔) ہے اور بعض قراء نے سَتَشْحَثُكَ خَصَفَهٗ اور کسی نے سَكَتَ فَحَثَّهٗ شَخْصٌ اور کسی نے سَكَتَ شَخْصُهٗ فَحَثَّ کا مجموعہ بنایا ہے۔ علامہ شاطبیؒ نے حَثَّتْ كِسْفَ شَخْصِهٖ کے مجموعہ میں ان دس حروف کو جمع کیا ہے یہ سب حروف مہموسہ کہلاتے ہیں۔

ہمس: لغت میں صوت خفی کو کہتے ہیں جو اونٹوں کی رفتار کے وقت پاؤں کے زمین پر پڑنے سے سنائی دیتی ہے اور اہل تجوید کی اصطلاح میں ہمس کا یہ مطلب ہے کہ جو حروف اس صفت سے متصف ہیں ان کی ادائیگی کے وقت مخرج میں آواز ایسے ضعف کے ساتھ ٹھہرے کہ سانس جاری رہ سکے اور آواز میں ایک قسم کی پستی ہو۔

اور جہر لغت میں آواز بلند کرنے کو کہتے ہیں اور اصطلاح اہل تجوید میں جہر کا مطلب یہ ہے کہ جن حروف میں یہ صفت پائی جاتی ہے ان کے ادا کرتے وقت آواز مخرج میں ایسی قوت کے ساتھ ٹھہرے کہ سانس کا جاری رہنا بند ہو جائے اور آواز میں ایک قسم کی بلندی ہو۔ صفت جہر چونکہ صفت ہمس کی ضد ہے اس لئے ان دس حروف کے علاوہ جن میں صفت ہمس ہے باقی جملہ حروف صفت جہر سے متصف ہیں جن کو مجہورہ کہتے ہیں اور ان کا مجموعہ یہ ہے اَجِدُ مَنْ طَرَقَ ذَاعِزٍّ وَظَلَّ يَغْضِبُ۔ یعنی جو شخص رات کو آیا میں اس کو عزت والا پاتا ہوں اور وہ غصہ ہونے لگا۔ نہایۃ القول المفید میں حروف مجہورہ کا مجموعہ یوں پیش کیا ہے عَظُمَ وَزْنُ قَارِئٍ ذِیْ غَضٍّ جَدَّ طَلَبَ یعنی اس قاری کا وزن بڑا ہے جو نظر پست رکھتا ہے اور طلب علم میں کوشش کرتا ہے۔

تیسری صفت رخاوت اور چوتھی صفت شدت ہے (جو رخاوت کی ضد ہے) جو حروف رخاوت سے متصف ہیں ان کو حروف رخوہ کہتے ہیں اور جو حروف شدت سے متصف ہیں ان کو شدیدہ کہتے

ہیں۔شدت لغت میں سختی کو کہتے ہیں۔اور اصطلاح اہل تجوید میں شدت کا مطلب یہ ہے کہ جو حروف اس سے متصف ہیں ان کے ادا کرتے وقت آواز مخرج میں ایسی قوت کے ساتھ ٹھہرے کہ بند ہو جائے اور اس میں ایک قسم کی سختی ہو۔

حروف شدیدہ آٹھ ہیں جن کا مجموعہ اَجِدْ قَطٍ بَكَتْ ہے۔ اَجِدْ صیغہ امر اذ اِجَادَةٌ اور قَطٍ اسم فعل ہے بمعنی فقط اور بَكَتْ صیغہ ماضی ہے شعر کی وجہ سے سکون آ گیا ترجمہ اور مفہوم یہ ہے کہ عمدہ کام کر (اور) بس کر (جس نے عمدہ کام پر بس کیا اور برے کاموں کی طرف توجہ نہ کی (وہ) دلیل میں غالب رہا۔علامہ شاطبیؒ نے ان حروف کو اس طرح جمع کیا ہے۔ اَجِدَّتْ كَقُطْبٍ اور کسی نے اَجِدَّتْ طَبْقَكَ کے مجموعہ میں جمع کیا ہے۔

شدت کی ضد رخاوت ہے جو حروف اس صفت کے ساتھ متصف ہیں ان کے ادا کرتے وقت مخرج میں آواز نرمی کے ساتھ ٹھہر کر جاری رہتی ہے اور اس میں ایک قسم کی نرمی ہوتی ہے جو حروف اس صفت سے متصف ہیں ان کی تعداد ۱۶ ہے جن کا مجموعہ یہ ہے: سَيَهُزُّ شَخْصٌ حَاثٌ فَظٌّ ذُوْ غَضٍّ یعنی عنقریب حرکت دے گا برانگیختہ کرنے والا شخص سخت مزاج آنکھ بند رکھنے والا۔نہایت القول المفید میں حروف رخوہ کا مجموعہ بتانے کے لئے یہ دو شعر بھی نقل کئے ہیں:

ان تشاء الفاظ رخو لا تكن فى الحفظ لاهى

رمزه (خُذْ غَثَّ حَظٍّ) (فض شوص زى ساه)

قوسین کے اندر حروف ''حروف رخوہ'' ہیں۔

رخاوت اور شدت کے درمیان صفت توسط ہے جس کا بیان اگلے شعر کے مصرع اول میں ہے پہلے توسط کا مطلب سمجھ لو پھر ان تینوں کا تضاد اور تقابل سمجھ میں آئے گا۔

(22) وَبَيْنَ رِخْوٍ وَّالشَّدِيْدِ لِنْ عُمَرْ

وَسَبْعُ عُلْوٍ خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ حَصَرْ

﴿ت﴾ ''اور حروف رخوہ اور شدیدہ کے درمیان لِنْ عُمَرْ (کا مجموعہ) ہے اور سات

حروف بلندی کے ہیں جو خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ (کے مجموعہ) میں منحصر ہیں۔"

﴿تشریح﴾ صفات متضادہ میں سے ایک صفت توسط ہے جو صفت رخاوت اور شدت کے درمیان ہے جو حروف اس صفت سے متصف ہیں ان کی ادائیگی میں نہ تو آواز پوری طرح بند ہوتی ہے (کہ حروف شدیدہ میں داخل ہو جائیں) اور نہ پوری طرح جاری رہتی ہے (کہ حروف رخوہ میں داخل ہو جائیں) بلکہ اس صفت کے حروف ضعف اور قوت کے درمیان ادا ہوتے ہیں اور ان میں شدت اور رخاوت دونوں پائی جاتی ہیں مگر پوری طرح ایک بھی ادا نہیں ہوتی دونوں ناقص طور پر جمع ہو جاتی ہیں۔ اس کیفیت کو اصطلاح اہل تجوید میں توسط کہتے ہیں تَوَسُّطٌ باب تَفَعُّلٌ کا مصدر ہے جس کا مادہ وَسْطٌ ہے لغت میں کسی چیز کے دو چیزوں کے درمیان آنے کو توسط کہتے ہیں اور اصطلاحی معنی ابھی گزر چکے ہیں۔

جو حروف اس صفت سے متصف ہیں ان کو حروف مُتَوَسِّطَهٗ اور بَيْنِيَّهٗ (منسوب الی البین) کہتے ہیں اور ایسے حروف پانچ ہیں۔ جن کا مجموعہ لِنْ عُمَرُ ہے اور بعض حضرات نے نَلْ عُمَرُ یا عُمَرُ نَلْ اور کسی نے لَمْ نَرُعْ بتایا ہے۔ ترجمہ: اے عمر نرم ہو جا۔ لِنْ عُمَرُ (نَلْ عُمَرُ (اے عمر! تو پالے) لَمْ نَرُعْ (ہم نہیں ڈرے)

علامہ جزری اور علامہ شاطبی رحمہما اللہ کی رائے یہ ہے کہ حروف مدہ حروف رخوہ میں شامل ہیں اسی لیے علامہ شاطبیؒ نے بالتصریح قصیدہ لامیہ میں یوں فرمایا ہے:

وَوَایٌ حُرُوْفُ الْمَدِّ والرِّخْوِ كَمَّلَا

مازنیؒ اور علامہ دانیؒ کی بھی یہی تحقیق ہے لیکن سیبویہؒ اور ابن حاجبؒ کے نزدیک حروف مدہ حروف متوسطہ میں شامل ہیں لہٰذا ان حضرات کے نزدیک حروف متوسطہ آٹھ ہیں جن کا مجموعہ لِمَ رَاعُوْنِيْ ہے یعنی وہ لوگ مجھ سے کیوں ڈرے۔ دوسرا مجموعہ وَلِيَنَا عُمَرُ ہے (عمر ہمارے والی ہوئے) صفت توسط چونکہ مستقل کوئی صفت نہیں ہے بلکہ کچھ شدت اور کچھ رخاوت مل کر پیدا ہوئی ہے اسلئے شمار میں صفات متضادہ دس ہی مانی گئی ہیں اور اسی وجہ سے صفات لازمہ کل سترہ بتائی جاتی ہیں۔

اگر توسط کو بھی مستقل صفت مانتے تو صفات متضادہ گیارہ ہو جاتیں۔ اور توسط کو صفات متضادہ میں

اس لئے شمار کرتے ہیں کہ ان تینوں صفات (یعنی شدت و رخاوت اور توسط) کے حروف باہم متضاد و متقابل ہیں کیونکہ حروف شدیدہ ان حروف کے علاوہ ہیں جو رخوہ اور متوسطہ ہیں اور رخوہ ان حروف کے علاوہ ہیں جو حروف شدیدہ اور متوسطہ ہیں اور حروف متوسطہ ان حروف کے علاوہ ہیں جو شدیدہ اور رخوہ ہیں۔

پس شاطبی اور جزری رحمہما اللہ کے نزدیک ۲۹ حروف میں سے آٹھ شدیدہ اور پانچ متوسطہ اور باقی سولہ رخوہ ہیں۔ آگے بڑھنے سے پہلے ایک سوال کا جواب دیتے جائیں اس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ استعلاء اور استفال کا مطلب بیان کریں گے۔

﴿سوال﴾ کاف اور تاء کو حروف مہموسہ میں بھی شمار کیا ہے اور حروف شدیدہ میں بھی شامل کیا ہے لہٰذا ان دونوں میں ہمس اور شدت دونوں صفات ادا کی جائیں گی جس کی وجہ سے یہ لازم آئے گا کہ ہمس کی وجہ سے سانس جاری رہے گا اور شدت کی وجہ سے آواز بند ہو جائے گی اور بیک وقت دونوں کیفیتیں کیوں کر ادا ہوں گی؟

﴿جواب﴾ یہ ہے کہ شدت کی وجہ سے پہلے ان دونوں حرفوں میں آواز بند ہوگی اور بند ہونے کے بعد فوراً ہمس کی صفت کا عمل شروع ہوگا یعنی تھوڑا سا سانس جاری ہوگا پس بیک وقت دونوں کے ادا ہونے کے تصور سے جو اعتراض ہوتا تھا وہ جاتا رہا۔ ماہر قاری سے مشق کرنے سے یہ بات سمجھ میں آئے گی۔ شاید اسی اشکال سے بچنے کے لئے بعض اہل علم نے کاف اور تاء کو حروف مجہورہ میں شمار کیا ہے۔ کما نقله القاریؒ فی شرحه۔

﴿فائدہ﴾ کاف اور تاء کی ادائیگی کے وقت جب صفت ہمس ادا کرنے کے لئے سانس جاری ہو تو یہ احتیاط رکھنا چاہیے کہ آواز جاری نہ ہو جائے ورنہ یہ دونوں بجائے حروف شدیدہ کے حروف رخوہ بن جائیں گے۔

﴿فائدہ ثانیہ﴾ بعض لوگ کاف اور تاء کو اس طرح ادا کرتے ہیں کہ ك کی جگہ کھ اور ت کی تھ بن جاتی ہے اور یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم ہمس ادا کر رہے ہیں بلکہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ صفت ہمس بغیر اس طرح پڑھے ادا ہو ہی نہیں سکتی۔ العیاذ باللہ یہ لوگ سخت غلطی پر ہیں کیونکہ عجمی حروف کو قرآن کریم میں داخل کرتے ہیں۔ هدا هم الله تعالى

﴿قولہ﴾ وَسَبْعُ عُلْوٍ خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ حَصَرْ۔ اس عبارت میں مصنفؒ نے صفت استفال کی ضد یعنی صفت استعلاء بیان کی ہے۔ علو کے معنی بلندی کے ہیں اور استعلاء باب استفعال سے ہے تشریح اس مقام کی یہ ہے کہ صفات متضادہ میں سے پانچویں صفت استفال ہے اور چھٹی صفت استعلاء ہے یہ دونوں صفات آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں استعلاء کا مطلب یہ ہے کہ جن حروف میں یہ صفت پائی جاتی ہے ان کے ادا کرتے وقت زبان کا اکثر حصہ اوپر کے تالو کی طرف بلند ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے یہ حروف موٹے ہو جاتے ہیں ایسے حروف سات ہیں جن کا مجموعہ خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ ہے۔ (یعنی گرمی کے زمانہ میں بانس کے تنگ مکان میں قیام کر) ان کو حروف مُسْتَعْلِيَهْ کہتے ہیں ان حروف کے علاوہ باقی تمام حروف صفت استفال کے ساتھ متصف ہیں۔ استفال کا مطلب یہ ہے کہ جن حروف میں یہ صفت پائی جاتی ہے ان کی ادائیگی کے وقت زبان اوپر تالو کی طرف نہیں اٹھتی۔ حروف مستعلیہ کے علاوہ باقی جملہ حروف (جن کی تعداد بائیس ہے) صفت استفال سے متصف ہیں ان کو حروف مُسْتَفِلَهْ کہتے ہیں جن کا مجموعہ یہ ہے فَسَنَهُزُّ كَعْبَ رَجُلٍ اُشِدَّ حَثَّ ذَاتَ يَوْمٍ۔ (پس عنقریب حرکت دیں گے ہم ایسے آدمی کے ٹخنہ کو جو سخت بنایا گیا اس نے ایک دن برانگیختہ کیا۔) اور بعض حضرات اس شعر میں جمع فرماتے ہیں:

ثَبَتَ عِزٌّ مَنْ يُّجَوِّ دْحَرْفَهٗ اِذْ سَلَّ شَكَا

(23) وَصَادُ ضَادٌ طَآءُ ظَآءٌ مُّطْبِقَهْ
وَفِرَّ مِنْ لُّبِّ ❶ الْحُرُوْفُ الْمُذْلِقَهْ

﴿ت﴾ ''اور صاد۔ ضاد۔ طاء۔ ظاء حروف مطبقہ ہیں اور فِرَّ مِنْ لُبِّ (کا مجموعہ) حروف مذلقہ ہیں۔''

﴿تشریح﴾ صفات متضادہ میں سے ساتویں صفت اطباق ہے اور جو حروف اس صفت سے متصف ہیں ان کو حروف مُطْبَقَهْ کہتے ہیں اور مطلب اس صفت کا یہ ہے کہ جن حروف میں یہ صفت پائی جاتی ہے ان کے ادا کرتے وقت زبان کا اکثر حصہ اوپر کے تالو سے مُلْصَقْ ہو جاتا ہے یعنی چمٹ

❶ لُبِّ دراصل باءتنوین ہے ضرورت شعری کی وجہ سے تنوین حذف کر دی گئی۔

جاتا ہے ایسے حروف چار ہیں یعنی صاد۔ضاد۔طاء۔ظاء جن کا مجموعہ بامعنی تو بن نہیں سکتا البتہ یوں ہی یاد کرنے کے لئے ”صَطُظَضْ“ بنادیا گیا ہے۔

آٹھویں صفت انفتاح ہے جو اِطْبَاقْ کی ضد ہے اور جو حروف اس صفت سے متصف ہیں ان کو حروف منفتحہ کہتے ہیں اور حروف مطبقہ کے علاوہ جملہ حروف منفتحہ ہیں ان کی تعداد پچیس ہے حروف منفتحہ کے ادا کرتے وقت (برعکس حروف مطبقہ کے) اوپر کے تالو سے زبان نہیں چمٹتی ہے (خواہ زبان کی جڑ تالو سے مل جائے)

اطباق اور استعلاء میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے کیونکہ ہر حرف مطبق مستعلی ہے اور حرف مستعلی مطبق نہیں ہے لا فتراقهما فی القاف والغین والخاء۔

صفات متضادہ میں سے نویں صفت اذلاق ہے جو حروف اس سے متصف ہیں ان کو حروف مُذْلَقَةْ کہتے ہیں ایسے حروف چھ ہیں جن کا مجموعہ فَرَّ مِنْ لُبِّ ہے۔اور بعض حضرات نے مُرْ بِنَفْلٍ بنایا ہے جو معنوں کے اعتبار سے زیادہ انسب ہے۔قاضی بیضاویؒ نے رُبَّ مُنَفِّلٍ لکھا ہے اور ایک مجموعہ فَرَّ مِنْ لُبِّ ہے۔(۱) بھاگا عقل سے (۲) مُرْ بِنَفْلٍ بخشش کا حکم دے۔ لَبَّ مَنْ فَرَّ جو بھاگا (کسی جگہ) مقیم ہوا۔رُبَّ مُنَفِّلٍ بہت سے زائد انعام دینے والے۔جو حروف اس صفت سے متصف ہیں ان کی ادائیگی زبان یا ہونٹ کے کنارہ سے بہت سہولت کے ساتھ اس طرح ہوتی ہے جیسے پھسلنے کی جگہ سے کوئی چیز بآسانی پھسلتی ہے اذلاق کا یہی مطلب ہے۔

صفات متضادہ میں سے دسویں صفت اصمات ہے جو اذلاق کی ضد ہے اور حروف مذلقہ کے علاوہ باقی حروف جن کی تعداد ۲۳ ہے۔سب صفت اصمات سے متصف ہیں جن کو حروف مُصْمِتَہ کہتے ہیں۔جو حروف اس صفت سے متصف ہیں وہ اپنے مخرج سے مضبوطی اور جماؤ کے ساتھ ادا ہوتے ہیں اگر ایسا نہ کیا جائے تو صاف طریقہ پر ادا نہ ہوں گے۔مصنفؒ تمہید میں لکھتے ہیں کہ الف مخرج میں قرار نہ پانے کے سبب اصمات اور اذلاق دونوں سے خارج ہے پس اس اعتبار سے یہ حروف ۲۲ ہوں گے۔حروف مصمتہ کو اہل عرب ثقیل جانتے ہیں۔اس لئے ان کے یہاں کوئی کلمہ رباعی یا خماسی ایسا نہیں جو حروف مذلقہ سے خالی ہو چونکہ عَسْجَدْ کلمہ رباعی ہے اور اس میں کوئی حرف مذلق نہیں ہے اس لئے اس کو غیر عربی کہا گیا ہے۔

الحمدللہ صفات متضادہ کا بیان ختم ہوا۔اب صفات غیر متضادہ کا بیان شروع ہوتا ہے۔

صفات غیر متضادہ کا بیان

(24) صَــفِـيْـرُهَــا صَـــادٌ وَّزَایٌ سِيْـــنُ
قَــلْــقَــلَــةٌ قُـــطْـــبُ جَـــدٍّ وَّ الــلِّيْـــنُ

﴿ت﴾ ''حروف صفیر صاد۔ زاء۔ سین ہیں' اور حروف قلقلہ قُطْبُ جَدٍّ (میں جمع) ہیں اور لین (کے دو حروف ہیں)۔''

(25) وَاوٌ وَّيَـــآءٌ سَــكَـــنَـــا وَانْــفَـتَــحَـــا ❶
قَـبْـلَـهُـمَـــا وَالْاِنْــحِـرَافُ صُـحِّـحَـــا ❷

﴿ت﴾ ''واؤ ساکن اور یاء ساکن جب کہ ان سے پہلا حرف مفتوح ہو اور صفت انحراف صحیح (یعنی ثابت) مانی گئی ہے۔''

(26) فِــي الـلَّامِ وَالــرَّا وَبِـتَـكْــرِيْــرٍ جُـعِـلْ ❸
وَلِـلـتَّـفَـشِّـــي الـشِّيْـنُ ضَـــادًا اسْـتَـطِـلْ

﴿ت﴾ ''لام اور راء میں اور (نیز) راء صفت تکریر کے ساتھ متصف قرار دی گئی ہے اور صفت تفشی کے لئے شین ہے (اور) ضاد کی ادائیگی میں درازی کو طلب کر۔''

﴿تشریح﴾ ان تین اشعار میں مصنفؒ نے صفات غیر متضادہ اور ان کے حروف بیان کئے ہیں۔ غیر متضادہ صفات سات ہیں۔

---

❶ اِنْفَتَحَا اور صُحِّحَا میں الف اشباع کے لئے ہے اور لفظ الراء کا ہمزہ ضرورۃً حذف کر دیا گیا ہے۔
❷ صیغہ ماضی مجہول ہے اور الف اشباع کے لئے ہے اس کے اندر ضمیر مستتر انحراف کی طرف راجع ہے۔
❸ جُعِلْ صیغہ ماضی مجہول ہے جو ضرورت شعری کی وجہ سے ساکن کر دیا گیا ہے اور اس کی ضمیر مستتر بتاویل حرف راء کی طرف راجع ہے۔

جن کے نام یہ ہیں:

(۱) صفیر' (۲) قلقلہ' (۳) لین' (۴) انحراف' (۵) تکرار (یا تکریر) (۶) تفشی' (۷) استطالت۔

صفیر سے تین حروف متصف ہیں جن کو مصنفؒ نے شعر (۲۴) کے مصرع اول میں بیان کیا ہے۔ صَفِیْرُهَا کی ضمیر مضاف الیہ حروف کی طرف راجع ہے اور یہ اضافت ادنیٰ ملابست کی وجہ سے ہے جن حروف میں صفت صفیر پائی جاتی ہے ان کو حروفِ صفیر کہتے ہیں۔ صفیر لغت میں پرندوں کی اس آواز کو کہتے ہیں جو سیٹی کی طرح ہوتی ہے۔

اور اہل تجوید کی اصطلاح میں صفیر کا مطلب یہ ہے کہ جو حروف اس سے متصف ہیں یعنی صاد۔ زاء۔ سین ان کی ادائیگی کے وقت سیٹی کی طرح سے ایک تیز آواز نکلتی ہے یہ تینوں حروف مخرج میں بھی متحد ہیں اور غیر متضادہ صفات میں سے صفیر اور صفات متضادہ میں سے صفت رخاوت اور اصمات ان تینوں میں پائی جاتی ہیں اور صاد متمیز ہے سین اور زاء سے استعلاء اور اطباق کی وجہ سے اور زاء سین سے جہر کی وجہ سے متمیز ہے۔ فاحفظ

قلقلہ کے پانچ حروف ہیں جن کو حروف قلقلہ (یہ ترکیب اضافی ہے) اور مقلقلہ (یہ ترکیب توصیفی ہے) کہا جاتا ہے۔ قلقلہ لغت عربی میں حرکت اور اضطراب کو کہتے ہیں اور اہل تجوید کی اصطلاح میں قلقلہ کا مطلب یہ ہے کہ جو حروف اس صفت سے متصف ہیں ان کی ادائیگی کے وقت (خصوصاً جبکہ ساکن ہوں) مخرج میں سختی اور جنبش ہوتی ہے اور آواز مخرج میں ٹکرا کر لوٹتی ہوئی نکلتی ہے حروف قلقلہ کا مجموعہ قُطْبُ جَدٍّ یعنی بزرگی کا مدار ہے۔ اور بعض حضرات نے قَدْ طَبَجْ بھی مجموعہ بتایا ہے۔ سب سے زیادہ قوی قلقلہ قاف میں ہے اسی لئے تمام قراء کرام نے قاف کو حرف قلقلہ مانا ہے اور باقی چار حروف کو بعض قراء نے حروف قلقلہ شمار نہیں کیا وَلَا جْلِ ذَالِكَ قَالَ الشاطبیؒ۔ وَاعْرَ فُهُنَّ الْقَافُ كُلٌّ يَعُدُّهَا۔ یعنی اور حروف قلقلہ میں سب سے زیادہ مشہور قاف ہے اس کو سب ہی شمار کرتے ہیں۔

قلقلہ کا مزید بیان شعر (۳۹) میں دیکھئے۔

﴿قولہ﴾ وَاللِّيْنِ' یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے اَیْ حُرُوْفِهِ اِثْنَانِ اور آئندہ مصرع میں اثنان کا بیان ہے ای اَحَدُهُمَا وَاوٌ وَثَانِيْهُمَا يَاءٌ۔ یعنی صفت لین دو حرفوں میں

پائی جاتی ہے۔

(اول) واؤ ساکن جبکہ اس سے پہلا حرف مفتوح ہو جیسے خَوْفٌ اور جَوْفٌ کا واؤ۔

(دوم) یائے ساکن اس سے پہلا حرف مفتوح ہو جیسے صَیْفٌ اور بَیْتٌ کی یاء۔

لغت میں لین نرمی کو کہتے ہیں اور اصطلاح اہل تجوید میں لین کا مطلب یہ ہے کہ جن دو حرفوں میں یہ صفت پائی جاتی ہے ان کو مخرج سے ایسی نرمی کے ساتھ بلا تکلف ادا کیا جائے کہ اگر مد کرنا چاہیں تو کر سکیں اور اسی لئے اس کے دونوں حروف لین مد کو قبول کر سکتے ہیں' بعض حالات میں ان پر مد ہوتا ہے۔

﴿قولہ﴾ وَالْإِنْحِرَافُ صُحِّحَا فِي اللَّامِ وَالرَّاءِ۔ الضمير المستتر في صحح راجع الى الانحراف اى ان وصف الانحراف صحح ثبوته في اللام والراء۔ مطلب یہ ہے کہ صفات غیر متضادہ میں سے ایک صفت انحراف ہے جو لام اور راء میں ثابت اور صحیح کہی گئی ہے اور اسی لئے ان دونوں حرفوں کو منحرفہ کہتے ہیں۔ انحراف لغت میں پھرنے اور کسی کی طرف مائل ہونے کو کہتے ہیں اور اصطلاح اہل تجوید میں اس کا مطلب یہ ہے کہ لام کی ادائیگی میں زبان کے کنارہ کی طرف میلان ہوتا ہے اور راء کی ادائیگی میں زبان کی پشت کی طرف میلان پایا جاتا ہے اور تھوڑا میلان لام کی طرف بھی ہوتا ہے لیکن اتنا میلان نہیں کہ راء لام بن جائے' جیسے بعض بچوں سے راء کی جگہ لام نکلتی ہے۔

﴿قولہ﴾ وَبِتَكْرِيرٍ جُعِلْ یعنی راء صفت تکریر کے ساتھ متصف قرار دی گئی ہے جس کو تکرار بھی کہتے ہیں اور راء کو تکرار کے ساتھ متصف ماننے اور قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ راء تکرار کو قبول کرتی ہے لیکن تکرار کے ساتھ ادا کرنا ممنوع ہے۔ تکرار دو بار یا اس سے زیادہ کسی کام کے کرنے کو کہتے ہیں۔ راء کے ادا کرتے وقت چونکہ مخرج میں زبان کو پوری طرح قرار اور جماؤ نہیں ہوتا اور زبان میں ایک طرح کا رعشہ یعنی لرزہ پیدا ہو جاتا ہے اس لئے اگر دھیان کے ساتھ ادائیگی نہ کی جائے تو ایک راء کی کئی راء بنتی چلی جائیں گی۔

حضرات قراء کرام نے فرمایا کہ دیگر صفات کا جاننا ان کے اداء کرنے کے لئے ہے اور تکرار کا جاننا اور پہچاننا اس لئے ہے کہ اس کے ادا کرنے سے اجتناب کیا جائے اور بچا جائے خصوصاً جب کہ راء مشددہ ہو تو تکرار سے بچنے کا خاص اہتمام لازم ہے اس کے بعد راء ساکنہ میں پھر راء متحرکہ میں ترک

تکرار کا اہتمام کریں اور راء متحرکہ بلا اہتمام بھی اکثر درست ادا ہو جاتی ہے۔ تکرار سے بچنے کی ترکیب یہ ہے کہ طرف لسان کو اس کے مقابل اوپر کے تالو سے دفعتہً مضبوطی کے ساتھ خوب اچھی طرح ملا دیا جائے اور جب تک راء ادا نہ ہو زبان کو حرکت نہ ہو۔

اس سلسلہ کا کچھ بیان شعر (۴۳) کے ذیل میں آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

﴿قولہ﴾ وَلِلتَّفَشِّي الشِّيْنُ اس عبارت میں قلب ہے کیونکہ وَالشِّيْنُ لِلتَّفَشِّي کہنا چاہیے تھا۔ تشریح اس کی یہ ہے کہ صفات غیر متضادہ میں صفت تفشی بھی ہے جو شین معجمہ میں پائی جاتی ہے۔ لفظ تفشی باب تفعل کا مصدر ہے جس کا مادہ فَشْوٌ (معتل لام واوی) ہے جس کے معنی پھیلنے کے ہیں۔ اور اصطلاح اہل تجوید میں تفشی کا مطلب یہ ہے کہ حرف متفشی یعنی شین کے ادا کرتے وقت منہ میں آواز پھیل جانی چاہیے لیکن آواز اوپر کو نہ چڑھے ورنہ شین پُر ہو جائے گا حالانکہ وہ حروف مستفلہ میں سے ہے۔

علامہ جزری اور علامہ شاطبی رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک تفشی صرف شین معجمہ کی صفت ہے اور بعض حضرات نے شین کے ساتھ ثاء (مثلثہ) کو اور بعض نے فاء کو اور بعض نے ضاد کو متفشی بتایا ہے۔ کما ذکرہ القاری فی شرح الشاطبیہ۔ چونکہ شین میں سب سے زیادہ تفشی ہے اور بنسبت حروف مذکورہ کے اس میں پھیلاؤ بہت ہے اس لئے شین بالاتفاق تفشی سے متصف ہے اور باقی مذکورہ حروف میں چونکہ پھیلاؤ کم ہے اس لئے اکثر علماء نے ان حروف کو تفشی سے موصوف نہیں مانا۔

﴿قولہ﴾ ضَادًا اِسْتَطِلْ۔ یعنی ضاد کی ادائیگی میں استطالت سے کام لے لفظ ضَادًا مفعول بہ مقدم ہے اور اس کو اِسْتَطِلْ نے نصب دیا ہے۔ اِسْتَطِلْ باب استفعال سے امر کا صیغہ ہے اس کا مصدر اِسْتِطَالَۃٌ ہے جس کا مادہ طول ہے طَالَ دراز ہوا۔ اور اِسْتَطَالَ درازی کو چاہا۔ استطالت صرف ضاد (معجمہ) میں ہے اور اہل تجوید کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ ضاد کی ادائیگی کے وقت حافہ لسان کے شروع سے لے کر اخیر حافہ تک آواز دراز رہے یعنی جس قدر مخرج طویل ہے اسی قدر آواز مخرج میں جاری رہ کر طویل ہوگی۔ استطالت کی حقیقت اسی قدر ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ضاد کی آواز کو دیر تک گھماتے اور چکر دیتے رہیں جیسا کہ ناواقف سمجھتے ہیں۔

الحمد للہ! صفات لازمہ متضادہ وغیر متضادہ سے متعلقہ اشعار کا ترجمہ وشرح ختم ہوئی۔ اب ہم

اس سلسلہ کے چند فوائد ذکر کرتے ہیں جو صفات کے بیان کے لئے تتمہ اور تکملہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

﴿فائدہ اولیٰ﴾ کوئی حرف ایسا نہیں جو کہ کسی دوسرے حرف کے ساتھ مخرج میں اور ہر صفت میں متحد ہو۔

﴿فائدہ ثانیہ﴾ کوئی حرف ایسا نہیں جس میں صفات متضادہ میں سے کم از کم پانچ صفات نہ پائی جاتی ہوں۔اگر ایک صفت نہ ہوگی تو اس کی ضد ضرور ہوگی۔

﴿فائدہ ثالثہ﴾ صفات مذکورہ آپس میں قوت وضعف کے اعتبار سے متفاوت یعنی مختلف ہیں اور ان کے باہمی تفاوت کی وجہ سے حروف بھی قوت وضعف کے اعتبار سے مختلف ہوگئے ہیں کیونکہ حروف میں صفات کی وجہ سے قوت آتی ہے۔پس جاننا چاہیے کہ صفات متضادہ میں سے پانچ صفات یعنی جہر، شدت، استعلاء، اطباق، اصمات قوی ہیں اور ان کی مقابل جو صفات ہیں وہ ضعیف ہیں۔

اور صفات غیر متضادہ میں لین کے علاوہ سب قوی ہیں جس حرف میں جس قدر صفات قویہ ہوں گی وہ اسی قدر قوی ہوگا اور جس قدر صفات ضعیفہ ہوں گی اسی قدر وہ ضعیف ہوگا سب سے زیادہ قوی صفت قلقلہ ہے اور شدت جہر سے قوی ہے اور یہ تینوں تفشی اور صفیر سے قوی ہیں اور اطباق استعلاء محض سے قوی ہے (كذا في نهاية القول المفيد عن المرعشي)

قوت وضعف کے اعتبار سے حروف کی پانچ قسمیں ہیں۔

(۱) قوی (۲) اقویٰ (۳) متوسط (۴) ضعیف (۵) اضعف۔

پس ج، د، ص، غ، ر، ز۔قوی ہیں۔اور ط، ظ، ض، ق اقویٰ ہیں اور الف، ب، ت، خ، ذ، ع، ك، ء متوسط ہیں اور س، ش، ل، و، ی ضعیف ہیں اور ث، ح، ن، م، ف، ھ اضعف ہیں۔اس تفصیل کو یاد رکھنے کے لئے مندرجہ ذیل پانچ اشعار یاد کرلو

اَقْوَى الْحُرُوْفِ الطَّا وَضَادٌ مُّعْجَمَهْ — وَالظَّاءُ ثُمَّ الْقَافُ وَهْيَ الْخَاتِمَهْ

قَوِيُّهَا جِيْمٌ وَّ دَالٌ ثُمَّ رَاءْ — صَادٌ وَّ زَایٌ ثُمَّ غَيْنٌ قُرِّرَا

وَ اَوْسَطُ هَمْزٌ وَّ بَاءٌ تَا اَلِفْ — خَاءٌ وَّ ذَالٌ عَيْنٌ كَافٌ ثُمَّ قِفْ

وَاَضْعَفُ الْحُرُوْفِ ثَاءٌ حَاءٌ وَالنُّوْنُ وَالْمِيْمُ وَفَاءٌ هَاءٌ

ضَعِيْفُهَا سِيْنٌ وَّشِيْنٌ، لَامٌ وَالْوَاوُ وَالْيَاءُ هِيَ الْخِتَامُ

(نہایۃ القول المفید ص ٦٣)

﴿فائدہ رابعہ﴾ پندرہ حروف میں پانچ پانچ صفات لازمہ پائی جاتی ہیں اور یہ وہ حروف ہیں جو صفات غیر متضادہ سے خالی ہیں یعنی ا ـ ت ـ ث ـ ح ـ خ ـ ذ ـ ظ ـ ع ـ غ ـ ف ـ ک ـ م ـ ن ـ ھ ـ ء۔ ان کے علاوہ باقی تمام حروف میں چھ چھ صفات ہیں البتہ راء اس کلیہ سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس میں صفات غیر متضادہ دو ہیں اور ان کی وجہ سے یہ سات صفات کو جامع ہے۔

اب ہم ایک نقشہ بنا کر دکھاتے ہیں تا کہ حروف کی صفات ایک نظر میں آ جائیں۔

نقشہ مظہرہ صفات لازمہ (متضادہ وغیرہ متضادہ)

نمبر شمار	اشکال حروف	صفات متضادہ					صفات غیر متضادہ
۱	ا	جہر	رخاوت	استفال	انفتاح	اصمات	
۲	ب	جہر	شدت	استفال	انفتاح	اذلاق	قلقلہ
۳	ت	ہمس	شدت	استفال	انفتاح	اصمات	
۴	ث	ہمس	رخاوت	استفال	انفتاح	اصمات	
۵	ج	جہر	شدت	استفال	انفتاح	اصمات	قلقلہ
٦	ح	ہمس	رخاوت	استفال	انفتاح	اصمات	
۷	خ	ہمس	رخاوت	استعلاء	انفتاح	اصمات	
۸	د	جہر	شدت	استفال	انفتاح	اصمات	قلقلہ
۹	ذ	جہر	رخاوت	استفال	انفتاح	اصمات	
۱۰	ر	جہر	توسط	استفال	انفتاح	اذلاق	انحراف، تکریر
۱۱	ز	جہر	رخاوت	استفال	انفتاح	اصمات	صفیر

۱۲	س	ہمس	رخاوت	استفال	انفتاح	اصمات	صفیر
۱۳	ش	ہمس	رخاوت	استفال	انفتاح	اصمات	تفشی
۱۴	ص	ہمس	رخاوت	استعلاء	اطباق	اصمات	صفیر
۱۵	ض	جہر	رخاوت	استعلاء	اطباق	اصمات	استطالت
۱۶	ط	جہر	شدت	استعلاء	اطباق	اصمات	قلقلہ
۱۷	ظ	جہر	رخاوت	استعلاء	اطباق	اصمات	
۱۸	ع	جہر	توسط	استفال	انفتاح	اصمات	
۱۹	غ	جہر	رخاوت	استعلاء	انفتاح	اصمات	
۲۰	ف	ہمس	رخاوت	استعلاء	انفتاح	اذلاق	
۲۱	ق	جہر	شدت	استعلاء	انفتاح	اصمات	قلقلہ
۲۲	ك	ہمس	شدت	استفال	انفتاح	اصمات	
۲۳	ل	جہر	توسط	استفال	انفتاح	اذلاق	انحراف
۲۴	م	جہر	توسط	استفال	انفتاح	اذلاق	
۲۵	ن	جہر	توسط	استفال	انفتاح	اذلاق	
۲۶	و	جہر	رخاوت	استفال	انفتاح	اذلاق	لین
۲۷	ہ	ہمس	رخاوت	استفال	انفتاح	اصمات	
۲۸	ء	جہر	شدت	استفال	انفتاح	اصمات	
۲۹	ی	جہر	رخاوت	استفال	انفتاح	اصمات	لین

﴿فائدہ خامسہ﴾ اگر حروف مخرج میں متحد ہوں تو صفات لازمہ کے ذریعہ ان میں امتیاز ہوتا ہے اور اگر صفات لازمہ میں مشترک ہوں تو مخرج کے ذریعہ ممتاز ہوتے ہیں۔ جو حروف آپس میں مخرج کی وجہ سے ممتاز ہیں ان کے بیان کرنے کی چنداں حاجت نہیں ہے البتہ جو حروف مخارج میں متحد ہیں ان

کی صفات ممیزہ بیان کرنے کی ضرورت ہے لہٰذا ہم ذیل میں لکھتے ہیں' وباللہ التوفیق

(۱) (ء' ہ) یہ دونوں متحد المخرج ہیں اور ان میں امتیاز اس طرح ہے کہ ہمزہ میں شدت اور جہر ہے اور ھاء میں ہمس اور رخاوت ہے۔

(۲) (ع' ح) یہ دونوں بھی مخرج میں متحد ہیں لیکن عین میں جہر اور توسط ہے اور حاء میں ہمس اور رخاوت ہے۔

(۳) (غ' خ) یہ دونوں بھی مخرج میں متحد ہیں لیکن غین میں جہر ہے اور خاء میں ہمس ہے۔

(۴) (ط' ت) یہ دونوں بھی مخرج میں متحد ہیں لیکن طاء میں جہر اور استعلاء و اطباق ہیں اور غیر متضادہ میں سے قلقلہ ہے اور تاء میں ہمس' استفال اور انفتاح ہیں' طاء کی تینوں صفات ممیزہ یعنی استعلاء اطباق اور قلقلہ میں سے اگر کوئی صفت چھوٹ جاتی ہے تو یہ حرف ناقص ادا ہوتا ہے اور اگر تینوں صفات چھوٹ جائیں تو بالکل تاء بن جاتی ہے۔

(۵) (د' ت) یہ دونوں بھی مخرج میں متحد ہیں مگر دال جہر اور قلقلہ کی وجہ سے تاء سے ممتاز ہے بہت سے لوگ دال میں ان دونوں صفتوں کا خیال نہیں کرتے جس کی وجہ سے دال کی جگہ تاء پڑھ جاتے ہیں۔ احقر نے بعض علماء کو سورۂ والضحیٰ میں اَلَمْ يَجِدْكَ پڑھتے ہوئے سنا ہے اور اس غلطی کی وجہ قلقلہ اور جہر چھوڑ دینا ہے۔

(۶) (ظ۔ ذ) بھی مخرج میں متحد ہیں مگر ظاء میں استعلاء اور اطباق پائی جاتی ہے اس لئے ذال سے ممتاز ہو جاتا ہے۔

(۷) (ص' س) بھی مخرج میں متحد ہیں مگر استعلاء اور اطباق کیوجہ سے امتیاز ہوتا ہے کیونکہ یہ دونوں ص ادمیں پائی جاتی ہے اور س میں ان کی اضداد یعنی استفال اور انفتاح پائی جاتی ہیں۔

حروف متشابہ الصوت میں تمایز

(۸) (ظ' ض) ان دونوں حروف کا مخرج متحد نہیں ہے البتہ بجز استطالت کے جملہ صفات میں مشترک ہیں اور اسی وجہ سے قراء کرام فرماتے ہیں کہ اگر ضاد کو اس کے صحیح مخرج سے تمام صفات کا لحاظ رکھتے ہوئے ادا کیا جائے تو سننے میں اس کی آواز ظاء کی آواز کے مشابہ ہو جاتی

ہے۔مگر ضاد کو ظاء پڑھنا یا دال پڑھنا غلط ہے۔

(۹) (ث، س) ان دونوں کا مخرج بھی متحد نہیں ہے اگر دونوں کو صحیح مخرج سے ادا کیا جائے تو بالکل صحیح ادا ہوں گے مگر عام طور سے لوگ ثاء کی جگہ سین کی آواز نکالتے ہیں اور اختلاف مخرج کے علاوہ صفت صفیر بھی صفت ممیزہ ہے جو سین میں پائی جاتی ہے سین کی ادائیگی کے وقت صفیر کا خاص دھیان رکھنا چاہیے کیونکہ جملہ صفات متضادہ میں دونوں (ثاء اور سین) شریک ہیں مخرج اور صفیر کا لحاظ نہ کرنے سے ثاء کی جگہ سین ادا ہوگا۔

(۱۰) (ز، ذ) یہ دونوں حرف بھی متحد المخرج نہیں ہیں، ہر ایک کو اپنے مخرج سے ادا کرنا لازم ہے اور زاء میں صفت صفیر بھی ہے جو ذال میں نہیں ہے اس صفت ممیزہ کا دھیان کرنا بھی ضروری ہے ورنہ دونوں میں کامل تمایز نہ ہوگا۔

﴿ضروری تنبیہ﴾ بعض لوگ جو قاری ہونے کے مدعی ہوتے ہیں ذال کی جگہ ظاء پڑھ جاتے ہیں اور یہ غلطی اس لئے ہوتی ہے کہ ذال کی ادائیگی کے وقت زبان اوپر کو اٹھا دیتے ہیں جس سے صفت استعلاء پیدا ہوکر تفخیم پیدا ہو جاتی ہے اور ذال کامل یا ناقص ظاء بن جاتی ہے اور ذال بہر حال نہیں رہتی۔

﴿فائدہ سادسہ﴾ حروف مستعلیہ، مستفلہ، مطبقہ، منفتحہ کے جو القاب دیئے گئے ہیں یہ تلقیب (لقب دینا) مجازی ہے کیونکہ استعلاء استفال اور اطباق وانفتاح لسان کی کیفیات ہیں نہ کہ حروف کی۔فافهم واحفظ

﴿فائدہ سابعہ﴾ حروف مستعلیہ کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ ان کی ادائیگی کے وقت زبان کا اکثر حصہ تالو کی طرف بلند ہو جاتا ہے۔اکثر حصہ کی قید کاف سے احتراز کرنے کے لئے ہے کیونکہ اس کی ادائیگی میں زبان کی جڑ تالو کی طرف بلند ہوتی ہے لیکن زبان کا اکثر حصہ بلند نہیں ہوتا اسی طرح جیم۔شین اور یاء کو سمجھو ان کی ادائیگی کے وقت وسط زبان تالو سے ملتا ہے زبان کا اکثر حصہ نہیں ملتا اس لئے ان کا شمار منفتحہ میں ہوا نہ کہ مطبقہ میں۔نیز چونکہ قاف کی ادائیگی میں زبان کی جڑ تالو سے ملتی ہے وسط لسان علیحدہ رہتا ہے اس لئے اس کا شمار بھی منفتحہ میں ہے۔

﴿فائدہ ثامنہ﴾ صفات غیر متضادہ کے حروف کا یاد رکھنا تو آسان ہے لیکن صفات متضادہ میں

یہ دیکھنا کہ فلاں حرف میں کونسی کونسی صفات ہیں ذرا مشکل ہوتا ہے اس لئے ہم ایک ایسا طریقہ ذیل میں درج کرر ہے ہیں جس کے ذہن نشین کرنے سے کسی حرف کی صفات معلوم کر لینا سہل ہوگا' وہ طریقہ یہ ہے کہ صفات متضادہ کے بیان میں مصنفؒ نے جو پانچ مجموعے لئے ہیں ان مجموعوں میں اس حرف کو تلاش کرو جس کی صفت معلوم کرنا چاہتے ہو' جس جس مجموعہ میں وہ حرف ملے اس مجموعہ کی صفت سے متصف کر دو اور جس مجموعہ میں نہ ملے اس مجموعہ کی مقابل صفت سے متصف سمجھ لو مثلاً عین کی صفات معلوم کرنے کا ارادہ کیا تو دیکھا فَحَثَّهُ شَخْصٌ سَكَتْ کے مجموعہ میں نہیں ہے لہٰذا مجہورہ ہے پھر دیکھا کہ أَجِدْ قَطٍ بَكَتْ کے مجموعہ میں نہیں ہے اور لِنْ عُمَرْ کے مجموعہ میں ہے لہٰذا متوسط ہے پھر دیکھا کہ خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ کے مجموعہ میں نہیں ہے لہٰذا مستفلہ ہے اور جو چار حروف اطباق ہیں ان میں بھی نہیں ہے لہٰذا منفتحہ ہے اور فَرَّ مِنْ لُبِّ میں بھی نہیں ہے لہٰذا مصمتہ ہے اور صفات غیر متضادہ کے حروف میں نہیں ہے لہٰذا اس میں صرف پانچ ہی صفات ہیں۔

﴿سوال﴾ صفات غیر متضادہ کے متعلق ایک یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس طرح ہمس کی ضد جہر ہے اور شدت کی ضد رخاوت ہے اسی طرح تفشی کی ضد عدم تفشی اور صفیر کی ضد عدم صفیر کہی جا سکتی ہے لہٰذا صفات غیر متضادہ بھی متضادہ ہو گئیں شین میں تفشی ہے تو باقی تمام حروف میں عدم تفشی ہے۔

﴿جواب﴾ صفت وجودی چیز کا نام ہے عدمی چیز کو صفت نہیں کہتے ہیں۔ ہمس اور جہر دونوں وجودی چیزیں ہیں گو آپس میں ضدین ہیں مگر نقیضین نہیں ہیں ہمس عدم الجہر کا نام ہوتا تو اس کا کوئی نام ہی نہ ہوتا اور حروف مہموسہ کی ادائیگی میں ہمس کی وجہ سے جو کیفیت خصوصی پائی جاتی ہے وہ بھی موجود نہ ہوتی۔

باقی رہا (مثلاً) تفشی کا کسی حرف میں نہ ہونا تو یہ کوئی وجودی چیز نہیں ہے جس کی وجہ سے کسی حرف کی کیفیت بدلتی ہو اور اسی لئے بجز عدم تفشی کے اس کا کوئی نام نہیں رکھ سکتے۔ اگر اس طرح فرض کرنا چاہیں تو ہر حرف میں بکثرت صفات بتائی جا سکتی ہیں مگر مجموعہ عدمیات سے عدم کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ فافہم

بَابُ مَعْرِفَةِ التَّجْوِيْدِ

تجوید کی ضرورت اور حقیقت کا بیان

27 وَالْأَخْذُ بِالتَّجْوِيْدِ حَتْمٌ لَّازِمٌ
مَنْ لَّمْ يُجَوِّدِ الْقُرَانَ اٰثِمٌ

﴿ت﴾ ”اور تجوید کو حاصل کرنا واجب اور لازم ہے جو شخص قرآن مجید کو تجوید سے نہ پڑھے گنہگار ہے۔“

﴿تشریح﴾ مخارج اور صفات لازمہ کے بعد اب مصنفؒ تجوید کی ضرورت واہمیت اور حقیقت وماہیت بیان فرماتے ہیں۔

یعنی تجوید کا حاصل کرنا اور پھر قرآءت قرآن کریم کے وقت تجوید کے ساتھ پڑھنا واجب اور لازم ہے اور تجوید کے خلاف قرآن مجید پڑھنے سے انسان گنہگار ہوتا ہے۔ یہاں واجب سے مراد واجب علی العین نہیں ہے بلکہ وجوب علی الکفایہ مراد ہے کیونکہ تجوید کے جملہ اصول وفروع کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر واجب نہیں ہے البتہ امت پر یہ امر فرض کفایہ ہے کہ اپنے اندر ایسے قراء اور مجودین باقی رکھے اور مسلسل تیار کرتی رہے جو تجوید وقرآءت کے پورے مسائل واحکام سے واقف ہوں۔

اور اگر واجب سے علی العین مراد لیں تو یہ بھی صحیح ہوگا لیکن اس صورت میں تجوید کے جملہ مسائل مراد نہ ہوں گے بلکہ وہ مسائل وفروع مراد لئے جائیں گے جن کی نگہداشت نہ رکھنے سے لحن جلی پیدا ہو جاتا ہے اور مَنْ لَّمْ يُجَوِّدِ الْقُرَانَ اٰثِمٌ کا انطباق بھی اس صورت میں نہایت ہی موزوں ہو جائے گا اور چونکہ ہر بالغ مسلمان پر نماز فرض ہے اور نماز میں قرآءت فرض ہے اس لئے اس قدر قرآن کا سیکھنا بھی ہر مسلمان پر فرض ہے جس قدر نماز میں قرآءت کرنا فرض ہے اور قرآن کا اس طرح صحیح پڑھنا واجب ہے جس طرح اللہ پاک نے نازل فرمایا ہے اگر کوئی شخص اَلْحَمْدُ کی جگہ اَلْهَمْدُ پڑھتا ہے اور اَلْعَالَمِيْنَ کی جگہ اَلَمِيْنَ پڑھتا ہے تو ظاہر ہے کہ قرآن میں تغیر وتبدیل کرتا ہے جس سے احتراز واجب اور لازم ہے اسی وجہ سے ہم نے تجوید کے اس حصہ کو واجب علی العین کہا ہے جس کے

بغیرلحن جلی پیدا ہوتا ہے اور متن میں واجب سے واجب علی العین مراد لینے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ بعض نسخوں میں بجائے مَنْ لَّمْ یُجَوِّدْ کے لَمْ یُصَحِّحْ موجود ہے۔ کما ذکرہ القاری

(28) لِاَنَّـــهٗ بِـــهِ الْاِلٰـــهُ اَنْـــزَلَا
وَهٰـــكَـــذَا مِـــنْـــهُ اِلَـــيْـــنَـــا وَصَلَا

﴿ت﴾ "اس لئے کہ تجوید کے ساتھ اللہ پاک نے قرآن پاک کو نازل فرمایا ہے اور اسی طرح ہم تک (تواتر کے ساتھ) خدائے پاک سے پہنچا ہے۔"

﴿تشریح﴾ اَنْـزَلَا اور وَصَلَا میں الف اشباع کے لئے ہے یعنی وزن شعر کی وجہ سے لام کے فتحہ کو بقدر الف کھینچ کر پڑھیں گے اور لِاَنَّهٗ میں ضمیر منصوب ضمیر شان ہے اور بِه کی ضمیر مجرور تجوید کی طرف راجع ہے' اس شعر میں مصنفؒ نے وجوب تجوید کی دلیل بیان کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے اور بغیر کسی تغیر وتبدل کے بالکل اسی طرح سند کے ساتھ ہم تک پہنچی ہے جس طرح مہبط وحی صاحب رسالت ﷺ پر نازل ہوئی تھی۔ قرآن کے حرکات وسکنات اور حروف وکلمات جس طرح بجنسہ آج تک محفوظ ہیں اور ان میں ذرا سا بھی تغیر نہیں ہوا ہے اسی طرح طرق ادا بھی محفوظ ہیں اور تواتر کے ساتھ منقول ہیں اور اس کی دلیل کہ اللہ پاک نے تجوید کے ساتھ نازل فرمایا ہے یہ ہے کہ قرآن شریف میں کتنی جگہ قرآن کو عربی زبان میں بتایا ہے اور تجوید صحیح عربیت کے مطابق پڑھنے کا نام ہے حضور اکرم ﷺ افصح العرب اور سب سے بڑے مجود تھے۔ بالتواتر و بالتوارث آپ کے تلاوت فرمانے کے طرق ادا اکابرًا عن اکابرٍ حضرات صحابہ کرام وتابعین عظام وائمہ قرآءت واصحاب روایت و درایت کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں' جو شخص قرآن کو خلاف تجوید پڑھتا ہے غلط پڑھتا ہے اور اس کی تلاوت' تلاوت نبوی (ﷺ) کی تلاوت کے خلاف ہے۔

بہت سے لوگوں سے جب تجوید کے مطابق صحیح پڑھنے کو کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ علم تجوید تو اب نکلا ہے پہلے کہاں تھا؟ یہ ان لوگوں کی جہالت ہے قرآن کا نزول ہی تجوید کے ساتھ ہے پھر تجوید نئی چیز کیونکر ہوگی؟ قرآن شریف میں جہاں طاء ہے وہاں تاء یا توے پڑھنا اور ثاء کی جگہ سین پڑھنے کو کسی

طرح حلال نہیں کہہ سکتے ہاں لحن خفی سے بچنے کی صورتوں کو واجب قرار نہیں دیں گے۔

(29) وَهُوَ اَيْضًا حِلْيَةُ التِّلَاوَةِ
وَزِيْنَةُ الْاَدَآءِ وَالْقِرَآءَةِ

﴿ت﴾ ''اور یہ بات بھی ہے کہ وہ یعنی تجوید تلاوت کا زیور ہے اور اداء وقرآءت کی زینت ہے۔''

﴿تشریح﴾ مطلب یہ ہے کہ تجوید کے ساتھ کلام اللہ کی تلاوت کرنے میں جہاں واجب پر عمل کر کے تلاوت کرنے والا ترک واجب کے گناہ سے محفوظ رہے گا وہاں اس کا یہ نفع بھی ہے کہ اس سے تلاوت میں حسن آ جاتا ہے اور قرآءت عمدہ معلوم ہوتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے الفاظ وکلمات کو زیور پہنا کر آراستہ کر دیا گیا ہے' درحقیقت قرآءت کی اصل زینت یہی ہے کہ تجوید کے اصول و فروع کا لحاظ کرتے ہوئے تلاوت کریں اور گو حسن آواز بھی اچھی چیز ہے مگر وہ غیر اختیاری ہے اور تجوید اختیاری چیز ہے کوشش کر کے ہر شخص اس کو حاصل کر سکتا ہے اور اس حسن کے ذریعہ سب ہی اپنی قرآءت کو حسین بنا سکتے ہیں اگر آواز اچھی ہو اور تجوید کے خلاف پڑھا جائے تو یہ حسن معتبر نہ ہوگا۔

آج کل عوام تو عوام بہت سے نام نہاد قاریوں کا یہ حال ہے کہ حسن صوت اور لہجہ کے حسین ہونے کو ہی تلاوت کی جان سمجھتے ہیں اور تجوید کے مطابق پڑھنے کی خاص ضرورت اور اہمیت نہیں سمجھتے یہ سخت غلطی ہے۔ مصنف ؒ نے شعر بالا میں تجوید کو تین چیزوں کی زینت بتایا ہے۔

(۱) تلاوت (۲) اداء (۳) قرآءت۔ ان تینوں میں اصطلاحی فرق یہ ہے کہ تلاوت مسلسل پڑھتے چلے جانے کو کہتے ہیں اور اداء اخذ عن المشائخ یعنی اساتذہ سے حاصل کرنے کو کہتے ہیں اور قرآءت عام ہے یعنی تلاوت اور اداء دونوں کو شامل ہے اور اخذ عن المشائخ کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ استاذ پڑھے اور شاگرد اس سے سن کر ادا کرے' دوسرا یہ ہے کہ شاگرد استاد کے سامنے پڑھے اور استاد سنتا رہے۔ پہلا طریقہ متقدمین کا ہے اور دوسرا متاخرین کا ہے ان دونوں میں اولیٰ کونسا ہے اس کے متعلق ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طریقہ ثانیہ ہمارے اہل زمانہ کے اعتبار سے اقرب الی الحفظ ہے۔

یہ بھی جاننا چاہیے کہ قرآءت کے تین طریقے ہیں۔

(اول) یہ کہ ٹھہر ٹھہر کر اطمینان کے ساتھ پڑھے اس کو ترتیل کہتے ہیں جسے ورش اور امام عاصم اور حمزہ رحمہم اللہ نے اختیار کیا ہے۔

(دوم) یہ کہ جلدی جلدی پڑھا جائے اس کو حدر کہتے ہیں جسے قالون، ابن کثیر اور ابو عمرو رحمہم اللہ نے اختیار کیا ہے۔

(سوم) یہ ہے کہ حدر اور ترتیل کے درمیان پڑھا جائے یعنی نہ بہت اطمینان سے اور نہ بہت جلدی جلدی، اس کو تدویر کہتے ہیں اس کو ابن عامر اور کسائی رحمہما اللہ نے اختیار کیا ہے۔ تینوں طریق میں سے جو طریقہ کسی امام کی طرف منسوب ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ دوسرے طریق کو ناجائز کہتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس قاری نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ اکثر واغلب اس طرح تلاوت فرماتے تھے۔

تینوں طریقوں میں مخارج اور صفات کا دھیان رکھنا ضروری ہے۔ بہت سے لوگ حدر پڑھتے وقت قواعد تجوید کا دھیان نہیں رکھتے اور خصوصاً تراویح میں تو غلط پڑھنے کو ضروری سمجھتے ہیں حالانکہ غلط پڑھنا نماز سے باہر اور نماز کے اندر (خواہ نوافل ہی ہوں) ہر حال میں شدید گناہ ہے اور اور بہت سی غلطیوں سے نماز فاسد بھی ہو جاتی ہے۔

(30) وَهُوَ إِعْطَاءُ الْحُرُوفِ حَقَّهَا
مِنْ صِفَةٍ لَّهَا وَمُسْتَحَقَّهَا

﴿ت﴾ ''اور تجوید یہ ہے کہ حروف کو ان کا حق یعنی صفات (لازمہ) اور ان کا مستحق دے دیا جائے۔''

﴿تشریح﴾ اس شعر میں مصنفؒ نے تجوید کی حقیقت بتائی ہے یعنی تجوید کی اصطلاحی تعریف سے آگاہ فرمایا ہے۔ تجوید لغت میں کسی کام کو عمدگی کے ساتھ انجام دینے اور کھرا کرنے کو کہتے ہیں۔ اور حضرات قراء کرام کی اصطلاح میں حروف عربیہ کو ان کے مخرج سے صحیح طور پر نکالتے ہوئے جملہ صفات لازمہ وعارضہ کے ساتھ ادا کرنے کو تجوید کہتے ہیں۔ مصنفؒ نے یہی تعریف لکھی ہے جو شعر

بالا میں اور شعر (۳۱) کے مصرع اول میں مذکور ہے۔

حَقُّ حُرُوْفٍ سے صفات لازمہ اور مُسْتَحَقُّ حُرُوْفٍ سے صفات عارضہ مراد ہیں۔ صفات لازمہ کو حق سے اس لئے تعبیر کیا کہ چونکہ وہ حرف سے کبھی جدا ہی نہیں ہوتی ہیں اس لئے مخارج کے بعد وہ حرف کی ذاتی ضرورت کی چیزیں ہیں۔ مُسْتَحَقُّ استحقاق سے مفعول کا صیغہ ہے، صفات عارضہ کو لفظ مستحق سے اس لئے تعبیر کیا کہ حروف بذاتہا ان کو نہیں چاہتے ہیں بلکہ صفات لازمہ کی وجہ سے یا کسی دوسرے سبب سے وہ صفات حروف کو عارض ہو جاتی ہیں۔ مثلاً استعلاء کی وجہ سے مستعلیہ کا پُر ہونا اور استفال کی وجہ سے مستفلہ کا باریک ہونا اور حروف حلقی کی وجہ سے اظہار ہونا اور حروف یَرْمَلُوْنَ کے آنے کی وجہ سے نون اور تنوین کا ادغام ہونا وغیرہ وغیرہ۔

﴿قولہ﴾ حَقَّهَا یہ اِعْطَآءُ مصدر کا مفعول ثانی ہے اور مُسْتَحَقَّهَا اس پر معطوف ہے اور اِعْطَآءُ اپنے مفعول اول کی طرف مضاف ہے۔

﴿قولہ﴾ مِنْ صِفَةٍ لَّهَا۔ یہ حَقَّهَا کا بیان ہے اور مِنْ بیانیہ ہے اور صِفَةٍ موصوف ہے جس کی صفت محذوف ہے ای من صفة لازمة لها۔ شعر بالا میں مصنف ؒ نے تجوید کی تعریف میں صرف صفات کا ذکر کیا ہے۔ اور مخرج کا ذکر آئندہ شعر کے مصرع اول میں ہے چاہیے تو یہ تھا کہ تجوید کی تعریف کرتے وقت بھی مخرج کا بیان صفت سے پہلے کرتے کیونکہ مخرج ماہیت کی مانند ہے اور صفت پھر بھی صفت ہے خواہ لازمہ ہی ہو۔ مگر خدا جانے کیا باعث ہوا کہ مصنف ؒ نے صفات کو پہلے بیان کیا شاید سہولت نظم کے باعث ترتیب ذکری بدلنے کی ضرورت پیش آئی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(31) وَرَدُّ كُلِّ وَاحِدٍ لِّاَصْلِهٖ
وَاللَّفْظُ فِیْ نَظِیْرِهٖ كَمِثْلِهٖ

﴿ت﴾ ”اور لوٹانا ہر حرف کا اس کی اصل (یعنی مخرج) کی طرف اور لفظ اپنی نظیر میں خود اپنا جیسا ہے۔“

(32) مُكَمِّلًا مِّنْ غَيْرِ مَا تَكَلُّفِ
بِاللُّطْفِ فِي النُّطْقِ بِلَا تَعَسُّفِ

﴿ت﴾ ''اس حال میں کہ قرآءت کرنے والا بغیر کسی بناوٹ اور تکلف کے نرمی کے ساتھ ادائیگی کو کامل کرنے والا ہو۔''

﴿تشریح﴾ شعر (۳۱) کے مصرع اول میں تجوید کی بقیہ تعریف بیان کر کے تجوید کی تعریف مکمل کر دی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حروف کو ان کا حق اور مستحق دینا ہی کمال تجوید نہیں ہے بلکہ ہر حرف کو اس کی اصل کی طرف لوٹانا یعنی بالکل صحیح طریقہ پر اس کے مخرج سے ادا کرنا بھی لازم ہے۔ جو تجوید کا سب سے بڑا اجزو ہے۔ اصل سے مخرج مراد ہے۔ قال القاری ای صَرْفُهٗ اِلٰى اَصْلٍ مِّنْ حِيَزِهٖ وَمَخْرَجِهٖ۔

دوسرے مصرع میں فرمایا کہ وَاللَّفْظُ فِيْ نَظِيْرِهٖ كَمِثْلِهٖ یعنی جیسے ایک حرف کو اولاً ادا کیا ہے اگر دوسرا حرف اثنائے تلاوت میں اس کی مانند آ جائے تو اس کو بھی اصول کے مطابق اسی طرح ادا کرنا چاہیے حرفوں کی ادائیگی میں مساوات کا لحاظ رکھنا چاہیے' ہر جگہ اخفاء کی جگہ اخفاء اور اظہار کی جگہ اظہار اور تفخیم کی جگہ مفخم اور ترقیق کی جگہ مرقق کرتے چلے جائیں' یہ نہیں کہ ایک جگہ قاعدہ کے مطابق پڑھ دیا اور دوسری جگہ بے دھیانی سے لحن جلی یا لحن خفی سے داغ دار کر کے چل دیئے۔

اور مثلاً مد عارض میں طول' توسط اور قصر تینوں جائز ہیں لیکن شروع تلاوت سے جس کو اختیار کرے آخر تک ہر جگہ اسی قدر مد کرے اور ایسا نہ کرے کہ ایک جگہ اس میں توسط کرے اور دوسری جگہ طول کر دے۔

﴿قولہ﴾ مُكَمِّلًا (بکسر المیم الثانیہ) یہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اِعْطَآءُ الْحُرُوْفِ سے جو فاعل مفہوم ہو رہا ہے (یعنی قاری اور تالی) اس سے حال ہے اور مُكَمَّلًا (بصیغہ اسم مفعول) بھی پڑھ سکتے ہیں اور اس صورت میں كُلِّ وَاحِدٍ سے حال ہوگا جو معنیٰ رَدٌّ کا مفعول ہے جو مصدر ہے۔

مطلب یہ ہے کہ قاری پر لازم ہے کہ مخارج وصفات کا لحاظ کرتے ہوئے تلاوت کرے اور بغیر کسی

تکلف اور تصنع کے ہونٹوں اور حلق اور زبان کو مشقت میں ڈالے بغیر لطافت سے پڑھتا جائے۔ حروف رخوہ اور متوسطہ تو نرمی کے ساتھ ادا ہوتے ہی ہیں حروف شدیدہ کو بھی ایسی شدت سے ادا نہ کرے کہ منہ اور سر میں جھٹکے لگنے لگیں یا ہمزہ کے ادا کرنے میں ناف ہلنے لگے، بہت سے لوگ عین اور حاء کو ادا کرتے وقت ایسے زور سے حلق میں ضرب مارتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ حلق پھٹ جائے گا اور بعض لوگ لام کو ایسی سختی سے نکالتے ہیں کہ جس سے وہ ڈال معلوم ہونے لگے۔ یہ سب خلاف روایت ہے اور ایسا کرنے سے لطافت کی جان نکل جاتی ہے جس سے تلاوت کا حسن جاتا رہتا ہے اور بہت سے لوگ لہجہ بنانے کی وجہ سے قرآءت کا حسن بگاڑ دیتے ہیں اور بلاوجہ مد کرتے چلے جاتے ہیں۔ یا موسیقی کے قواعد کا خیال کر کے پڑھتے ہیں یہ سب ممنوع ہے۔ ہاں وہ حسن صوت اور حسن لہجہ جس سے تجوید کے اصول وفروع اور احکام ومسائل میں فرق نہ آئے محمود اور محبوب ضرور ہے۔ جیسا کہ متعدد احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔

حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ **زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ** یعنی اپنی اچھی آواز کے ذریعہ قرآن کو زینت دو۔ (ابوداؤد)

اور حضرت ابن ابی ملیکہ سے کسی نے کہا کہ اگر کسی کی اچھی آواز نہ ہو تو کیا کرے؟ انہوں نے جواب دیا کہ حتی الامکان اچھی آواز بنائے۔ (ایضاً)

البتہ حسن صوت تجوید کا جزء نہیں۔ بعض لوگ جو حسن صوت سے پڑھنے کو اچھا نہیں جانتے ہیں وہ بھی غلطی پر ہیں۔ تجوید اور حسن صوت دونوں جمع ہو جائیں تو بہت ہی بہتر ہے ورنہ تجوید کو کسی حال میں ترک نہ کرے۔

(33) وَلَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ تَرْكِهِ
إِلَّا رِيَاضَةُ امْرِئٍ بِفَكِّهِ

﴿ت﴾ "اور اخذ تجوید اور ترک تجوید میں اس کے سوا کوئی فرق نہیں کہ انسان اپنے جبڑے سے محنت کر لے۔"

﴿تشریح﴾ مصنفؒ نے اس شعر میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ تجوید بہت ضروری علم ہے اور اس

ضروری چیز کو حاصل کرنے کے لئے بڑے بڑے مال خرچ نہیں کرنے پڑتے اور نہ ہاتھی گھوڑے جوڑنے کی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے البتہ منہ کو ہلانا اور چلانا پڑتا ہے یعنی استاذ سے سن کر صحیح مشق کرنے میں منہ کو استعمال کرنے کی ذرا سی محنت کرنی ہوتی ہے۔ فَكٌّ جبڑے کو کہتے ہیں یہاں اس سے منہ کے اجزاء مراد ہیں جن سے حروف ادا ہوتے ہیں۔

پس مجود اور غیر مجود ہونے میں اسی محنت کے کرنے نہ کرنے کا فرق ہے جس نے محنت کر لی تجوید کے ساتھ صحیح پڑھنے لگا جس نے سستی کی وہ غلطی میں مبتلا رہا۔ اور یہ محنت چونکہ منہ کی محنت ہے اس لئے ہر امیر و غریب' عالم اور عامی اور بچہ' جوان اور بوڑھا' شہری اور دیہاتی' سخی اور کنجوس' طاقتور اور ضعیف غرضیکہ ہر شخص کر سکتا ہے اور ۲۹ حروف کو مخارج اور صفات کے ساتھ ادا کرنے کی مشق جلدی ہو سکتی ہے مگر صرف کتابیں دیکھ کر استاذ سے مشق کیے بغیر مجود نہیں ہو سکتا۔ خوب سمجھ لو۔

تلاوت کے محاسن

محاسن تلاوت چھ ہیں۔

(۱) ترتیل: تمام قواعد کی رعایت رکھتے ہوئے قرآن مجید کو ٹھہر ٹھہر کر یعنی اطمینان کے ساتھ پڑھنا۔

(۲) تجوید: حروف قرآنیہ کو صحیح طریقہ پر مخارج سے ادا کرنا اور صفات لازمہ اور عارضہ کا دھیان رکھنا۔

(۳) تبیین: ہر حرف کو واضح اور صاف ادا کرنا۔

(۴) ترسیل: الفاظ کو لطافت کے ساتھ پڑھنا اور ہر حرف کو اسی طرح پورا پورا ادا کرنا جیسا اس کا حق ہے اور حروف چبا کر پڑھنے سے بچنا۔

(۵) تحسین: تجوید کی رعایت رکھتے ہوئے لحن عرب کے موافق خوش آوازی کے ساتھ پڑھنا۔ لحن عرب سے عام طور پر نزول قرآن کے دور کے عرب مراد ہیں جن کے لحون ماہر قراء کی سند کے ساتھ ہم تک پہنچے ہیں۔ موجودہ عرب مراد نہیں ہیں کیونکہ یہ لوگ غیر عربی حروف و حرکات اپنی زبان میں داخل کر چکے ہیں۔

(٦) توقیر: خشوع وخضوع کے ساتھ باوقار طریقہ پر تلاوت کرنا۔

تلاوت کے عیوب

تلاوت کے عیوب سولہ ہیں:

(۱) تہمیز: جہاں ہمزہ نہ ہو وہاں ہمزہ کی آواز پیدا کرنا۔

(۲) عنعنہ: ہمزہ یا کسی دوسرے حرف کی آواز میں عین کی آواز ملا دینا۔

(۳) تعجیل: اس قدر جلد پڑھنا کہ حروف کٹ جائیں اور آپس میں ایک دوسرے سے ممتاز اور جدا ہو کر سمجھ میں نہ آئیں اس کو ادماج اور تخلیط بھی کہتے ہیں۔

(۴) تطویل: مد کو مقدار سے زیادہ کھینچنا۔

(۵) تطنین: جس جگہ غنہ نہ ہو وہاں غنہ کرنا۔

(۶) ترجیع: آواز کو حلق میں پھرانا (جس سے حروف مکرر ہو جاتے ہیں)

(۷) تعویق: کلمہ کے درمیان وقف کر کے مابعد سے ابتداء کرنا۔

(۸) ترعید: آواز میں رعشہ پیدا کرنا اور حرکات و مدات کو ہلانا۔

(۹) تمطیط: ترتیل سے پڑھتے وقت مدات وسکنات میں حد سے زیادہ دیر کرنا۔

(۱۰) تمضیغ: حروف کو چبا کر پڑھنا۔

(۱۱) تخفیش: حرکات کو پورا ادا نہ کرنا۔

(۱۲) وشبہ: پہلے حرف کو ناتمام چھوڑ کر دوسرے حرف کو شروع کر دینا۔

(۱۳) ترقیص: آواز کو نچانا۔

(۱۴) ہمہمہ: حرف مخفف کو مشدد پڑھنا۔

(۱۵) زمزمہ: گانے کے طریقہ پر پڑھنا۔

(۱۶) تحزین: اس طرح آواز بنا کر پڑھنا جیسے کوئی رو رہا ہو۔

بَابُ اسْتِعْمَالِ الْحُرُوْفِ

ادائیگی حروف کے طریقے

یہاں سے مصنفؒ حروف کی ادائیگی کے سلسلہ میں چند تنبیہات فرماتے ہیں جن کا جاننا قاری کے لئے بہت ضروری ہے۔

(34) فَرَقِّقَنْ مُسْتَفِلًا مِّنْ اَحْرُفِ
وَحَاذِرَنْ تَفْخِيْمَ لَفْظِ الْاَلِفِ

﴿ت﴾ ''پس باریک کر حروف مستفلہ کو اور خوب پرہیز کر الف کے مفخم پڑھنے (یعنی پُر کرنے) سے۔''

﴿تشریح﴾ رَقِّقَنْ باب تفعیل سے امر حاضر معروف بانون خفیفہ کا صیغہ ہے اس کا مصدر ترقیق ہے۔ لغت میں ترقیق کسی چیز کے باریک کرنے کو کہتے ہیں۔ مادہ اس کا رِقٌّ (مضاعف) ہے۔ قراء و مجودین کی اصطلاح میں حرف کے باریک ادا کرنے کو ترقیق کہتے ہیں۔ اس کی ضد تفخیم اور تغلیظ ہے۔ دونوں تقریباً ہم معنی ہیں!

حروف کو موٹا اور پُر پڑھنے کو تفخیم اور تغلیظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ دونوں بھی باب تفعیل کے مصادر ہیں تفخیم کا مصدر ثلاثی مجرد فَخَامَةٌ ہے اور تغلیظ کا مصدر ثلاثی غِلْظَةٌ ہے' حروف مستعلیہ ہمیشہ پر ہی پڑھے جاتے ہیں اور حروف مستفلہ تمام باریک ادا کئے جاتے ہیں اور ترقیق ہی کے ساتھ ان کی صحیح ادائیگی ہوتی ہے۔ البتہ لام اور راء (گو دونوں مستفلہ ہیں) اس قاعدہ سے مستثنٰی ہیں کیونکہ بعض حالات میں مرقق اور بعض حالات میں مفخم ادا ہوتے ہیں جس کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب آئے گی۔ لام کے موٹا پڑھنے کو تغلیظ اور راء کے موٹا پڑھنے کو تفخیم کہتے ہیں اور کبھی لام کے موٹا پڑھنے کے لئے بھی لفظ تفخیم استعمال کر لیتے ہیں۔ حروف مستعلیہ کے علاوہ جملہ حروف مستفلہ ہیں جن میں الف بھی شامل ہے مصنفؒ نے شعر (۳۴) کے دوسرے مصرع میں یہ جو فرمایا ہے کہ الف کی تفخیم سے خوب پرہیز کرو۔ بات

یہ ہے کہ الف اگرچہ حروف مستفلہ میں سے ہے لیکن ہمیشہ باریک نہیں پڑھا جاتا ہے بلکہ اس کی تفخیم اور ترقیق اس سے پہلے حرف کے تابع ہوتی ہے اگر اس سے قبل راءِ مفخمہ یا لام مغلظہ ہو۔ یا حروف مستعلیہ میں سے کوئی حرف ہو تو اس کے تابع ہو کر مفخم ہوگا ورنہ باریک پڑھا جائے گا جیسے قَالَ اللّٰهُ اور غَافِرِيْنَ اور رَاحِمِيْنَ وغیرہ یہ الف مفخمہ کی مثالیں ہیں جو حروف مفخمہ کے بعد واقع ہوا ہے اور الف مرققہ کی مثالیں یہ ہیں مَالِكِ۔ اِيَّاكَ۔ تَبَّتْ يَدَا۔ اِذَا جَاءَ وغیرہ گو مصنفؒ کا کلام مطلق ہے اور بغیر کسی قید کے انہوں نے یہ فرمادیا ہے کہ الف کی تفخیم سے گریز کرو لیکن یہ حکم علی الاطلاق نہیں ہے بلکہ اسی صورت میں ہے جبکہ الف حروف مستفلہ مرققہ کے بعد ہو بعض متاخرین نے جو یہ کہا ہے کہ حروف مفخمہ کے بعد بھی الف مرقق ہوتا ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ مصنفؒ نے نشر میں لکھا ہے کہ الف بذاتہ خود نہ ترقیق کے ساتھ متصف ہے نہ تفخیم کے ساتھ۔ بلکہ اپنے ماقبل کے تابع ہو کر مفخم یا مرقق ہوتا ہے۔

اور بعض حضرات نے مصنفؒ کے قول وَحَاذِرَنْ تَفْخِيْمَ لَفْظِ الْاَلِفِ کو علی الاطلاق صحیح قرار دینے کے لئے یہ فرمایا ہے کہ اس سے مقصود اس تفخیم سے روکنا ہے جسے بعض عجمی ادا کرتے ہیں۔ یعنی تفخیم میں اس حد تک مبالغہ اور غلو کرتے ہیں کہ الف مثل واؤ کے بن جاتا ہے۔

﴿قولہ﴾ وَحَاذِرَنْ یہ باب مفاعلہ سے امر حاضر معروف با نون خفیفہ کا صیغہ واحد مذکر ہے اور بعض نسخوں میں وَحَاذِرًا ہے اس صورت میں یہاں فعل ناقص مقدر ہوگا اور تقدیر عبارت اس طرح ہوگی كُنْ حَاذِرًا تَفْخِيْمَ لَفْظِ الْاَلِفِ۔

(35) وَهَمْزَ اَلْحَمْدُ اَعُوْذُ اِهْدِنَا
اَللّٰهِ ثُمَّ لَامَ لِلّٰهِ لَنَا

﴿ت﴾ ’’اور اَلْحَمْدُ، اَعُوْذُ اور اِهْدِنَا اور لفظ اَللّٰه کے ہمزہ کو پھر لِلّٰهِ اور لَنَا کے لام کو باریک پڑھو۔‘‘

﴿تشریح﴾ شعر سابق میں جملہ حروف مستفلہ کو مرقق بتانے کے بعد اب بطور تخصیص بعد التعمیم چند حروف مستفلہ کی ترقیق کا خصوصی حکم دے رہے ہیں۔ اس شعر کے شروع میں جو لفظ هَمْزِ ہے

معطوف علیہ ہے اور مضاف ہے اپنے مابعد کی طرف اور مابعد کے کلمات کے درمیان سے حروف عطف محذوف ہیں اور معطوف باہم مل کر لفظ هَمْزِ کے مضاف الیہ ہیں اور ثُمَّ حرف عطف ہے اور اس کے بعد جو لفظ لام ہے وہ لفظ هَمْزِ پر معطوف ہے لفظ هَمْزِ اور اس کا معطوف منصوب بھی ہو سکتے ہیں اور مجرور بھی کیونکہ سیاق کلام کے اعتبار سے یا تو رَقِّقَنْ کا مفعول ہوں گے ای رَقِّقَنْ هَمْزَ اَلْحَمْدُ الخ اور یا لفظ اَلْاَلِفِ (المذکور فی البیت السابق) پر عطف ہوگا یعنی وَحَاذِرَنْ تَفْخِيْمَ لَفْظِ اِلَّا اَلِفِ وَهَمْزِ اَلْحَمْدُ الخ ہم نے ترجمہ شق اول کے اعراب کے مطابق کیا ہے۔ اگر شق ثانی کے مطابق ترجمہ کیا جائے تو یوں ہوگا کہ مذکورہ ہمزہ اور لام کی تفخیم سے پرہیز کرو اور مطلب و مآل دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے کیونکہ ترقیق کرنا تفخیم سے بچنے ہی سے ہوتا ہے۔

لفظ اَلْحَمْدُ کا ہمزہ گو وصلی ہے لیکن یہاں ضرورت شعری کی وجہ سے بالقطع پڑھا جائے گا اور بطور اعراب حکائی کے اَلْحَمْدُ کی دال کا ضمہ پڑھیں گے اَلْحَمْدُ۔ اَعُوْذُ۔ اِهْدِنَا۔ اَللّٰه ان کے درمیان سے ضرورت شعری کی وجہ سے حرف عطف یعنی واؤ حذف کر دیا گیا ہے اور شمار کرنے کے طریقہ پر بلا حرف عطف سب کو ذکر کر دیا ہے۔

ہمزہ حروف مستفلہ میں سے ہے اور ہر حال میں باریک پڑھا جاتا ہے بعض لوگ چونکہ اس کو پُر کرنے کے قریب کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ عین بن جاتا ہے اور اَعُوْذُ، اَعْهَدُ وغیرہ کو اس طرح ادا کرتے ہیں جیسے قے کر رہے ہوں۔ اس لئے مصنفؒ نے خصوصیت کے ساتھ ہمزہ کو باریک پڑھنے کی تاکید فرمائی ہے اور اس سلسلہ میں چار مثالیں دی ہیں ان مثالوں سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ ہمزہ اگر کسی حرف مفخم کے ساتھ آئے گا تب بھی باریک ہوگا۔ خواہ وہ حرف مرقق رخو ہو جیسے اِهْدِنَا۔ خواہ متوسط ہو جیسے اَلْحَمْدُ خواہ ہمزہ کا مجانس ہو (اس کی مثال بھی اِهْدِنَا ہے) خواہ اس کا مقارب ہو جیسے اَعُوْذُ۔ مصنفؒ نے نشر میں لکھا ہے کہ ہمزہ کا حرف ملاقی اگر اس کا مجانس یا مقارب ہو تو ہمزہ کو بسہولت ادا کرنے کا دھیان زیادہ ضروری ہو جاتا ہے اور اس کی ترقیق زیادہ موکدہ ہو جاتی ہے۔

اگر ہمزہ حروف شدیدہ سے متصل و ملاقی ہوگا تب بھی باریک پڑھا جائے گا جیسے اُقْتُلُوْا مگر مصنفؒ نے اس کی مثال نہیں دی، جن مواقع میں ترقیق میں کوتاہی کرنے کا اندیشہ تھا یا ان کے زمانے میں ترقیق کا دھیان نہ تھا ان ہی کو مثال میں پیش فرما دیا ہے۔

﴿قولہ﴾ ثُمَّ لَامَ لِلّٰهِ لَنَا۔ یعنی ہمزہ کی ترقیق کی تاکید کے بعد لام کی ترقیق کی تاکید جان لو۔ ثُمَّ یہاں محض ترتیب ذکری کے لئے ہے حفصؒ کی روایت میں لفظ اللّٰہ کے لام کے علاوہ ہر لام مرقق پڑھا جاتا ہے اور لفظ اللّٰہ کا لام اس وقت مفخم ہوتا ہے جب اس سے پہلے فتحہ یا ضمہ ہو۔ بعض قاری بہت سی جگہ (جہاں لام کی ترقیق ضروری ہوتی ہے) اس کو مفخم پڑھ دیتے ہیں۔ اس لئے مصنفؒ تاکید فرما رہے ہیں کہ لام مرقق کو دھیان سے مرقق ہی پڑھو اور چند مثالیں بھی دی ہیں جن میں دو مثالیں شعر ۳۵ کے آخر میں ہیں یعنی لِلّٰهِ اور لَنَا اور تین مثالیں شعر (۳۶) کے پہلے مصرع میں ہیں، لِلّٰهِ میں دونوں لام باریک ہیں کیونکہ لام اول اسم جلالہ یعنی لفظ اللّٰہ کا لام نہیں ہے اور لام ثانی (مشدد) گو اسم جلالہ کا ہے مگر اس سے قبل فتحہ یا ضمہ نہیں ہے اور لَنَا میں جو لام ہے اسم جلالہ کا لام نہیں ہے لہٰذا مفخم نہ ہوگا۔

(36) وَلْيَتَلَطَّفْ وَعَلَى اللّٰهِ وَلَا الضْ
وَالْمِيمَ مِنْ مَّخْمَصَةٍ وَّمِنْ مَّرَضْ

﴿ت﴾ "اور وَلْيَتَلَطَّفْ کے دونوں لام اور عَلَى اللّٰهِ کا پہلا لام اور وَلَا الضَّآلِّيْنَ کے دونوں لام اور مَخْمَصَةٍ کی ہر دو میم اور مَّرَضْ کی میم کو باریک پڑھو۔"

﴿تشریح﴾ ترکیب اس شعر کی بھی گزشتہ شعر کی طرح سے ہے یعنی سب معطوفات منصوب اور مجرور دونوں طرح ہوسکتے ہیں۔

ای رققن لام وَلْيَتَلَطَّفْ الخ او حَاذِرَنْ تَفْخِيمَ لَامَ وَلْيَتَلَطَّفْ وكذا قوله اَلْمِيمَ الخ مطلب یہ ہے کہ وَلْيَتَلَطَّفْ کے دونوں لاموں کو دھیان کے ساتھ باریک پڑھو اور خصوصاً اس کی لام ثانی کی ترقیق کا دھیان کرو ایسا نہ ہو کہ بے دھیانی میں طاء کے قریب ہونے کی وجہ سے مفخم ہو جائے طاء کو مستعلیہ ہونے کی وجہ سے مفخم اور لام کو مستفلہ ہونے کی وجہ سے مرقق پڑھو اسی طرح عَلَى اللّٰهِ کے پہلے لام کو جو حرف جر کا جزو ہے باریک پڑھو ایسا نہ ہو کہ اس کے بعد جو اسم جلالہ یعنی لفظ اَللّٰهِ کا لام مفخم ہے اس سے ملنے کی وجہ سے یہ بھی مفخم ہو جائے۔ نیز وَلَا الضَّآلِّيْنَ کے لام اولیٰ کو جو ضاد سے قبل ہے اور لام ثانیہ کو جو ضاد کے بعد ہے باریک پڑھو ایسا نہ ہو کہ ضاد کے پڑوس کی وجہ سے (جو مستعلیہ ہونے کے باعث مفخم ہے) دونوں لام بھی پُر ہو جائیں۔ خلاصہ یہ کہ لفظ جلالہ کے

لام کے علاوہ ہر لام کو باریک پڑھو خواہ وہ لام اپنے مثل (یعنی لام) سے متصل ہو جیسے لِلّٰہِ اور عَلَی اللّٰہِ (لِلّٰہِ اس لام مرقق کی مثال ہے جس کے بعد دوسرا لام مرقق ہے اور عَلَی اللّٰہِ اس لام مرقق کی مثال ہے جس کے بعد دوسرا لام مفخم ہے۔) خواہ اپنے مجانس سے متصل ہو جیسے لَنَا اور خواہ اس کے بعد کوئی حرف استعلاء کا ہو جیسے وَلْيَتَلَطَّفْ کا لام ثانی اور وَلَا الضَّآلِّيْنَ کا لام اول اور خواہ اس سے قبل حرف استعلاء ہو جیسے وَلَا الضَّآلِّيْنَ کا لام ثانی فافهم۔

﴿فائدہ﴾ مصنفؒ نے وزن شعر کی وجہ سے بجائے وَلَا الضَّآلِّيْنَ کے وَلَا الضّ فرمایا ہے اور اس کے جواز کے لئے ضرورت شعری کے علاوہ کوئی وجہ پیش نہیں کی جا سکتی ہے کیونکہ اس طرح کے کلمہ کو درمیان سے قطع کر دینا نہ وقف اختیاری میں درست ہے اور نہ وقف اختباری میں ایسا ہو سکتا ہے البتہ حالت اضطرار میں ایسا ہو سکتا ہے۔ قال القاری فلا يجوز مثل هذا الا فی حالة الا ضطرار' لا فی حالة الاختيار ولا فی حالة الاختبار لا قراء ة ولا كتابة۔

﴿قولہ﴾ وَالْمِيْمَ مِنْ مَّخْمَصَةٍ وَّمِنْ مَّرَضْ۔ یعنی چونکہ میم بھی حروف مستفلہ میں سے ہے اس لئے اس کو بھی ہر جگہ باریک پڑھو اور خصوصیت کے ساتھ اس کی ترقیق کا وہاں زیادہ خیال رکھو جہاں اس کے بعد کوئی حرف مفخم ہو جیسے مَخْمَصَةٌ کی پہلی میم جس کے بعد خاء ہے جو حروف مستعلیہ میں سے ہے اور اسی کلمہ کی دوسری میم جس کے بعد صاد ہے اور جیسے مَرَضْ کی میم کہ اسکے بعد راء ہے جو مفتوح ہونے کی وجہ سے پُر ہے ایسا نہ ہو کہ حرف مفخم کے پڑوس کی وجہ سے میم بھی مفخم ہو جائے۔

(37) وَبَآءَ بَرْقٍ بَاطِلٍ بِهِمْ بِذِیْ
وَاحْرِصْ عَلَى الشِّدَّةِ وَالْجَهْرِ الَّذِیْ

﴿ت﴾ ''اور بَرْقٌ' بَاطِلٌ' بِهِمْ اور بِذِیْ کی باء کو باریک پڑھو' اور اس شدت اور جہر کی ادائیگی میں حرص کرو جو''

(38) فِيْهَا وَفِی الْجِيْمِ كَحُبِّ الصَّبْرِ
رَبْوَةٍ اجْتُثَّتْ وَحَجِّ الْفَجْرِ

﴿ت﴾ ''باء اور جیم میں ہے جیسے حُبّ اور صَبْرِ اور رَبْوَةٍ اور اُجْتُثَّتْ اور حَجّ اور فَجْرِ۔''

﴿تشریح﴾ لفظ باء کے اعراب بھی گزشتہ شعروں کے معطوفات کی طرح نصب اور جر ہو سکتا ہے اور یہ بھی سابق پر عطف ہے۔ ای رَقِّقَنْ بَاءَ بَرْقٍ الخ اَوْ حَاذِرَنْ تَفْخِيمَ بَاءِ بَرْقٍ الخ شعر (۳۷) اور (۳۸) میں مصنفؒ نے دو باتیں بتائیں ہیں۔ اول یہ کہ بَرْقٌ اور بَاطِلٌ اور بِهِمْ اور بِذِی کی باء کو مرقق پڑھو۔

دوم یہ کہ باء اور جیم میں جو شدت ہے اس کی ادائیگی خوب اچھی طرح دھیان کے ساتھ کرو بلکہ اس صفت کی ادائیگی کے حریص بن جاؤ۔ بَرْقٌ کی باء کو دھیان کے ساتھ مرقق پڑھنے کی تاکید اس لئے فرمائی کہ باء کے بعد راء حرف مفخم ہے اور اس کے بعد قاف ہے جو مستعلیہ ہونے کی وجہ سے مستحق تفخیم ہے اور خیال کر کے ادائیگی نہ کی گئی تو ان دونوں حرفوں کے پڑوس میں ہونے کی وجہ سے باء میں تفخیم آ جائے گی اور بَاطِلٌ کی باء کی ترقیق کی تاکید اس لئے فرمائی کہ اس کے بعد طاء آ رہی ہے جو کہ مستعلیہ ہونے کی وجہ سے مفخم ہے اگر دھیان سے ادائیگی نہ کی تو عجب نہیں کہ باء میں بھی تفخیم ادا ہو جائے حالانکہ وہ حروف مستفلہ میں سے ہونے کی وجہ سے مرقق ہے اور گو باء اور طاء کے بیچ میں الف فاصل موجود ہے لیکن چونکہ مدہ ہے اس لئے قوی فاصل نہیں ہے لہٰذا نہ ہونے کے برابر ہے۔ قال فی النشر فان حال بينهما الف كان التحفظ بترقيقه ابلغ نحو بَاطِلٌ و بَالِغٌ و بَاغٍ وَالْاَسْبَاطِ فكيف اذا وليها حرفان مفخمان نحو اَلْبَرْقِ وَالْبَقَرَةِ۔

پھر بِهِمْ کی باء کی ترقیق کا دھیان رکھنے کی تاکید فرمائی ہے کیونکہ حرف خفی یعنی ھاء۔ کے پڑوس میں واقع ہے اور مصنفؒ نے بِذِی میں بھی باء کی ترقیق کی تاکید فرمائی ہے کیونکہ حرف ضعیف یعنی ذال معجمہ کے پڑوس میں ہے۔ ومثلهُ بثلثةِ و بساحتهم فاحفظ۔

اس کے بعد مصنفؒ نے یہ فرمایا ہے کہ باء اور جیم میں جو صفت شدت ہے اس کو خوب خیال سے ادا کرو اور ایسا دھیان رکھو جیسے تمہیں شدت ادا کرنے کی حرص ہے۔ اور اس کی تاکید کی ضرورت اس لئے ہے کہ جہر اور شدت کا خیال نہ رکھنے سے باء۔ فاء کے مشابہ اور جیم شین کے مشابہ ہو جاتا ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ حروف شدیدہ اور مجہورہ میں سے خصوصیت کے ساتھ جیم کو تمثیل کے

لئے اس واسطے منتخب کیا ہے کہ اہل مصر و شام اس کو مخرج صحیح سے ادا نہیں کرتے ہیں جس کی وجہ سے اس کی ادائیگی میں شین کی آمیزش ہو جاتی ہے اور بعض اہل یمن جیم میں کاف کی آمیزش کر دیتے ہیں۔ لہٰذا جملہ حروف شدیدہ اور مجہورہ کی صفت شدت اور جہر کو عموماً اور باء اور جیم کی شدت اور جہر کو خصوصاً خیال کر کے ادا کرنا چاہیے۔ اور جیم کے بعد حروف مہموسہ میں سے کوئی حرف ہو تو اور زیادہ شدت و جہر کا خیال کرنا چاہیے۔

باء اور جیم کی جہر و شدت ادا کرنے کی تاکید فرماتے ہوئے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے چھ مثالیں پیش فرمائی ہیں جن میں سے اول کی تین مثالیں یعنی حُبٌّ اور صَبْرٌ اور رَبْوَةٍ باء کی مثالیں ہیں اور اُجْتُثَّتْ اور حَجٌّ اور فَجْرٌ جیم کی مثالیں ہیں۔ مصنفؒ چونکہ اشاروں سے کام چلاتے ہیں اور وزن شعر کی رعایت بھی ضروری ہوتی ہے اس لئے کسی مثال کو معرف باللام اور کسی کو غیر معرف باللام لاتے ہیں اور ایک مثال کو دوسری کی طرف مضاف بھی کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ حُبِّ الصَّبْرِ اور حَجِّ الْفَجْرِ میں کیا ہے اور حروف عاطفہ بھی درمیان سے حذف کر دیتے ہیں۔

﴿فائدہ﴾ مصنفؒ نے وَاحْرِصْ عَلَى الشِّدَّةِ وَالْجَهْرِ الَّذِيْ فرمایا ہے حالانکہ ان کو اَلَّذَيْنِ (تثنیہ) فرمانا چاہیے تھا۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔ اظہر یہ ہے کہ تقدیر عبارت کی اس طرح ہو وَاحْرِصْ عَلٰى كُلِّ وَاحِدٍ مِّنَ الشِّدَّةِ وَالْجَهْرِ الَّذِيْ الخ اس تقدیر پر کوئی اشکال نہ رہے گا۔

(39) وَبَيِّنَنْ مُّقَلْقَلًا اِنْ سَكَنَا
وَاِنْ يَّكُنْ فِي الْوَقْفِ كَانَ اَبْيَنَا

﴿ت﴾ "اور حرف مقلقل کو خوب ظاہر کرو اگر ساکن ہو اور اگر حرف مقلقل وقف میں ہو تو قلقلہ اور زیادہ ظاہر ہوگا۔"

﴿تشریح﴾ بَيِّنَنْ صیغہ امر حاضر معروف با نون ثقیلہ ہے جس کا مصدر تبیین اور بیان ہے مُقَلْقَلًا قَلْقَلَةٌ سے صیغہ اسم مفعول ہے جو محذوف کی صفت ہے یعنی حَرْفًا مُّقَلْقَلًا اور اِنْ

سَــكَـنَـا ضرورت شعری کی وجہ سے الف اطلاق کے ساتھ (یعنی بقدر ایک الف کے نون کا فتحہ دراز کر کے پڑھا جائے گا اس میں ھُوَ مستتر ہے جو مُقَلْقَلاً کی طرف راجع ہے اور وَاِنْ يَكُنْ میں بھی ضمیر مستتر ہے جو مُقَلْقَلاً کی طرف راجع ہے اور وہ فعل ناقص کا اسم ہے اور فِي الْوَقْفِ متعلق محذوف کے ہو کر اس کی خبر ہے اور كان اَبْيَنَا جملہ ہو کر اِنْ شرطیہ کی جزاء ہے اور اَبْيَنَا صیغہ اسم تفضیل ہے جس کے آخر میں الف اطلاق کا ہے ای اِنْ يَّكُنْ اَلْقَلْقَلَةِ ثَابِتَةٌ فِي الْوَقْفِ كَانَ اَلْقَلْقَلَةِ اَبْيَنَ وَاَظْهَرْ۔ مطلب یہ ہے کہ حروف قلقلہ جو قُطْبُ جَدٍّ کے مجموعہ میں جمع ہیں ان میں قلقلہ کے ادا کرنے کا خاص دھیان رکھنا چاہیے اور جب قلقلہ والا حرف ساکن ہو تو قلقلہ کی ادائیگی خوب اچھی طرح ظاہر کر کے ہونی ضروری ہے اور خصوصاً قاف میں قلقلہ کا دھیان زیادہ کرنا چاہیے کیونکہ اہل ادا کے نزدیک اصل حرف قلقلہ قاف ہی ہے اور اس کے مقلقل ہونے پر سب کو اتفاق ہے۔ پھر سکون کی دو قسم ہیں (۱) سکون غیر وقفی اور (۲) سکون وقفی۔ سکون غیر وقفی وصل میں ہوتا ہے اس کے اظہار کی ضرورت اس لئے ہوتی ہے کہ اگر قلقلہ اچھی طرح ادا نہ کیا گیا تو مکمل ادائیگی میں کمی رہ جائے گی اور حرف مقلقل غیر مقلقل کے مشابہ ہو جائے گا جیسے بہت سے لوگ سورۂ اخلاص میں لَمْ يَلِدْ کی دال کی جگہ تاء یا دال اور تاء کے درمیان کچھ پڑھ دیتے ہیں۔ سکون غیر وقفی کی بعض مثالیں یہ ہیں وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ، اِنْ يَّسْرِقْ، اَبْشِرُوْا، اُقْتُلُوا، اِطْرَحُوْا، لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ۔ اس میں قَدْ کی دال پر قلقلہ کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے بہت سے لوگ صاد میں دال کا ادغام کر دیتے ہیں جو حفصؒ کی قرآءت میں نہیں ہے۔

اور اگر سکون وقفی ہو تو اس میں قلقلہ سکون غیر وقفی سے زیادہ ہوگا جیسے بَــرْقٌ، مُـحِيْـطٌ، اَلْحَمِيْدُ، مَا كَسَبَ، مِنْ حَرَجٍ، بِئْسَ الْمِهَادُ وغیرہ۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ سکون غیر وقفی کے بعد فوراً دوسرے حرف کا تلفظ کرنا لازم ہوتا ہے (اگر ایسا نہ کیا جائے تو سکتہ لازم آئے گا) اس لئے اس میں قلقلہ کا اظہار خوب زیادہ نہیں ہوتا اور سکون وقفی میں چونکہ ٹھہرنے کا موقعہ ملتا ہے۔ اس لئے اس میں قلقلہ کے اظہار کی خوب گنجائش نکل آتی ہے جس کی وجہ سے مصنفؒ وَاِنْ يَــكُــنْ فِــي الْـوَقْفِ كَـانَ اَبْيَـا فرما رہے ہیں اور اگر حرف مشدد پر وقف ہو تو وہاں سکون وقفی سے بھی زیادہ

قلقلہ ادا کرنا چاہیے تاکہ حرف مشدد، مشدد ہی رہے اور ساکن محض نہ ہو جائے جیسے اَلْحَقُّ، اَلْحَجّ، وَتَبَّ وغیرہ۔ بہت سے لوگ وَتَبَّ پر جب وقف کرتے ہیں تو خوب زیادہ قلقلہ کا اہتمام نہ کرنے کے باعث وَتَبْ (بسکون الباء) پڑھ دیتے ہیں جس سے لفظ اور معنی دونوں بگڑ جاتے ہیں۔

﴿فائدہ اولیٰ﴾ بعض شراح نے سکون وقفی کی مثال میں فَارْغَبْ کو پیش کیا ہے گو فَارْغَبْ میں صیغہ امر حاضر ہونے کے باعث سکون پہلے سے ہے۔ لیکن چونکہ اس پر وقف بھی ہے اور اس کے بعد کسی کلمہ کے پڑھنے کا فوری کوئی تقاضا نہیں ہے اس لئے اس میں بھی سکون وقفی مان کر خوب اچھی طرح قلقلہ کریں گے اور اسی اعتبار سے اس کو مثال میں پیش کرنا صحیح ہے۔

﴿فائدہ ثانیہ﴾ یہ توضیح ہے کہ حرف مقلقل ساکن میں قلقلہ ظاہر کرنا چاہیے لیکن اس کا بھی دھیان رکھنا لازم ہے کہ حرف ساکن کے ادا کرتے وقت قلقلہ میں ایسا مبالغہ نہ کرے کہ وہ حرف متحرک یا مشدد بن جائے۔

﴿فائدہ ثالثہ﴾ بعض شراح نے شعر (۳۹) میں لفظ مُقَلْقَلاً کو دوسرے قاف کے زیر کے ساتھ بتایا ہے اور اس کو بَيِّنَنْ کی ضمیر فاعل سے حال بنایا ہے۔ لیکن اول تو یہ خلاف متبادر ہے۔ دوسرے مُقَلْقَلاً کو حال بنانے کے بعد بَيِّنَنْ کا مفعول محذوف ماننے کی ضرورت پڑتی ہے (لان التقدير حينئذ يكون هكذا او بين الحرف حال كونك مقلقلا الخ) اس لئے یہ خلاف اولیٰ ہے۔

(40) وَحَآءَ حَصْحَصَ اَحَطْتُّ الْحَقُّ
وَسِيْنَ مُسْتَقِيْمَ يَسْطُوْا يَسْقُوْا

﴿ت﴾ "اور حَصْحَصَ اور اَحَطْتُّ اور اَلْحَقُّ کی حاء کو اور مُسْتَقِيْمَ اور يَسْطُوْنَ اورر يَسْقُوْنَ کے سین کو خوب ظاہر کر کے پڑھو۔"

﴿تشریح﴾ مطلب یہ ہے کہ حَصْحَصَ، اَحَطْتُّ، اَلْحَقُّ میں حاء کو خوب ظاہر کر کے پڑھو اور اس کی ترقیق کا خاص خیال رکھو ایسا نہ ہو کہ حروف مستعلیہ (صاد۔ طاء۔ قاف) کے پڑوس میں

آ جانے کی وجہ سے حاء کو بھی مفخم پڑھ جاؤ۔ حَصْحَصَ کے دونوں حاء صاد کے پڑوس میں واقع ہیں، دونوں کی ترقیق کا خیال ضروری ہے یہ کلمات بطور مثال پیش فرمائے ہیں ان کے علاوہ بھی جہاں حاء یا اور کوئی حرف مستفل کسی حرف مستعلی کے ساتھ ملا ہوا آ جائے تو اس مستفل کی ترقیق کا خیال لازم ہے۔

حاء کی تین مثالوں کے بعد مصنفؒ نے تین مثالیں سین کی پیش فرمائی ہیں اور یہ تاکید فرمائی ہے کہ مُسْتَقِيمَ، يَسْطُوْنَ، يَسْقُوْنَ کے سین کی صفت انفتاح اور استفال کا خاص خیال رکھوا یسا نہ ہو کہ قاف اور طاء کے پڑوس کی وجہ سے سین کی ادائیگی میں زبان اوپر کو اٹھ جائے اور سین پُر ہو کر خالص صاد یا ناقص صاد بن جائے مثال اول میں گو سین کے بعد قاف بالکل متصل نہیں ہے بلکہ سین اور قاف کے درمیان تاء ہے لیکن چونکہ سکون کی وجہ سے سین میں ایک طرح کا ضعف آ گیا ہے اس لئے باوجودیکہ درمیان میں دوسرا حرف ہے پھر بھی سین کی تفخیم کا ڈر ہے لہٰذا تنبیہ کرنا ضروری ہوا۔

﴿قولہ﴾ حَاءَ حَصْحَصَ الخ حاء مُقَلْقَلًا پر معطوف ہے مضاف اور اس کے بعد تینوں کلمے آپس میں معطوف علیہ ہو کر اس کا مضاف الیہ ہیں اور ضرورت شعری کی وجہ سے ان کے درمیان سے حروف عاطفہ حذف کر دیئے گئے ہیں اور مصرع ثانی کے تینوں کلمات میں بھی یہی بات ہے کہ ان کے درمیان سے حرف عاطفہ محذوف ہیں اور اَلْحَقُّ کے قاف کے ضمہ کو اشباع کے ساتھ پڑھو اشباع کرنے سے وزن شعر بھی پورا ہو جائے گا اور قافیہ کی رعایت بھی ہو جائے گی اور قاف کا یہ ضمہ بطور اعراب حکائی کے ہے کیونکہ قرآن شریف میں اَلْحَقُّ بھی وارد ہوا ہے اور رعایت قافیہ کی وجہ سے یہاں قاف کا ضمہ ہی متعین ہے ورنہ اعراب کے اعتبار سے قاف کا کسرہ ہونا چاہیے کیونکہ مضاف الیہ پر معطوف ہے اور مُسْتَقِيمَ بلاتنوین ہے جو لفظ سین کا مضاف الیہ ہونے یا بطور اعراب حکائی کے مجرور ہے اور ضرورت شعری کی وجہ سے تنوین نہ پڑھی جائے گی۔ اور يَسْطُوا اور يَسْقُوْ قرآن شریف میں نہیں آئے ہیں بلکہ سورۃ حج میں يَسْطُوْنَ اور سورۃ قصص میں يَسْقُوْنَ آیا ہے۔ مصنفؒ ان ہی دونوں کلمات کو مثال میں پیش فرما رہے ہیں۔ مگر ضرورت شعری کی وجہ سے نون حذف کر دیا ہے ورنہ قراء کے نزدیک اس طرح کلمہ کو مقطوع کر دینا درست نہیں ہے۔

بَابُ الرَّآءَ اتِ

راءات کی تفخیم وترقیق کا بیان

حروف مستقلہ کی ترقیق کی عمومی تاکید کے بعد اب مصنفؒ راء کی تفخیم وترقیق بیان کرتے ہیں کیونکہ راء حرف مستقل ہونے کے باوجود بعض حالات میں مفخم بھی ہوتی ہے۔

(41) وَرَقِّقِ الرَّآءَ إِذَا مَا كُسِرَتْ
كَذَاكَ بَعْدَ الْكَسْرِ حَيْثُ سَكَنَتْ

﴿ت﴾ ''اور تو راء کو باریک پڑھ جب کہ اس کو زیر دیا جائے۔ اسی طرح (راء کو باریک پڑھ) جب کہ وہ کسرہ کے بعد ساکن ہو۔''

(42) إِنْ لَّمْ تَكُنْ مِّنْ قَبْلِ حَرْفِ اسْتِعْلَا
أَوْ كَانَتِ الْكَسْرَةُ لَيْسَتْ أَصْلَا

﴿ت﴾ ''بشرطیکہ وہ راء ساکنہ (جس سے قبل کسرہ ہے) کسی حرف استعلاء سے قبل نہ واقع ہو رہی ہو۔ یا ایسا نہ ہو کہ (وہ) کسرہ اصلی نہ ہو (جو اس سے پہلے ہے)''۔

﴿تشریح﴾ مصنفؒ نے ان دونوں شعروں میں راء کی تفخیم اور ترقیق کے قواعد بتائے ہیں' جمہور کی رائے کے مطابق راء میں اصل تفخیم ہے۔ اور ایک جماعت کا قول ہے کہ راء میں نہ تفخیم اصل ہے نہ ترقیق بلکہ اس کی ترقیق وتفخیم اس کی حرکت کے تابع ہے اور جب ساکن ہوتی ہے تو جو حرف اس سے متصل ہوتا ہے اس کی حرکت کے تابع ہو کر مفخم یا مرقق ہو جاتی ہے لیکن رائے اول ہی معتمد ہے جسے علامہ شاطبیؒ نے بھی اختیار کیا ہے فقال ؎

وَفِيمَا عَدَا هٰذَا الَّذِي قَدْ وَصَفْتُهُ
عَلَى الْأَصْلِ بِالتَّفْخِيمِ كُنْ مُتَعَمِّلَا

اس شعر کے مصرع ثانی میں تصریح ہے کہ راء میں اصل تفخیم ہے **(من شرح علی القاری)**

مصنفؒ کی رائے بھی یہی معلوم ہوتی ہے کہ راء میں اصل تفخیم ہے کیونکہ انہوں نے صرف ترقیق کے قواعد بتائے ہیں اور تفخیم چونکہ اصل ہے اس لئے اس کو اپنے حال پر چھوڑا اور گویا یہ بتا دیا کہ ان مواقع کے علاوہ باقی سب جگہ تفخیم کرو **لانہ ھو الاصل**

مصنفؒ نے شعر (۴۱) کے مصرع اول میں یہ قاعدہ بتایا ہے کہ راء پر جب کسرہ ہو تو باریک پڑھی جائے گی خواہ فعل میں ہو جیسے فَرِحَ اور خواہ اسم میں ہو جیسے وَالْقَمَرِ اور خواہ اس کے ماقبل یا مابعد فتحہ ہو یا ضمہ ہو یا کسرہ علی الاطلاق راء مکسورہ مرقق ہوگی۔

اس تعمیم میں مندرجہ ذیل شقوق سب آ گئیں۔

(۱) کسرہ لازمی ہو جیسے رِسٰلٰتِ۔

(۲) کسرہ عارضی ہو جیسے بَشِّرِ الَّذِیْنَ اورر وَاذْكُرِ اسْمَ۔

(۳) کسرہ ابتداء کلمہ میں ہو جیسے رِضْوَانًا۔

(۴) کسرہ درمیان میں ہو جیسے اَلْغٰرِمِیْنَ اور یُرِیْدُ۔

(۵) کسرہ آخر کلمہ میں ہو جیسے فِی الْغَارِ۔

(۶) کسرہ با تنوین ہو جیسے بِشَرٍ۔

(۷) کسرہ بلا تنوین ہو جیسے وَالنَّهَارِ اور وَالْفَجْرِ وغیرہ حتیٰ کہ اگر کسرہ ناقصہ ہو تب بھی راء مرقق ہوگی جیسا کہ وقف بالروم میں ہوتا ہے مثلاً اگر وَالْفَجْرِ پر وقف بالروم کریں تو راء باریک ہی پڑھی جائے گی۔ (وقف بالروم کا بیان ختم کتاب کے قریب آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ)

﴿فائدہ﴾ رائے ممالہ میں چونکہ فتحہ کسرہ کی طرف مائل ہوتا ہے اس لئے اس راء کو بھی کسرہ کی وجہ سے باریک پڑھیں گے۔ جیسے سورۂ ہود میں بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا ہے اور حفصؒ کی روایت کے مطابق اس میں امالہ ہے لہٰذا یہ راء مرقق ہوگی۔ گو اصل حرکت (یعنی فتحہ) کا تقاضا یہ تھا کہ مفخم ہوتی۔ حفصؒ کی روایت میں قرآن شریف میں صرف اسی ایک جگہ امالہ ہے۔

﴿قولہ﴾ كَذَاكَ بَعْدَ الْكَسْرِ حَيْثُ سَكَنَتْ الخ۔ اس مصرع میں مصنفؒ نے راء

کی ترقیق کا ایک دوسرا قاعدہ کلیہ بتایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب راء ساکن ہو اور اس سے پہلے کسرہ ہو تو وہ راء باریک پڑھی جائے گی جیسے مِرْفَقًا اور فِرْعَوْنَ اور وَاسْتَغْفِرْهُ لیکن یہ قاعدہ مشروط ہے تین شرطوں کے ساتھ۔

اول: یہ کہ راء ساکنہ سے قبل جو کسرہ ہے وہ اصلی ہو۔

دوم: یہ کہ وہ کسرہ اسی کلمہ میں ہو جس میں راء ساکنہ ہے۔

سوم: راء ساکنہ کے بعد اسی کلمہ میں (جس میں راء ہے) حروف مستعلیہ میں سے کوئی حرف نہ ہو۔

مندرجہ بالا تینوں مثالوں میں راء باریک ہے کیونکہ جملہ شرطیں پائی جا رہی ہیں۔ شعر (۴۶) کے دونوں مصرعوں میں مذکورہ شرطیں بیان کی گئی ہیں۔ پس اگر راء ساکنہ سے پہلے کسرہ ہو لیکن اصلی نہ ہو بلکہ عارضی ہو تو راء پر ہوگی (بحکم شرط اول) جیسے اِرْجِعُوْا (یہ کسرہ عارضی متصل کی مثال ہیں) اور اِنِ ارْتَبْتُمْ۔ اَمِ ارْتَابُوْا (یہ کسرہ عارضی منفصل کی مثالیں ہیں) اور اگر راء ساکن سے قبل کسرہ اصلی ہو مگر اسی کلمہ میں نہ ہو تب بھی پُر ہوگی۔ (بحکم شرط دوم) جیسے الَّذِی ارْتَضٰی اور اگر راء ساکن سے قبل کسرہ اصلی ہو اور اسی کلمہ میں راء کے بعد حروف مستعلیہ میں سے کوئی حرف ہو جس میں راء ہے تو وہ راء بھی پُر ہوگی (بحکم شرط سوم) جیسے اِرْصَادًا (سورۃ توبہ) مِرْصَادًا (سورۃ نباء) لَبِالْمِرْصَادِ (سورۃ فجر) قِرْطَاسٍ (سورۃ انعام) فِرْقَةٍ (سورۃ توبہ) یہی پانچ لفظ اس قاعدہ کے مطابق قرآن مجید میں پائے جاتے ہیں۔

حروف مستعلیہ میں چونکہ قوت اور زور ہے اس لئے راء ساکن ماقبل مکسور کو اپنے تابع بنا کر مفخم کر لیتے ہیں مگر یہ قوت اسی وقت موثر ہوگی جب راء ساکن کے بعد اسی کلمہ میں استعلاء کا کوئی حرف ہو اور اگر راء ایک کلمہ کے ختم پر ہے اور حرف مستعلی اس کے بعد دوسرے کلمہ کے اول میں ہو۔ تو راء باریک پڑھی جائے گی جیسے فَاصْبِرْ صَبْرًا، اَنْذِرْ قَوْمَكَ، وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ وغیرہ۔ نیز حروف مستعلیہ کی یہ تاثیر اسی صورت میں ہے جب کہ راء ساکن کے بعد ہوں اگر راء مکسور کے بعد کوئی حرف مستعلی ہو گا خواہ ایک ہی کلمہ میں ہو تو راء اپنے کسرہ کی وجہ سے باریک ہوگی۔ جیسے فِی الرِّقَابِ اگر راء وقف کی وجہ سے ساکن پڑھی جا رہی ہو اور اس سے قبل حروف مستعلیہ میں سے کوئی حرف مکسور ہو گا تو کسرہ ہی کا اعتبار ہوگا یعنی وہ راء باریک پڑھی جائے گی ایسا نہ کریں گے کہ حرف مستعلی کی وجہ سے ر

پڑھ دیں جیسے وَلَا نَاصِرٍ اور اَلْمُحْتَظِرْ۔

﴿فائدہ﴾ مصنفؒ نے بہت ہی اختصار سے کام لیا ہے۔ بعض ضروری قیود تک رہ گئی ہیں۔ مثلاً راء کی ترقیق کا قاعدہ نمبر (۲) بتاتے ہوئے صرف اسی قدر عبارت سے کام چلالیا ہے کہ كَذَاكَ بَعْدَ الْكَسْرِ حَيْثُ سَكَنَتْ۔ حالانکہ راء ساکنہ ماقبل مکسور کی ترقیق اس صورت میں ہوگی جب کہ کسرہ اصلی اسی کلمہ میں ہو جس میں راء ہے۔ اسی طرح راء ساکنہ کے بعد حرف استعلاء ہونے کی صورت میں راء کی تفخیم اس وقت ہوگی جب کہ حرف استعلاء اور راء ایک ہی کلمہ میں ہوں جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا۔ یہ قید بھی مصنفؒ کے کلام میں مذکور نہیں ہے اگر بَعْدَ الْكَسْرِ سے بعدیت حقیقیہ اور مِنْ قَبْلِ حَرْفِ اسْتِعْلَاءٍ سے قبلیت حقیقیہ اس مفہوم کے ساتھ مراد لی جائے کہ دونوں ایک کلمہ میں ہوں تو قیود کی طرف بھی اشارہ نکل سکتا ہے۔

﴿فائدہ ثانیہ﴾ جس راء پر وقف بالسکون ہو وہ راء بھی راء ساکنہ کے حکم میں ہے اگر اس سے پہلے کسرہ ہوگا تو مرقق ہوگی جیسے مُدَّكِرْ، كُفِرَ، وَازْدُجِرَ وغیرہ اور اگر ایسی راء سے پہلا حرف بھی ساکن ہو (بشرطیکہ یاء نہ ہو) تو اس ساکن سے پہلے جو حرف ہے اس کو دیکھا جائے گا اگر وہ مکسور ہے تب بھی راء مرقق ہوگی جیسے اَلسِّحْرَ، اَلشِّعْرَ، ذِی الذِّكْرِ، اَصْحٰبُ الْحِجْرِ وغیرہ لیکن مِصْرَ اور اَلْقِطْرِ کی راء میں اختلاف ہے اور وجہ اختلاف یہ ہے کہ ان میں راء سے پہلے حرف مستعلی موجود ہے اس لئے اس کی رعایت کرتے ہوئے بعض قراء دونوں میں تفخیم کے قائل ہیں۔ ابوعبیداللہ بن شریح اور ان کے متبعین کا یہی مذہب ہے اور دیگر حضرات اصل قاعدہ (یعنی راء ساکنہ ماقبل مکسور) کا لحاظ کرتے ہوئے دونوں کلموں میں ترقیق کے قائل ہیں۔ قال القاری وهو الاشبه بمذهب الجماعة ويدل عليه اطلاق الشاطبي وعدم التفاته الى الخلاف۔ صاحب ہدیۃ الوحید دونوں کلموں میں اختلاف نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ عملا للاصل والوصل مِصْرَ میں تفخیم اور اَلْقِطْرِ میں ترقیق اولیٰ ہے۔ (اصل کا مطلب یہ ہے کہ مِصْرَ میں راء مفتوحہ ہے اور اَلْقِطْرِ میں مکسورہ ہے لہٰذا اس کی ذاتی حرکت کا اعتبار ہوگا اور وصل کا مطلب یہ ہے کہ اگر وقف نہ کرتے تو جو عمل اس وقت ہوتا وہی عمل وقف کی صورت میں اختیار کر لینا چاہیے۔ فافہم) ملا علی قاریؒ کی شرح سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فیصلہ حضرت امام جزریؒ کا ہے۔

﴿فائدہ ثالثہ﴾ جوراء وقف کی وجہ سے ساکن ہو اگر اس سے قبل یاء ساکنہ ہو تو وہ راء مرقق ہوگی خواہ یاء سے قبل کوئی بھی حرکت ہو جیسے خَیْرٌ، غَیْرٌ، ضَیْرٌ خَبِیْرٌ، بَصِیْرٌ وغیرہ۔ مصنفؒ کے قول بَعْدَ الْکَسْرِ حَیْثُ سَکَنَتْ کے مفہوم عام میں مُذَّکِرُ اور کُفِرُ وغیرہ جیسی مثالیں داخل ہو سکتی ہیں اور حِجْرُ، ذِکْرُ وغیرہ بھی مندرج ہو سکتی ہیں گویا کہ اس راء کے یہ دونوں قاعدے بھی کتاب میں مذکور ہیں جس پر وقف کی وجہ سے سکون آیا ہو۔

اور بعض شراح نے یہ فرمایا کہ چونکہ یاء دو کسروں سے بنتی ہے اس لئے خَیْرُ اور خَبِیْرُ کی راء کی ترقیق بھی بَعْدَ الْکَسْرِ حَیْثُ سَکَنَتْ کے عموم سے مفہوم ہو رہی ہے۔ لیکن ملا علی قاری کا ارشاد ہے کہ مقدمہ جزریہ سے اس راء کے احکام مستفاد نہیں ہوتے جس پر وقف ہو حیث قال واما وقفًا فلا یستفاد (حکم الراء) من الجزریۃ۔ اس کے بعد ملا علی قاریؒ نے مذکورہ احکام خود بیان فرمائے ہیں اور آخر میں دو شعر اپنی طرف سے لکھے ہیں جو راء موقوف علیہا کے احکام تفخیم و ترقیق پر مشتمل ہیں۔ وھما ھذان ؎

وَ فَخِّمِ الرَّآءَ زَمَانِ الْوَقْفِ اِنْ لَّمْ تَکُنْ بَعْدَ مُمَالِ الْحَرْفِ
اَوْ بَعْدَ کَسْرٍ اَوْ سُکُوْنِ الْیَآءِ رَقِّقْهَا عِنْدَ سَآئِرِ الْبَنَآءِ

قال القاری ان قولی بعد الکسر باطلاقه یعم ما یکون بفصل او بدونه فیشمل نحو الشعر والذکر۔

﴿فائدہ رابعہ﴾ جس راء پر وقف بالاشمام ہو وہ بھی راء ساکن کے حکم میں ہے اشمام صرف پیش والے حرف پر وقف کرتے وقت ہوتا ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ حرف کو بالکل ساکن کر کے ہونٹوں کی گول چونچ سی بنا کر پیش کی طرف اشارہ کر دیا جائے اس میں حرکت کی آواز بالکل نہیں ہوتی صرف دیکھنے والا محسوس کر سکتا ہے۔ پس اگر جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ پر یا قَدِیْرٌ پر یا سِحْرٌ پر وقف بالاشمام کیا جائے تو راء باریک پڑھی جائے گی جیسا کہ ان مواقع میں وقف بالاسکان کریں تو باریک پڑھیں گے۔

﴿ایک ضروری تنبیہ﴾ شعر (۴۲) کا مصرعہ دوم اَوْ کَانَتِ الْکَسْرَۃُ لَیْسَتْ اَصْلًا۔ گو بظاہر جملہ مثبتہ ہے لیکن حقیقت میں جملہ منفیہ ہے اور مصرع اول میں جو لَمْ تَکُنْ ہے

ں پر عطف نہیں بلکہ مدخول لَمْ یعنی تَکُنْ پر عطف ہے۔اسی لئے شیخ زکریاؒ نے کَانَتْ سے پہلے
مَا نافیہ مقدر بتایا ہے لہٰذا تقدیر عبارت اس طرح ہے اَوْ مَا کَانَتِ الْکَسْرَۃِ لَیْسَتْ اَصْلاً۔
اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ "یا ایسا نہ ہو کہ وہ کسرہ اصلی نہ ہو۔" نفی کی نفی اثبات ہوتی ہے مطلب یہ
ہوگا کہ راء ساکنہ سے قبل اگر کسرہ اصلی ہوگا (بشرطیکہ اسی کلمہ میں ہو) تو وہ راء باریک پڑھی جائے گی
کیونکہ کسرہ اصلی نہ ہونے کی نفی کا حاصل یہ ہے کہ کسرہ اصلی ہو۔ **فافهم**

اگر کَانَتْ سے پہلے حرف نفی مقدر نہ مانیں تو مطلب غلط ہو جائے گا جس کا خلاصہ یہ ہوگا کہ راء
ساکنہ سے قبل اگر کسرہ اصلی نہ ہو تو راء باریک ہوگی۔حالانکہ یہ غلط ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ کسرہ اصلی نہ
ہونا تفخیم کا سبب ہے۔نہ کہ ترقیق کا۔**فاحفظ ولا تغفل**

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اگر مصنف مصرع مذکور کو ان الفاظ میں ادا کرتے اَوْ کَانَتِ
الْکَسْرَۃُ اَصْلاً وَ وَصْلاً تو بہت ٹھیک ہوتا۔

(43) وَالْخُلْفُ فِیْ فِرْقٍ لِّکَسْرٍ یُّوْجَدُ
وَاَخْفِ تَکْرِیْرًا اِذَا تُشَدَّدُ

﴿ت﴾ "اور فِرْقٍ (کی راء کی تفخیم) میں اختلاف ہے بوجہ کسرہ کے جو (قاف پر) پایا
جاتا ہے اور تو راء کی (صفت) تکریر کو (خاص طور سے) پوشیدہ کر جب کہ اس پر تشدید ہو۔"

﴿تشریح﴾ جس راء ساکنہ سے پہلے کسرہ ہو اگر اسی کلمہ میں اس راء کے بعد کوئی حرف حروف
مستعلیہ میں سے ہو تو وہ راء حرف استعلاء کی وجہ سے پُر پڑھی جاتی ہے جس کی مثالیں گزر چکی ہیں۔اس
قاعدہ کا تقاضا ہے کہ لفظ فِرْقٍ کی راء بھی پُر پڑھی جائے لیکن اس پر سب کا اتفاق نہیں ہے کیونکہ بعض
قراء اس راء کو باریک پڑھنے کے حق میں بھی ہیں۔ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ راء ساکنہ کے بعد گو
حرف استعلاء ہے لیکن چونکہ وہ مکسور ہے اس لئے کسرہ کی وجہ سے اس کی قوت گھٹ گئی ہے پس راء
ساکنہ سے پہلے کسرہ ہونے کی وجہ سے حسب قاعدہ مرقق ہوگی۔مکیؒ اور صقلیؒ اور ابن شریحؒ نے ترقیق
سے پڑھنا اختیار کیا ہے بلکہ اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔اور علامہ دانیؒ نے فرمایا کہ الوجهان
جیدان یعنی ترقیق و تفخیم دونوں وجوہ عمدہ ہیں اور تیسیر میں انہوں نے قطعی طور پر تفخیم اختیار کی ہے اور

غیر تیسیر میں فرمایا ہے کہ الماخوذ فیہ الترقیق یعنی اس میں ترقیق اختیار کی گئی ہے۔ صاحب ہدیۃ الوحید کہتے ہیں کہ لفظ فِرْقٍ میں خُلف مروی ہے پُر اور باریک دونوں پڑھنا جائز ہے۔ وقف میں بھی یہی حکم ہوگا۔

﴿قولہ﴾ وَاَخْفِ تَکْرِیْرًا اِذَا مَاتُشَدَّدُ۔ راء کی تفخیم وترقیق کا بیان ختم کرتے ہوئے مصنفؒ نے اس مصرع میں ایک ضروری تنبیہ فرمائی ہے اور وہ یہ ہے کہ راء جب مشدد ہو تو اس کی صفت تکریر کو ظاہر نہ ہونے دو بلکہ خوب اہتمام کے ساتھ تکریر سے محفوظ رکھو گو راء متحرکہ اور ساکنہ کو بھی تکریر سے محفوظ رکھنا لازم ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ راء مشددہ کو تکریر سے بچانا زیادہ ضروری ہے کیونکہ راء ساکنہ کو تکریر سے نہ بچائیں تو ایک راء کی دو راء بن جائیں گی۔ اور راء مشددہ کو تکریر سے محفوظ رکھنے پر دھیان نہ دیں تو متعدد راءات بنتی چلی جائیں گی اور چونکہ وہ مشدد ہے اس لئے تکریر کا دھیان نہ رہنا بعید نہیں ہوتا۔ اسی لئے مصنفؒ نے خصوصیت کے ساتھ راء مشددہ کی تکریر کے اخفاء کا حکم دیا۔

﴿فائدہ﴾ راء مشددہ کو تکریر سے بچانا تو ضروری ہے مگر اخفاء تکریر اس طرح نہ کرے کہ راء مشددہ وقف کے وقت محض ساکنہ رہ جائے۔ مثلاً اگر مُسْتَقِرٌّ یا مُسْتَمِرٌّ پر وقف کرنا ہے تو راء کی تشدید کا ادا کرنا ضروری ہے خوب سمجھ لو۔

﴿فائدہ ثانیہ﴾ راء مشددہ تفخیم وترقیق کے بارے میں مثل ایک ہی حرف کے مانی جاتی ہے جو اپنی حرکت کے مطابق پُر یا باریک ہوگی اور یہ نہ ہوگا کہ راء اولیٰ کو ساکن سمجھ کر اس کا ماقبل دیکھیں اور راء ثانیہ کو حرکت کے مطابق پُر یا باریک پڑھیں پس لَیْسَ الْبِرَّ اور فَفِرُّوْا کی راء پُر ہوگی اور دُرِّیٌّ اور فِی الْبِرِّ کی راء باریک ہوگی اور راء مشددہ پر اگر وقف بالسکون ہوگا تو ماقبل کی حرکت کے مطابق پُر یا باریک ہوگی پس وقف میں اَیْنَ الْمَفَرُّ کی پُر اور مُسْتَمِرٌّ کی راء باریک ہوگی۔

تفخیم راء کے مواقع

مصنفؒ نے صرف ترقیق راء کے قواعد بیان کئے ہیں اور تفخیم راء کا کوئی قاعدہ نہیں بتایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک راء میں تفخیم اصل ہے گویا اصل کے خلاف جو مواقع عروض ترقیق کے

[illegible]

بَابُ اللَّامَاتِ

لاموں کی تفخیم اور ترقیق کا بیان

(44) وَفَخِّمِ اللَّامَ مِنَ اسْمِ اللّٰهِ
عَنْ فَتْحٍ اَوْ ضَمٍّ كَعَبْدُ اللّٰهِ

﴿ت﴾ ''اور اسم اللہ کے اس لام کو مفخم کر جو ضمہ یا فتح کے بعد ہو جیسے عَبْدُ اللّٰهِ۔

﴿تشریح﴾ لام بھی حروف مستفلہ میں سے ہے جو صفت استفال کی وجہ سے مرقق ہوتے ہیں لیکن بعض مواقع ایسے بھی ہیں جن میں لام پُر پڑھی جاتی ہے۔ ان ہی مواقع کو مصنفؒ نے مذکورہ بالا شعر میں بیان کیا ہے اور چونکہ محققین کے نزدیک لام میں اصل ترقیق ہے اس لیے تفخیم کے قواعد بتا کر خاموش ہو گئے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ باقی مواقع میں اصل کے مطابق ترقیق کے ساتھ پڑھو۔

جمہور قراء کے نزدیک صرف لفظ اَللّٰهُ کا لام پُر ہوتا ہے جب کہ اس سے پہلے فتحہ یا ضمہ ہو اور اس کے علاوہ ہر لام باریک پڑھا جاتا ہے حتیٰ کہ اگر لفظ ''اَللّٰهُ'' کے لام سے قبل کسرہ ہو گا تو لفظ ''اَللّٰه'' کا لام بھی باریک پڑھا جائے گا یہ قواعد متفق علیہ ہیں جن میں تمام قراء کا اتفاق ہے۔ البتہ ورشؒ لفظ ''اَللّٰهُ'' کے لام کے علاوہ بھی بعض مواقع میں لام کی تفخیم کے قائل ہیں جیسے وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ کا لام ان کے نزدیک مفخم ہے۔ چونکہ مصنفؒ مقدمہ ہذا میں وہی قواعد بتا رہے ہیں جو متفق علیہ ہیں اس لئے صرف لفظ ''اَللّٰهُ'' کے لام کی تفخیم کے قواعد ذکر کئے ہیں۔

تفخیم کی مثالیں:

اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ- هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ رَبُّنَا اللّٰهُ۔ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ۔ لَمَّا قَامَ عَبْدُاللّٰهِ۔ يُبَشِّرُ اللّٰهُ۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ اِنَّ اللّٰهَ۔ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ۔ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ۔

بَابُ اللَّامَاتِ

لاموں کی تفخیم اور ترقیق کا بیان

(44) وَفَخِّمِ اللَّامَ مِنَ اسْمِ اللّٰهِ
عَنْ فَتْحٍ اَوْ ضَمٍّ كَعَبْدُ اللّٰهِ

﴿ت﴾ ''اور اسم اللہ کے اس لام کو مفخم کر جو ضمہ یا فتح کے بعد ہو جیسے عَبْدُ اللّٰهِ۔

﴿تشریح﴾ لام بھی حروف مستفلہ میں سے ہے جو صفت استفال کی وجہ سے مرقق ہوتے ہیں لیکن بعض مواقع ایسے بھی ہیں جن میں لام پُر پڑھی جاتی ہے۔ ان ہی مواقع کو مصنف نے مذکورہ بالا شعر میں بیان کیا ہے اور چونکہ محققین کے نزدیک لام میں اصل ترقیق ہے اس لیے تفخیم کے قواعد بتا کر خاموش ہو گئے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ باقی مواقع میں اصل کے مطابق ترقیق کے ساتھ پڑھو۔

جمہور قراء کے نزدیک صرف لفظ اَللّٰهُ کا لام پُر ہوتا ہے جب کہ اس سے پہلے فتحہ یا ضمہ ہو اور اس کے علاوہ ہر لام باریک پڑھا جاتا ہے حتیٰ کہ اگر لفظ ''اَللّٰهُ'' کے لام سے قبل کسرہ ہو گا تو لفظ ''اَللّٰه'' کا لام بھی باریک پڑھا جائے گا یہ قواعد متفق علیہ ہیں جن میں تمام قراء کا اتفاق ہے۔ البتہ ورشؒ لفظ ''اَللّٰهُ'' کے لام کے علاوہ بھی بعض مواقع میں لام کی تفخیم کے قائل ہیں جیسے وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ کا لام ان کے نزدیک مفخم ہے۔ چونکہ مصنفؒ مقدمہ ہذا میں وہی قواعد بتا رہے ہیں جو متفق علیہ ہیں اس لئے صرف لفظ ''اَللّٰهُ'' کے لام کی تفخیم کے قواعد ذکر کئے ہیں۔

تفخیم کی مثالیں:

اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۔ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ رَبُّنَا اللّٰهُ۔ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ۔ لَمَّا قَامَ عَبْدُاللّٰهِ۔ يُبَشِّرُ اللّٰهُ۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ اِنَّ اللّٰهَ۔ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ۔ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ۔

ترقیق کی مثالیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ۔ اَفِي اللّٰهِ۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ۔ جن کلمات میں لفظ "اَللّٰـهُ" سے پہلے زیر ہو اور وہ تمام لامات جو لفظ "اللّٰـه" کے علاوہ دیگر کلمات کا جزو ہیں جیسے مَاوَلّٰهُمْ۔ (یہ لفظ اَللّٰهُ کا لام نہیں ہے کیونکہ مَا استفہامیہ ہے وَلّٰی صیغہ ماضی از باب تفعیل ہے اور هُمْ ضمیر مفعول ہے) ظَلَلْنَا۔ جَعَلْنَا۔ قُلْتُمْ۔ اُدْخُلُوْا وغیرہ۔

﴿فائدہ﴾ لفظ "اَللّٰهُمَّ" کا لام لفظ "اَللّٰـهُ" کے لام کی طرح باریک اور پُر ہوگا اور جو لفظ "اَللّٰه" کے لام کی تفخیم وترقیق کے قواعد ہیں وہی اس میں جاری ہوں گے کیونکہ اَللّٰهُمَّ لفظ اَللّٰهُ ہی ہے جس کے آخر میں میم مشددہ بڑھادی گئی ہے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ میم مشددہ حرف نداء کے عوض بڑھائی گئی ہے اور اَللّٰهُمَّ بمعنی یَا اَللّٰـهُ ہے اور بعض علماء نے کہا ہے کہ اُمَّ صیغہ امر بمعنی اِقْصِدْ ہے جس کا مطلب یہ ہوا ہے کہ یا اللّٰـه امنا بخیر و ردّهٗ اخرون مستدلین بقوله تعالٰی: "وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ" فاين القصد بالخير هٰهُنَا۔

تفخیم کی مثالیں:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ۔ قَالُوا اللّٰهُمَّ۔ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ وغیرہ۔

ترقیق کی مثال:

قُلِ اللّٰهُمَّ۔

﴿فائدہ ثانیہ﴾ لام کی تفخیم میں اتنا مبالغہ نہ کرے کہ جس سے لفظ "اَللّٰـهُ" کے کھڑے زبر میں واؤ کی آواز پیدا ہو جائے۔

﴿فائدہ ثالثہ﴾ جس جگہ لام مرقق لام مفخم سے مل رہا ہو اس جگہ بہت دھیان کے ساتھ ادا کرنا لازم ہے تاکہ لام مرققہ لام مفخمہ سے ملنے کی وجہ سے مفخم نہ ہو جائے' جیسے اَحَلَّ اللّٰهُ اور قَالَ اللّٰهُ وغیرہ۔

﴿قوله﴾ كَعَبْدُ اللّٰهِ۔ اس میں دال کا کسرہ بھی پڑھنا درست ہے کیونکہ کاف حرف جر کے بعد ہے اور بطور اعراب حکائی کے ضمہ بھی پڑھ سکتے ہیں تا کہ تفخیم کی مثال بن جائے کیونکہ قرآن شریف میں عَبْدُاللّٰهِ بضم الدال موجود ہے۔

بَابُ الْاِسْتِعْلَاءِ وَالْاِطْبَاقِ

استعلاء اور اطباق کی تاکید اور بعض دیگر امور کا اہتمام رکھنے پر تنبیہ

(45) وَحَرْفَ الِاسْتِعْلَاءِ فَخِّمْ وَاخْصُصَا
الْاِطْبَاقَ اَقْوٰی نَحْوُ قَالَ وَالْعَصَا

﴿ت﴾ ''اور استعلاء کے حروف کو مفخم کر اور خاص کر حروف اطباق کو قوی تفخیم کے ساتھ ادا کر جیسے قَالَ اور عَصَا''

﴿تشریح﴾ جس طرح حروف استفال باریک ہوتے ہیں اور صفت استفال کا تقاضا ہے کہ حروف متصفہ بالاستفال باریک پڑھے جائیں اسی طرح حروف مستعلیہ پُر پڑھے جاتے ہیں اور صفت استعلاء کا تقاضا ہے کہ حروف مستعلیہ پُر پڑھے جائیں۔ اسی لئے حروف مستعلیہ میں سے کبھی کوئی حرف مرقق نہیں ہوتا اگر مرقق پڑھ دیا جائے تو ناقص ادا ہوتا ہے اور کبھی دوسرا حرف بن جاتا ہے۔ حروف استعلاء میں حروف اطباق بھی پائے جاتے ہیں یعنی حروف مستعلیہ کے مجموعہ (خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ) میں ص، ض، ط، ظ بھی موجود ہیں (کیونکہ صفت استعلاء صفت اطباق سے عام ہے (اذ کل مستعلٍ مُطْبِقٌ من غیر عکس كُلِّيٍّ) لہٰذا حروف اطباق میں اس تفخیم سے زیادہ تفخیم کی ضرورت ہے جو حروف استعلا بلا اطباق میں ہے مصنفؒ نے اس شعر میں اسی کو بتایا ہے کہ تمام حروف مستعلیہ کی تفخیم کرو اور خصوصیت کے ساتھ حروف اطباق کی تفخیم کا زیادہ دھیان رکھو کیونکہ ان کی صحیح ادائیگی جب ہوتی ہے جب کہ حروف استعلاء کی تفخیم سے زیادہ قوی تفخیم کے ساتھ ادا کیے جائیں۔

اس کے بعد مصنفؒ نے دو مثالیں پیش فرمائی ہیں پہلی مثال ''قَالَ'' ہے یہ ایسے حرف کی مثال ہے جو صرف مستعلی ہے دوسری مثال ''عَصَا'' جو ایسے حرف کی مثال ہے جو مستعلی ہونے کے ساتھ مطبق بھی ہے۔ حروف مفخمہ مضمومہ ومفتوحہ کی مثالیں یہ ہیں۔

اَلْغَفُوْرُ۔ غَافِرِ الذَّنْبِ۔ فَغُلُّوْهُ۔ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ۔ مَا يَلْفِظُ۔ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ وَلَا تَحٰضُّوْنَ۔ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ۔ اَلطَّآمَّةُ۔ بِطَانَةً۔ يُطَهِّرُكُمْ۔ قَالُوْا۔ قُلْتُمْ۔ قَتَلْتُمْ۔ فَهُمُ الْخَالِدُوْنَ۔ لَا تَاْخُذُهٗ وغیرہ۔

حروف مفخمہ مکسورہ اور ساکن کی مثالیں یہ ہیں۔ خِطْأً۔ اَلْخَاطِئَةِ۔ نَخْلٍ۔ بَاقِيَةٍ۔ بِالطَّاغِيَةِ۔ يَغْفِرُ۔ اِقْرَاْ۔ وَلَا خِلٰلٌ۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ۔ كَعَصْفٍ۔ فَسَيُنْغِضُوْنَ۔ اَلْمَغْضُوْبِ۔ يَضْرِبُوْنَ۔ فَمَنِ اضْطُرَّ۔

مصنفؒ وَالْعَصَا کی جگہ اگر مَعْ عَصَا فرماتے تو اچھا ہوتا کیونکہ قرآن کے الفاظ کے مطابق مثال ہو جاتی اور وزن شعر بھی درست رہتا۔ قرآن مجید میں عَصَا معرف باللام موجود نہیں ہے البتہ غیر معرف باللام موجود ہے جیسے بِعَصَاكَ اور عَصَاهُ اور عَصَایَ اور عَصٰی بصیغہ فعل ماضی بھی موجود ہے اس کا صاد بھی مثل عصا (اسم) کے مفخم ہے۔

﴿قولہ﴾ حَرْفَ الِاسْتِعْلَاءِ' بنصب المضاف عَلٰی اَنَّهٗ مفعول مقدمٌ و برفعه علٰی انه مبتداءٌ و ما بعدهٗ خبره وهو مضافٌ الی المصدر بحذف همزة الوصل ويجعل اللام الواقعة قبل السين مكسورة على حد قوله تعالى بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ۔ یعنی حَرْفَ الِاسْتِعْلَاءِ منصوب ہے جو فَخِّمْ کا مفعول مقدم ہے اور مبتدا ہو کر مرفوع بھی ہو سکتا ہے مابعد اس کی خبر ہو گی اور لِاسْتِعْلَاءِ کے لام کو کسرہ دے کر پڑھیں گے جیسے بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ میں پڑھا جاتا ہے اور اُخْصُصَا صیغہ امر ہے جس میں الف اطلاق کے لئے ہے اور نون خفیفہ سے مبدل بھی ہو سکتا ہے۔

﴿وقولہ﴾ وَاخْصُصَا صيغة الامر بالف الاطلاق فی اخره او هی مبدلة من النون المخففة۔

﴿قولہ﴾ اَقْوٰی صفة لمحذوف ای خصّ انت حروف الاطباق بتفخیم اقوٰی من تفخیم سائر حروف الاستعلاء فافھم واحفظ۔

﴿فائدہ﴾ تفخیم میں چند مراتب ہیں۔ اعلیٰ درجہ کی تفخیم اس حرف مفخم میں ہوتی ہے جس کے بعد الف ہو جیسے طَالَ، قَالَ، اَلصّٰلِحٰتِ وغیرہ۔ اس سے کم درجہ کی تفخیم اس حرف مفخم میں ہوگی جو مفتوح ہو اور اس کے بعد الف نہ ہو۔ جیسے اِنْطَلِقُوْا۔ صَفًّا صَفًّا۔

تیسرے درجہ پر وہ حرف مفخم ہے جو مضموم ہو جیسے مُحِیْطٌ — وَالصُّبْحِ اور چوتھے درجہ پر وہ حرف مفخم ہے جس پر کسرہ ہو جیسے ظِلٍّ۔ قِرْطَاسٍ وغیرہ۔

اور ساکن مفخم ماقبل کی حرکت کے اعتبار سے مفخم ہوتا ہے یعنی ساکن میں سب سے زیادہ تفخیم اس حرف مفخم میں ہوگی جو فتحہ کے بعد ہوگا جیسے یَقْطَعُوْنَ۔ اَصْلَحَ۔ یَغْفِرُ اور اس کے بعد دوسرے درجہ کی تفخیم اس حرف میں ہوگی جس سے قبل ضمہ ہو جیسے اَلْمُطْمَئِنَّةُ اور تیسرے درجہ پر وہ حرف مفخم ہے جس سے پہلے کسرہ ہو جیسے اِصْلَاحٍ۔ مَا لَمْ تُحِطْ۔

(46) وَبَیِّنِ الْاِطْبَاقَ مِنْ اَحَطْتُّ مَعْ
بَسَطْتَّ وَالْخُلْفُ بِنَخْلُقْکُّمْ وَقَعْ

﴿ت﴾ ''اور ظاہر کر اطباق کو اَحَطْتُّ اور بَسَطْتَّ (کی تاء) میں اور اَلَمْ نَخْلُقْکُّمْ (کے قاف کا اطباق ظاہر کرنے) میں اختلاف واقع ہوا ہے۔''

﴿تشریح﴾ اس شعر کو مصنفؒ ادغام کے بیان میں درج فرماتے تو طلبہ کے سمجھنے کے لئے انسب ہوتا لیکن انہوں نے استعلاء اور اطباق کی مناسبت سے یہیں ذکر کرنا مناسب جانا۔ تفصیل اس مقام کی یہ ہے کہ ادغام میں پہلا حرف دوسرے حرف میں داخل کر دیا جاتا ہے اور ایسا وہیں ہوتا ہے جہاں دونوں مثلین یا متجانسین یا متقاربین ہوں (اس کی توضیح وتشریح ادغام کے بیان میں آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ) پھر اگر حرف اول کو حرف دوم سے بدل دیا ہو یعنی پہلا حرف اپنی ذات وصفت کے ساتھ بالکل ہی ختم ہو کر دوسرا حرف بن گیا ہو تو اس کو ادغام تام کہتے ہیں اور اگر حرف اول حرف دوم سے پوری طرح نہیں بدلا گیا بلکہ حرف اول کی کوئی صفت باقی رہ گئی تو اس کو ادغام ناقص کہتے ہیں جیسے

مِنْ وَّالٍ میں نون ساکن کا واؤ میں ادغام ہوا ہے اس میں نون کا غنہ باقی رہ جانے کی وجہ سے ادغام ناقص کہلاتا ہے۔ قرآن مجید میں بہت سی جگہ تاء کا طاء میں ادغام ہوا ہے جیسے وَدَّتْ طَّائِفَةٌ۔ وَقَالَتْ طَّائِفَةٌ وغیرہ۔

اور چونکہ طاء میں تاء سے زیادہ قوت ہے اس لئے تاء کا طاء میں ادغام تام ہوتا ہے اور بعض مواقع قرآن مجید میں ایسے ہیں جن میں تاء سے پہلے طاء ساکنہ واقع ہوگئی ہے اور چونکہ تاء اور طاء دونوں متجانسین ہیں اس لئے ان مواقع میں طاء کا تاء میں ادغام تام ہوتا ہے لیکن چونکہ طاء میں قوت زیادہ ہے اور اس کی بنسبت تاء حرف ضعیف ہے اس لئے یہ ادغام ناقص ہوتا ہے جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ طاء کی صفت اطباق باقی رہ جاتی ہے اس کے باقی رکھنے کے لئے مصنفؒ نے تنبیہ فرمائی ہے کہ اَحَطْتُّ (سورۂ نمل کے دوسرے رکوع) میں اور بَسَطْتَّ (سورۂ مائدہ کے پانچویں رکوع) میں طاء کے اطباق کو ظاہر کرو اگر اطباق کو ظاہر نہ کرو گے تو طاء بالکل تاء بن جائے گی اور ادغام تام ہو جائے گا۔ جو خلاف روایت ہے۔

فَرَّطْتُّمْ (سورۂ یوسف کے رکوع ۱۰) میں اور فَرَّطْتُّ (سورۂ زمر رکوع ۶) میں بھی ادغام ناقص ہے یعنی ان دونوں میں طاء کی صفت اطباق باقی رکھتے ہوئے ادغام کیا جاتا ہے۔ ان مواقع میں ادغام تام سے بھی بچیں اور ترک ادغام سے بھی احتراز کریں اگر طاء میں قلقلہ ادا کر دیا گیا تو ادغام ختم ہو جائے گا لہٰذا بہت ہی احتیاط سے ادا کرنا لازم ہے تاکہ ادغام کے بجائے اظہار نہ ہو جائے۔

﴿قولہ﴾ وَالْخُلْفُ بِنَخْلُقْكُّمْ وَقَعْ اس کا مطلب یہ ہے کہ سورۂ مرسلات کے پہلے رکوع میں جو اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ آیا ہے اس میں قاف ساکن کے بعد کاف متحرک آیا ہے اور چونکہ دونوں آپس میں قریب المخرج ہیں اس لئے ادغام ہونا چاہیے لیکن یہ ادغام تام ہوگا یا ناقص؟ اس کے بارے میں قراء کرام کا اختلاف واقع ہوا ہے۔ بعض حضرات نے ادغام تام کو اختیار کیا ہے اور اسی کو ترجیح دی ہے ان حضرات کے نزدیک حرف اول یعنی قاف کی کوئی صفت باقی نہ رہے گی اور دیگر قراء نے ادغام ناقص کو اختیار کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کلمہ کو اس طرح ادا کرنا چاہیے کہ قاف کی صفت استعلاء باقی رہے۔ مذہب اول علامہ دانیؒ کا ہے اور شامیوں نے اسی کو اختیار کیا ہے اور مصنفؒ کے نزدیک بھی یہی مختار ہے چنانچہ نشر میں تحریر فرماتے ہیں کہ "الادغام المحض اصح روایة و اوجه

قیاسا'' اور مذہب دوم مکی وغیرہ کا ہے جسے بصریوں نے اختیار کیا ہے خلاصہ یہ ہے کہ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ میں ادغام ضروری ہے خواہ ادغام تام ہو خواہ ادغام ناقص ہو اور اظہار محض یعنی ترک ادغام من کل الوجوہ جائز نہیں ہے لہٰذا ادائیگی کے وقت اس کا لحاظ رکھنا لازم ہے کہ ترک ادغام نہ ہو جائے۔

اور خصوصیت کے ساتھ قاف کے قلقلہ سے احتراز کرنے کا اہتمام کریں ورنہ ضرور ادغام ترک ہو جائے گا۔

قال القاری فعلم ان ما ذکرہ لیس بادغام محض ولا اظہار محض بل حالة بینهما فهو بالاخفاء اشبه

(47) وَاحْرِصْ عَلَى السُّكُوْنِ فِيْ جَعَلْنَا
أَنْعَمْتَ وَالْمَغْضُوْبِ مَعْ ضَلَلْنَا

﴿ت﴾ ''اور تو سکون کے ادا کرنے کی حرص کر جَعَلْنَا اور اَنْعَمْتَ اور اَلْمَغْضُوْبِ اور ضَلَلْنَا میں۔''

(48) وَخَلِّصِ انْفِتَاحَ مَحْذُوْرًا عَسَى
خَوْفَ اشْتِبَاهِهِ بِمَحْظُوْرًا عَصَى

﴿ت﴾ اور صفت انفتاح کو مَحْذُوْرًا اور عَسٰى میں خالص کر کے ادا کر اس خوف سے کہ کہیں مَحْظُوْرًا اور عَصٰى سے اشتباہ نہ ہو جائے۔''

﴿تشریح﴾ (۴۷) ہر جگہ حرکت اور سکون کو اہتمام کے ساتھ ادا کرنا ضروری ہے تا کہ حرکت کی جگہ سکون اور سکون کی جگہ حرکت ادا نہ ہو جائے۔ حرکت و سکون کے بدل جانے سے بہت سی جگہ معانی بھی بدل جاتے ہیں اور خصوصیت کے ساتھ ان مواقع میں سکون کی حفاظت کا دھیان ضروری ہے جہاں ترک سکون سے بے جگہ ادغام ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ جیسے جَعَلْنَا اور ضَلَلْنَا اور اسی قسم کے دیگر وہ کلمات جہاں خیال نہ کرنے سے نون میں لام کا ادغام ہو جاتا ہے۔ نیز اس امر کا دھیان بھی ضروری ہے کہ جَعَلْنَا وغیرہ میں لام ساکن پر فتحہ ادا نہ ہو جائے جیسے بعض نادان لام کو ہلا دیتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے لام میں قلقلہ کر رہے ہیں لام مفتوح ہو جانے سے صیغہ بھی بدل جائے گا

جس سے معنی بھی متغیر ہوگا۔ **فافهم واحفظ**

اَنْعَمْتَ کے نون اور میم اور اَلْمَغْضُوْبِ کی غین کے سکون کا بھی اہتمام کرنا چاہیے بعض لوگ ایسی غفلت کے ساتھ پڑھتے ہیں کہ نون کو فتحہ دے کر عین کو حذف کرتے ہوئے اَنَمْتَ پڑھ جاتے ہیں اور بعض لوگ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ کو اس طرح پڑھتے ہیں کہ میم مفتوح کے بعد غین میں حرکت سی پیدا ہو جاتی ہے یہ سب غلط ہے اور واجب الاحتراز ہے اسی لئے مصنفؒ تنبیہ فرما رہے ہیں اور یہ تنبیہ صرف ان ہی مواقع کے لئے نہ سمجھی جائے بلکہ ہر وہ جگہ جہاں نون ساکن کے بعد حرف حلقی آ رہا ہو جیسے یَنْاَوْنَ اور مَنْ اٰمَنَ۔ یَنْعِقُ وغیرہ سب جگہ خیال کر کے صحیح پڑھنا ضروری ہے نیز ہر جگہ غین ساکن کے سکون کا خیال رکھنا لازم ہے جیسے کہ ضِغْثًا۔ بَغْیًا۔ یُغْشِیْ۔ اَغْنٰی۔ مَایُغْنِیْ۔ اَفْرِغْ۔ عَلَیْنَا وغیرہ۔

﴿فائدہ﴾ جب میم ساکن کے بعد باء اور میم کے علاوہ کوئی حرف واقع ہو جائے تو میم کے سکون کو صاف ادا کرو اور میم پر سکتہ یا غنہ پیدا نہ ہونے دو اور اس کو قلقلہ سے بھی بچاؤ۔

﴿تشریح﴾ (۴۸) مطلب یہ ہے کہ حروف منفتحہ کی صفت انفتاح کو اور حروف مطبقہ کی صفت اطباق کو خوب خیال کر کے ادا کرو کیونکہ انفتاح کی جگہ اطباق اور اطباق کی جگہ انفتاح ادا کرنے سے حروف کا امتیاز ختم ہو جاتا ہے مثلاً سورۂ بنی اسرائیل کے دوسرے رکوع میں مَحْظُوْرًا (بالظاء) ہے اور اسی سورت کے چھٹے رکوع میں مَحْذُوْرًا (بالذال) آیا ہے ظاء حروف مطبقہ میں سے ہے اور ذال حروف منفتحہ میں سے ہے اگر ظاء کا اطباق ادا نہیں ہوگا تو مَحْظُوْرًا کا مَحْذُوْرًا بن جائے گا۔ اگر ظاء کی جگہ بالکل ہی ذال ادا نہ ہوگی تب بھی سننے والے کے لئے یہ اشتباہ ضرور رہے گا کہ قاری نے ظاء پڑھی ہے یا ذال ادا کی ہے۔ اسی طرح اگر مَحْذُوْرًا میں ذال کی ادائیگی کے وقت انفتاح کی بجائے اطباق ادا ہوگا تب بھی یہ اشتباہ ہوگا اور سننے والا نہ سمجھ سکے گا کہ ظاء پڑھی ہے یا ذال ادا کی ہے ذال اور ظاء متحد المخرج ہیں اور ان میں استعلاء اور اطباق کی وجہ ہی سے امتیاز ہے اگر ان دونوں کا خیال نہ رکھا تو ظاء ذال بن جائے گی۔

اسی طرح عَسٰی اور عَصٰی کو لے لو عَسٰی (بالسین) افعال مقاربہ میں سے ہے اور عَصٰی (بالصاد) معصیت سے ماضی معروف کا صیغہ ہے دونوں کلمات قرآن شریف میں وارد ہوئے

ہیں۔سورۂ مزمل کے پہلے رکوع میں عَصٰی (بالصاد) ہے اور سورۃ بنی اسرائیل کے آٹھویں رکوع میں عَسٰی (بالسین) ہے اور سین وصاد کا مخرج متحد ہے اور ہمس ورخوت' اصمات' صفیر میں مشترک ہیں امتیاز صرف اطباق اور استعلاء سے ہے یعنی صاد میں اطباق واستعلاء پائے جاتے ہیں اور سین میں ان دونوں کی مقابل دو صفتیں یعنی استفال اور انفتاح ہیں اگر خیال نہ رکھا اور عَسٰی (بالسین) میں استعلاء اور اطباق ادا کر دیا تو سین کا صاد بن کر معنی بدل جائیں گے اور کلمہ ہی دوسرا ہو جائے گا۔

مَحْظُوْرًا اور عَصٰی کو مصنفؒ نے مثال کے طور پر ذکر فرمایا ہے اس قسم کے ہر موقع میں حروف کو ایک دوسرے سے ممتاز کر کے پڑھنے کی طرف خصوصی توجہ دینا لازم ہے۔

(49) وَرَاعِ شِدَّةً بِكَافٍ وَّبِتَا
كَشِرْكِكُمْ وَتَتَوَفّٰى فِتْنَتَا

﴿ت﴾ ''اور تو رعایت کر صفت شدت کی جو کاف اور تاء میں ہے جیسے شِرْكِكُمْ۔ تَتَوَفّٰى۔ فِتْنَةً۔''

﴿تشریح﴾ کاف اور تاء حروف مہموسہ ہیں اور حروف شدیدہ میں بھی شامل ہیں۔ان دونوں کی صفت شدت کی ادائیگی کا لحاظ رکھنا اور خیال کر کے ادا کرنا بہت ضروری ہے ایسا نہ ہو کہ ہمس کی وجہ سے شدت چھوٹ جائے اور یہ دونوں حروف بجائے شدیدہ کے رخوہ ہو جائیں خصوصاً جب کہ دو کاف یا دو تاء اکٹھی ایک جگہ آ رہی ہوں تو شدت کی ادائیگی کا خیال کرنا اور ضروری ہو جاتا ہے۔جیسے يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ (سورۃ فاطر) اور فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ (سورۂ بقرہ) اور اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا (سورۂ طٰہٰ) اور تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (سورۂ نحل) اور وَاتَّقُوْا فِتْنَةً (انفال) وغیر ذلك من الامثال۔

جن مواقع میں کاف یا تاء مکرر ہوں وہاں شدت کا اہتمام نہ کرنے سے رخوہ بن جانے کا اندیشہ ہونے کے ساتھ ساتھ حرف مدغم کی طرح ادا ہو جانے کا بھی خطرہ ہے لہٰذا بہت خیال کرنے کی ضرورت ہے مصنفؒ نے بطور مثال کاف اور تاء کی صفت شدت کی ادائیگی کا تذکرہ کیا ہے قاری پر لازم ہے کہ ہر حرف کی ہر صفت کو خوب دھیان کے ساتھ ادا کرے تاکہ ہر حرف صحیح ادا ہو۔

ملا علی قاریؒ شعر بالا کی تشریح کے اختتام پر لکھتے ہیں کہ جس جگہ تاء کے بعد طاء ساکنہ یا ظاء ساکنہ آ رہی ہو تو تاء کو اس کی صفات کے ساتھ خاص دھیان کے ساتھ ادا کرنا چاہیے ایسا نہ ہو کہ پڑوس کی وجہ سے مفخم ہو کر (طاء مہملہ) بن جائے جیسے اَفَتَطْمَعُوْنَ (بقرہ) تَطَّلِعُ (الھمزہ) وَلَا تَطْغَوْا (ہود) تَطْهِيْرًا (احزاب) اور فَاِذَا جَاءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى اور لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ (بقرہ) وغیر ھذا۔

بَابُ الْاِدْغَامِ

ادغام کا بیان

ایک حرف کو دوسرے حرف میں ملا دینے اور داخل کر دینے کو ادغام کہتے ہیں یہ اَدْغَمْتُ اللِّجَامَ فِيْ فَمِ الْفَرَسِ (یعنی "میں نے گھوڑے کے منہ میں لگام داخل کی") سے ماخوذ ہے۔ اگر پہلا حرف ساکن ہو (جس کا ادغام ہو رہا ہو) اور دوسرا حرف متحرک ہو (جس میں ادغام ہو رہا ہو) تو اس کو ادغام صغیر کہتے ہیں جیسے اِذْهَبْ بِّكِتَابِيْ هٰذَا اور اگر دونوں حرف متحرک ہوں تو اس کو ادغام کبیر کہتے ہیں جیسے خَلَقَكُّمْ وغیرہ۔

ادغام کبیر سوسیؒ کی روایت میں (جو امام ابوعمرو بصریؒ کے راوی ہیں) سینکڑوں جگہ ہے اور حضرت حفصؒ کی روایت میں بہت ہی کم ہے۔

جس حرف کا ادغام کرتے ہیں اس کو مدغم اور جس میں ادغام کرتے ہیں اس کو مدغم فیہ کہتے ہیں۔

50
وَاَوَّلَىْ مِثْلٍ وَّجِنْسٍ اِنْ سَكَنْ
اَدْغِمْ كَقُلْ رَّبِّ وَبَلْ لَّا وَاَبِنْ

﴿ت﴾ "اور مثلین اور متجانسین کا پہلا حرف اگر ساکن ہو (تو اسے دوسرے حرف میں) مدغم کر دے جیسے قُلْ رَّبِّ اور بَلْ لَّا اور (پہلے حرف کا) اظہار کر (یعنی ادغام نہ کر)۔"

(51) فِــيْ يَــوْمِ مَــعْ قَــالُــوْا وَهُــمْ وَقُــلْ نَــعَــمْ
سَبِّـحْـهُ لَا تُـزِغْ قُـلُـوْبَ فَـالْتَـقَـمْ

﴿ت﴾ "فِيْ يَوْمٍ میں اور قَالُوْا وَهُمْ میں اور قُلْ نَعَمْ میں اور سَبِّحْهُ میں اور لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا میں اور فَالْتَقَمْ میں۔"

﴿تشریح﴾ اَوَّلَــىْ یہ اول کا تثنیہ ہے نون اضافت کی وجہ سے گر گیا ہے اور مجموعہ مثل وجنس معطوف معطوف علیہ ہو کر اس کا مضاف الیہ ہے اور مضاف مضاف الیہ مل کر اَدْغِـمْ فعل امر کا مفعول مقدم ہے اور اِنْ سَـكَـنْ درمیان میں جملہ شرطیہ ہے سَـكَـنْ فعل ماضی ہے اس کی ضمیر اَوَّلَــىْ کی طرف راجع ہے اور اَبِنْ بمعنی اَظْهِرًا بَانَـةً سے امر کا صیغہ ہے جس کا ماضی مضارع بَانَ يَبِيْنُ ہے اور فِيْ يَوْمٍ کی میم کو ضرورۃً بلا تنوین پڑھیں گے۔

جب ایک ہی حرف مکرر آ گیا ہو اور پہلے حرف کا دوسرے میں ادغام ہو رہا ہو تو اس کو ادغام مثلین کہتے ہیں جیسے لام کا لام میں یا باء کا باء میں ادغام ہو جیسے بَـلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ اور اِذْهَبْ بِّكِتَابِيْ وغیرہ مگر واؤ مدہ کا ادغام واؤ متحرک میں اور یاء مدہ کا ادغام یاء متحرک میں اس وقت نہیں ہوتا جب کہ واؤ مدہ اور یاء مدہ پہلے کلمہ کے آخر میں ہو اور دوسرا واؤ یا یاء بعد والے کلمہ کے اول میں ہو جیسے فِــيْ يَــوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ (معارج) اور اَلَّذِيْ يُوَسْوِسُ (والناس) اور قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا (شعراء) اور اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (سورۃ والعصر وغیرہ میں) ایسے مواقع پر ترک ادغام اس لئے ہے کہ ادغام کرنے سے صرف مدہ کی صفت لازمہ یعنی مدیت صفت عارضہ یعنی ادغام کی وجہ سے ختم ہو جائے گی۔ اور اگر حرف مدہ اور اس کے بعد والا حرف واؤ یا یاء ایک ہی کلمہ میں ہوں تو اس میں ادغام ہوگا جیسے اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اس میں یاء کا یاء میں ادغام ہو رہا ہے۔

البتہ حرف لین کے ادغام کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ وہ اور اس کا مماثل ایک ہی کلمہ میں ہوں بلکہ دوسرے کلمہ میں مماثل کے آنے سے بھی ادغام ہو جاتا ہے جیسے اٰوَ وْ وَّنَصَرُوْا

- ادغام کی دوسری صورت یہ ہے کہ ایسے دو حرف ایک ساتھ جمع ہو گئے ہوں جن کا مخرج ایک شمار کیا

جاتا ہو مگر صفات میں مختلف ہوں۔ جیسے قَدْ تَّبَيَّنَ وغیرہ اس ادغام کو ادغام متجانسین کہتے ہیں۔

اور تیسری صورت ادغام کی یہ ہے کہ ایسے دو حروف ایک ساتھ جمع ہو گئے ہوں جو متحد المخرج تو نہ ہوں لیکن مخرج وصفات کے اعتبار سے قریب قریب ہوں اس کو ادغام متقاربین کہتے ہیں جیسے اَلَمْ نَخْلُقكُّمْ وغیرہ

ادغام کی دوسری تقسیم

مثلین میں ہمیشہ ادغام تام ہوتا ہے اور ادغام متجانسین اور متقاربین کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) ادغام تام (۲) ادغام ناقص۔

ہم شعر (۴۶) کے ذیل میں لکھ چکے ہیں کہ ادغام تام وہ ہے جس میں پہلا حرف بالکل ختم ہو کر دوسرا حرف بن جائے جیسے قُلْ رَّبِّ۔ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ۔ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ۔

ادغام ناقص وہ ہے جس میں پہلا حرف بالکل ختم نہ ہوا ہو بلکہ اس کی کوئی صفت باقی رہ گئی ہو۔ جیسے اَحَطْتُّ، مِنْ وَّالٍ وغیرہ۔

مصنفؒ نے عجیب طرز بیان اختیار کیا ہے اور وہ یہ کہ شعر نمبر (۵۰) کے مصرع اول میں ادغام مثلین اور ادغام متجانسین کو بتایا پھر جب مصرع دوم میں مثالیں دینے لگے تو ایک مثال متقاربین کی اور ایک مثال مثلین کی دے کر آگے بڑھ گئے اور متجانسین کی ایک مثال بھی پیش نہیں کی۔ دونوں مثالوں میں لف نشر غیر مرتب ہے کیونکہ مثلین کی مثال بعد میں اور متقاربین کی پہلے بیان کی ہے۔

مصنفؒ کے نزدیک لام، راء اور نون کا مخرج علیحدہ علیحدہ ہے پس لام کا راء میں جو ادغام ہوگا وہ ادغام متقاربین ہوگا۔ اگر مصرع اول یوں ہوتا کہ ع

وَ اَوَّلَــىْ مِثْــلٍ وَّقَــرِّبِ اِنْ سَــكَــنْ

تو ایک مثال مثلین کی اور دوسری متقاربین کی ہو جاتی اور اس طرح عدم تطابق (بین المثال والممثل لہٗ) کا اشکال ختم ہو جاتا لیکن اس صورت میں متجانسین کا ذکر بالتصریح نہ ہوتا اور اگر یوں کہا جائے کہ متجانسین کی تفسیر بعض قراء سے یوں منقول ہے کہ دو حرف مخرج میں مختلف اور صفات میں متحد ہوں اور اسی تفسیر کے مطابق مصنفؒ نے قُلْ رَّبِّ کو متجانسین کی مثال قرار دی ہے تو مثل لہ اور تمثیل

کے مطابق نہ ہونے کا اشکال تو دور ہو جائے گا۔ لیکن متقاربین کا ذکر بالتصریح نہیں ہوگا بہر حال مصنفؒ کا طرز بیان اس جگہ اشکال سے خالی نہیں ہے۔

ادغام کی دو مثالیں پیش کرنے کے بعد مصنفؒ نے فرمایا کہ فِي يَوْمٍ اور قَالُوا وَهُمْ میں اظہار کرو یعنی ادغام نہ کرو (اس کی توضیح ہم کر چکے ہیں) نیز فرماتے ہیں کہ قُلْ نَعَمْ اور سَبِّحْهُ اور لَاتُزِغْ قُلُوْبَنَا اور فَالْتَقَمَ میں ادغام نہ کرو اس کی توضیح یہ ہے کہ قُلْ نَعَمْ اور جَعَلْنَا اور اَرْسَلْنَا اور اَنْزَلْنَا اور اَنْزِلْنِيْ میں لام کا نون میں ادغام نہ ہوگا کیونکہ ادغام کرنے سے کلمہ میں ایک طرح کا تَنَكُّرْ یعنی اجنبیت سی محسوس ہوتی ہے' نیز جن افعال میں تعلیل ہو کر کوئی حرف حذف ہو چکا ہے اس کے اندر لام کا نون میں ادغام کر دینے سے کلمہ میں اَجْحَافْ لازم آتا ہے۔ (اَجْحَافْ (بتقديم الجيم على الحاء) کسی چیز کو بالکل ختم کر دینا یہاں نقصان فاحش کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔) اور کلمہ کی شکل بالکل بدل جاتی ہے اس لئے بھی ادغام نہیں ہوتا جیسے قُلْ میں عین کلمہ حذف ہو چکا ہے اگر قُلْ نَعَمْ میں ادغام کریں تو لام کلمہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔

اور چونکہ حروف حلقیہ اپنی صعوبت اور دشواری کی وجہ سے ادغام سے بعید ہیں اس لئے ان میں ادغام متجانسین اور متقاربین نہیں ہوتا ہے۔ لہٰذا فَسَبِّحْهُ اور فَاصْفَحْ عَنْهُمْ میں ادغام نہ ہوگا البتہ امام ابوعمرو بصریؒ کے نزدیک صرف ایک جگہ یعنی فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ میں ادغام کبیر ہے اور حروف حلقیہ میں مثلین کا ادغام ہوتا ہے جیسے اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ (نحل رکوع ۱۰) البتہ مَالِيَهْ هَّلَكَ (حاقہ) میں اظہار اور ادغام دونوں جائز ہیں ادغام تو اس لئے کہ دونوں مثلین ہیں اور اظہار اس لئے کہ مَالِيَهْ میں ہائے سکتہ ہے لہٰذا حرف زائد ہے اور ادغام حروف اصلیہ کے احکام میں سے ہے اور لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا میں غین کا قاف میں ادغام نہیں ہے کیونکہ حروف حلقیہ صعوبت کی وجہ سے ادغام سے بعید ہیں جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا۔

مصنفؒ تمہید میں لکھتے ہیں کہ جب غین کسی حرف حلقی کے قریب واقع ہو جائے تو اس کا اظہار یعنی عدم ادغام ضروری ہے جیسے اَفْرِغْ عَلَيْنَا اور اَبْلِغْهُ اسی طرح اگر قاف کے متصل واقع ہو جائے تو اسی وقت بھی اظہار ضروری ہے جیسے لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا اور اظہار کا خیال رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ

غین کا مخرج عین اور قاف کے مخرج کے قریب ہے (گو قرب کی نوعیت مختلف ہے) اس لئے خیال نہ کرنے سے غین کے ادغام یا اخفاء (یعنی اچھی طرح ظاہر نہ ہونے) کا اندیشہ ہوسکتا ہے اسی طرح فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ اور فَالْتَقَطَهُ میں لام کا ادغام تاء میں نہ ہوگا کیونکہ دونوں کے مخارج میں بُعد ہے جو فَلَكِّ ادغام یعنی اظہار کا متقاضی ہے لیکن تنبیہ کی ضرورت اس لئے ہوئی کہ بہت سے لوگ جلدی اور بے خیالی میں ادغام کر جاتے ہیں۔

حروف شمسیہ میں لام تعریف کا ادغام

لام تعریف جو اسماء کے اوائل میں آ کر عموماً نکرہ کو معرفہ بنا دیتا ہے اپنے مثل یعنی لام میں مدغم بادغام تام ہوتا ہے جیسے اَللَّطِيْفُ۔ اَللَّيْلَةُ۔ اَللَّوَّامَةُ وغیرہ اور لام کے علاوہ مندرجہ ذیل حروف میں بھی ادغام تام کے ساتھ مدغم ہوتا ہے ت۔ ث۔ د۔ ذ۔ ر۔ ز۔ س۔ ش۔ ص۔ ض۔ ط۔ ظ۔ ن۔ ان تمام حروف کو جن میں لام تعریف مدغم ہوتا ہے حروف شمسیہ کہتے ہیں مثالیں یہ ہیں۔ اَلتَّوَّابُ۔ اَلرَّحِيْمُ۔ اَلسَّمِيْعُ۔ اَلشَّكُوْرُ۔ اَلثَّاقِبُ۔ اَلصَّالِحَاتُ۔ اَلضَّآلِّيْنَ۔ اَلظُّلُمٰتُ۔ اَلدَّارُ۔ اَلذِّكْرُ۔ اَلزُّوْرُ۔ اَلنَّعِيْمُ۔ اَلطَّلَاقُ۔ حروف شمسیہ کو بعض قراء نے مندرجہ ذیل شعر کے اوائل کلمات میں جمع کیا ہے۔

طِبْ ثُمَّ صِلْ رَحِمًا تَفُزْ ضِفْ ذَا نِعَمْ دَعْ سُوْءَ ظَنٍّ زُرْ شَرِيْفًا لِلْكَرَمْ
ط ث ص ر ت ض ذ ن د س ظ ز ش ل

ان چودہ حروف کے علاوہ باقی چودہ حروف میں لام تعریف کا ادغام نہیں ہوتا یہ حروف' حروف قمریہ کہلاتے ہیں جن کا مجموعہ یہ ہے۔ اِبْغِ حَجَّكَ وَخَفْ عَقِيْمَهُ۔ اور بعض حضرات نے ان حروف کو مندرجہ ذیل شعر کے اوائل کلمات میں جمع کیا ہے۔

اَلْاِبِلِ وَهَلْ يُرْوِيْ خَبِيْرٌ حَدِيْثُ مَنْ
جَلَا عَنْ فُؤَادِيْ غَمَّتَهُ قَدْ كَسَتْ هَمَّا

مثالیں یہ ہیں: اَلْعَزِيْزُ۔ اَلْغَفُوْرُ۔ اَلْوَاحِدُ۔ اَلْقَهَّارُ۔ اَلْخَبِيْرُ۔ اَلْبَصِيْرُ۔

اَلْمَلِكُ۔ اَلْجَبَّارُ۔ اَلْفَتَّاحُ۔ اَلْكَبِيْرُ۔ اَلْاٰيَاتُ۔ اَلْيَوْمُ۔ اَلْحَجُّ۔ اَلْهُدٰى۔

حروف شمسیہ میں لام تعریف کا مدغم ہونا عموماً کثرت استعمال اور تحسین کلمات کی وجہ سے ہے اور اسی وجہ سے اَلنَّارُ اور اَلنَّاسُ میں لام کا نون میں ادغام ہوا ہے اور اَرْسَلْنَا اور اَنْزَلْنَا میں لام کا نون میں ادغام نہیں ہوا ہے اور یہ ادغام سماع پر موقوف ہے قیاس کو اس میں دخل نہیں اگر قرب مخرج سبب ادغام مانا جائے تو اولاً بعض حروف شمسیہ کا لام سے ایسا قریب المخرج ہونا جو کہ موجب ادغام ہو ثابت کرنا مشکل ہے اور ثانیاً یہ اشکال مزید لازم آتا ہے جس کا قیاسی اعتبار سے کوئی حل نہیں کہ جیم۔ شین۔ یاء کا مخرج ایک ہے لیکن لام تعریف کا ادغام جیم اور یاء میں نہیں ہوتا اور شین میں ہوتا ہے۔ اگر شین قریب المخرج ہے تو جیم اور یاء بھی تو قریب المخرج ہیں پھر ان میں ادغام کیوں نہیں؟ لہٰذا اس بارے میں بجز اس کے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اہل عرب نے تحسین کلمات کے لئے جن حروف میں لام تعریف کا ادغام کیا اس میں ادغام کرنا ہوگا اور جن میں اظہار کر دیا اس میں اظہار کرنا ہوگا۔ الحاصل اس ادغام کا تعلق سماع پر ہے جیسا عرب سے مسموع ہوا ویسا ہی قاعدہ بن گیا۔

قال الناظم في التمهيد فان قلت لم ادغمت اللام الساكنة في نحو النار والناس واظهرت في قوله قل نعم وكل منهما واحد قلت لان هذا فعل قد أُعل بحذف عينه فلم يعل ثانيا بحذف لامه لئلا يصير في الكلمة اجحاف وال حرف مبنيٌّ على السكون لم يحذف منه شئ ولم يُعَلَّ بشئٍ فلذالك ادغم الاترى ان الكسائي ومن وافقه ادغم اللام من هل و بل في قوله تعالى هل تعلم و بل نحنُ ولم يد غما في قل نعم وقل تعالوا — اقول يرد عليه ارسلنا وانزلنا فانهما لم يحذف منهما شئٌ فلا يلزم الاجحاف فلذالك اقول ان ادغام لام التعريف في الحروف الشمسية موقوف على السماعِ ولايتاتي فيه القياس۔

﴿وجہ تسمیہ﴾ حروف شمسیہ کو شمسیہ اور حروف قمریہ کو قمریہ کیوں کہا جاتا ہے؟ اس کے متعلق علماء لکھتے ہیں کہ یہ نام **تسمية الشئ باسم جزئه** کے قبیل سے ہے مطلب یہ ہے کہ جن کلمات میں

لام تعریف مدغم ہوتا ہے چونکہ ان میں لفظ شمس بھی ہے (اور اس اعتبار سے گویا وہ ان تمام کلمات کے مجموعہ کا جزو ہے) اس لئے جملہ حروف کو شمسیہ کہا جانے لگا اور جن کلمات میں ادغام نہیں ہوتا چونکہ ان میں لفظ قمر بھی ہے (اور وہ اس اعتبار سے گویا ان تمام کلمات کے مجموعہ کا جزو ہے) اس لئے جملہ حروف کو قمریہ کہا جاتا ہے اور بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ لام تعریف بمنزلہ ستارہ ہے اور حروف قمریہ بمنزلہ قمر کے ہیں جس طرح نور قمر کی موجودگی میں ستارے ظاہر رہتے ہیں اسی طرح حروف قمریہ کے قریب لام تعریف ظاہر رہتا ہے یعنی مدغم نہیں ہوتا۔ اس مشابہت کی وجہ سے حروف قمریہ کو قمریہ کہا جاتا ہے اور حروف شمسیہ بمنزلہ شمس (یعنی سورج) کے ہیں جس کی موجودگی میں ستارے چھپ جاتے ہیں پس چونکہ حروف شمسیہ لام تعریف کو اپنے اندر مدغم کر کے چھپا لیتے ہیں اس لئے شمس کے مشابہ ہو کر شمسیہ کے لقب سے ملقب کئے گئے۔

اور بعض حضرات نے لام تعریف کو شمسیہ اور قمریہ سے موسوم کیا ہے اس صورت میں وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جس وقت لام کا ادغام نہیں ہوتا اس وقت وہ القمر کے لام کے مشابہ ہوتا ہے (یعنی عدم ادغام میں) اور جس وقت ادغام ہوتا ہے اس وقت وہ الشمس کے لام کے مشابہ ہوتا ہے (یعنی ادغام میں) اس مشابہت کی وجہ سے لام شمسیہ اور قمریہ ہوا یہ صرف عنوان کا فرق ہے مُعَنْوَنْ ایک ہی ہے۔

﴿فائدہ﴾ اِذْ کی ذال اور قَدْ (حرف تحقیق) کی دال اور فعل ماضی کی تائے تانیث (ساکنہ) اور هَلْ (استفہامیہ) اور بَلْ (اضرابیہ) کا لام یہ سب اپنے مماثل میں تو بالاتفاق مدغم ہوتے ہیں لیکن مقارب اور مجانس میں مدغم ہونے کے بارے میں قراء کا اختلاف ہے جن مواقع میں اتفاق ہے ان کو ملا علی قاریؒ نے دو شعروں میں اس طرح جمع کیا ہے۔

وَاَدْغِمَنْ ذَالَ اِذْ فِي الظَّاءِ ۔ وَدَالَ قَدْ بِعَيْنِهِ فِي التَّاءِ

وَتَاءَ تَانِيْثٍ بِدَالٍ وَّبِطَاءِ ۔ وَلَامَ هَلْ وَبَلْ كَذَا عِنْدَ الرَّاءِ

یعنی اِذْ کا ذال ظاء میں مدغم ہوتا ہے جیسے اِذْ ظَّلَمُوْا اور قَدْ کی دال تاء میں مدغم ہوتی ہے جیسے قَدْ تَّعْلَمُوْنَ اور ماضی کے صیغہ واحد مونث کی تاء ساکنہ طاء اور دال میں مدغم ہوتی ہے جیسے

اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ اور وَدَّتْ طَّائِفَةٌ اور هَلْ اور بَلْ کا لام راء میں مدغم ہوتا ہے جیسے بَلْ رَّبُّكُمْ وغیرہ۔

ملا علی قاریؒ نے هَلْ کی مثال هَلْ رَأَيْتُمْ لکھی ہے مگر یہ بھی تحریر فرما دیا ہے کہ یہ مثال قرآن مجید میں نہیں ہے۔

﴿فائدہ﴾ ادغام کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہے کہ حرف ساکن کو حرف متحرک میں ملا کر اس طرح پڑھیں کہ دونوں کا مجموعہ ایک حرف مشدد بن جائے اور ادا کرتے وقت زبان ایک دفعہ اٹھے اس کا زمانہ ایک حرف مخفف کے زمانے سے زائد اور دو حروف مخففہ کے زمانہ سے کم ہوگا بشرطیکہ ادغام بلا غنہ ہو۔ اگر ادغام بالغنہ ہوگا تو اس کا زمانہ بقدر ادائیگی غنہ کے طویل ہوگا۔

﴿ادغام کا فائدہ﴾ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ادغام کا فائدہ تلفظ میں تخفیف کا حاصل کرنا ہوتا ہے۔ کیونکہ مخرج اول یا حرف مقارب کے مخرج کی طرف زبان کا لوٹنا ثقیل ہوتا ہے اس ثقل کو دور کرنے کے لیے اہل عرب نے ادغام کو اختیار کیا۔ کیونکہ ادغام کر کے تلفظ کرنا اظہار کے ساتھ ادا کرنے سے آسان ہے جس کی شہادت حس اور مشاہدہ سے ہوتی ہے۔

بَابٌ فِي الْفَرْقِ بَيْنَ الضَّادِ وَ الظَّآءِ

ضاد اور ظاء میں فرق کا بیان

(52) وَالضَّادَ بِاسْتِطَالَةٍ وَّمَخْرَجٍ
مَيِّزْ مِنَ الظَّآءِ وَكُلُّهَا تَجِي

﴿ت﴾ ''اور صفت استطالت اور مخرج کے ذریعہ ضاد کو ظاء سے ممتاز کر۔ اور ایسے تمام کلمات (جن میں ظاء ہے اجمالی طور پر ذیل میں ابھی) آرہے ہیں۔''

﴿تشریح﴾ ضاد اور ظاء دونوں باہم مختلف حروف ہیں ہر ایک کا مخرج علیحدہ علیحدہ ہے جیسا کہ مخارج کے بیان میں مفصل گزر چکا جب مخرج میں اتحاد نہیں بلکہ قرب بھی نہیں تو ضاد کی جگہ ظاء

پڑھنا نہ صرف یہ کہ غلط ہے بلکہ ایسا پڑھنے والوں کی زیادتی بھی ہے۔

ظاء حروف لثویہ میں سے ہے جو زبان کی نوک اور ثنایا علیا کے سرے سے نکلتا ہے اور ضاد حافہ لسان یعنی زبان کی کروٹ کو اضراس علیا سے پوری طرح لگا دینے سے نکلتا ہے۔

اس قدر بُعد مخرج کے علاوہ صفت استطالت بھی امتیاز کے لئے موجود ہے گو دیگر صفات لازمہ میں دونوں شریک ہیں مگر صفت استطالت میں ضاد کو ظاء سے امتیاز حاصل ہے۔

مصنفؒ نے اول تو یہ ارشاد فرمایا کہ ضاد کو ظاء سے مخرج اور استطالت کے ذریعہ ممتاز کرو۔ اس کے بعد فرمایا کہ قرآن شریف میں جس جس مادہ میں حرف ظاء آیا ہے ان کو ذیل میں ذکر کرتا ہوں' ان جگہوں میں خصوصیت کے ساتھ دھیان کر کے ظاء پڑھو' ذیل کے ساتھ اشعار میں وہ انتیس مواد ذکر کئے ہیں جن میں ظاء موجود ہے۔ **فاحفظها**

چونکہ ان مادوں کو محض شمار کرنا مقصود ہے اور شعر میں لانا بھی ضروری تھا اس لئے مصنفؒ نے وزن شعر کا لحاظ کرتے ہوئے جس طرح ممکن ہوا جمع کر دیئے ہیں۔ کسی کو معرّف اور کسی کو منکّر لائے ہیں اور کسی کو صیغہ امر کے ذریعہ ظاہر کیا اور کسی کو مضاف الیہ قرار دیا اور کسی کو مضاف بنایا۔ بلکہ ضرورت شعری کی وجہ سے بعض مواد کی طرف ایسے کلمہ سے اشارہ کرنا پڑا جو قرآن مجید میں بہیئت کذائیہ موجود نہیں ہے۔

(53) **فِي الظَّعْنِ ظِلِّ الظُّهْرِ عُظْمِ الْحِفْظِ**
أَيْقِظْ وَأَنْظِرْ عَظْمِ ظَهْرِ اللَّفْظِ

﴿ت﴾ "یعنی ظَعْن اور ظِلّ اور ظُهر اور عُظْم (بضم العین) اور حِفْظ اور اَیقِظْ اور اَنْظِرْ اور عَظْم (بفتح العین) اور ظَهر (بفتح الظاء) لَفْظِ کے مادے (جہاں جہاں بھی قرآن شریف میں ہیں ان سب) میں ظاء ہے۔"

﴿تشریح﴾ ظَعْنِ (بمعنی کوچ کرنا سفر پر جانا) قرآن شریف میں صرف ایک جگہ ہے اور ضمیر خطاب کی طرف مضاف ہے۔ (یعنی سورۂ نحل پ۱۴ ع۱۱) میں **يَوْمَ ظَعْنِكُمْ** آیا ہے اس کے علاوہ یہ مادہ قرآن شریف میں کسی جگہ نہیں اور ظِلٌّ (بمعنی سایہ) کا مادہ مختلف افعال اور اسماء کی

صورت میں قرآن مجید کے اندر ۲۴ جگہ ہے ظَلَلْنَا - ظُلَلٍ - ظِلًّا - ظَلِيْلًا - ظُلَّةٌ (بالتعریف والتنکیر) اور ظِلَالٌ یہ سب ظاء سے ہیں اور لفظ ظُهْرِ (بضم الظاء) نصف النہار کے معنی میں قرآن شریف میں کسی جگہ نہیں آیا۔ البتہ دو جگہ اس کے مشتقات آئے ہیں ایک سورۂ نور رکوع ۸ میں لفظ مِنَ الظَّهِيْرَةِ اور دوسرا سورۂ روم کے رکوع دوم کے ختم کے قریب تُظْهِرُوْنَ آیا ہے۔

اور عُظْمِ (بضم العین) بمعنی عظمت و بڑائی کے مشتقات حسب بیان شراح کرام قرآن مجید میں ایک سو تین جگہ آئے ہیں۔ چنانچہ عَظِيْمٌ۔ (بالتنکیر) اور اَلْعَظِيْمُ (بالتعریف) اور يُعْظِمُ (من الافعال) اور يُعَظِّمُ (من التفعیل) اور اَعْظَمُ (اسم تفضیل) وغیرہ ظاء سے ہیں اور لفظ اَيْقِظْ خود اپنی ہیئت کذائیہ کی صورت میں قرآن مجید میں کسی جگہ بھی نہیں آیا۔ البتہ اس کا مادہ اَيْقَاظًا کی صورت میں صرف ایک جگہ یعنی سورۂ کہف کے تیسرے رکوع کے شروع میں آیا ہے جو يَقِظٌ کی جمع ہے اس کا مصدر يَقْظَةٌ ہے بمعنی بیدار رہنا سویا ہوا نہ ہونا۔

اور حِفْظٌ کا مادہ قرآن شریف میں ماضی، مضارع، صفت مشبہ، اسم فاعل، اسم مفعول وغیرہ کی صورت میں چوالیس جگہ ہے۔ ثلاثی مجرد اور ثلاثی مزید فیہ دونوں کے صیغے اس مادہ سے آئے ہیں۔ چنانچہ حَفِظْنٰهَا - يَحْفَظُوْنَهٗ - حَفِيْظٌ - حَافِظٌ - مَحْفُوْظٌ - حِفْظًا - حَافِظُوْا - اُسْتُحْفِظُوْا سب ظاء سے ہیں۔

اور اِنْظَارٌ (یعنی نَظَرَ کا باب افعال) بمعنی مہلت دینا۔ اس کے مشتقات موجود فی القرآن المجید کی تعداد بائیس ہے یہ بھی سب ظاء سے ہیں۔ اَنْظِرْ کے لفظ سے مصنفؒ نے اس باب کے مشتقات کی طرف اشارہ کیا ہے اور خود لفظ اَنْظِرْ بھی قرآن مجید موجود ہے اور وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ بھی اسی باب سے ہے اور لفظ عَظْمِ (بفتح العین) بھی قرآن مجید میں آیا ہے اور اس کی جمع اَلْعِظَامَ (بالتعریف) اور عِظَامًا (بالتنکیر) بھی وارد ہوئی ہے واحد اور جمع دونوں کی مجموعی تعداد پندرہ ہے اور یہ بھی ظاء کے ساتھ ہیں۔ عَظْم ہڈی کو کہتے ہیں۔

اور لفظ ظَهْرِ (بفتح الظاء بمعنی کمر) بھی قرآن شریف میں آیا ہے اور اس کی جمع بھی وارد ہوئی ہے لفظ ظَهْر چار جگہ اور ظُهُوْر (جمع) گیارہ جگہ ہے اور ایک جگہ یعنی سورۂ ہود میں (ع ۸) ظِهْرِيًّا آیا ہے اور سورۂ احزاب کے پہلے رکوع میں تُظٰهِرُوْنَ اور سورۂ مجادلہ کے رکوع ۱ میں يُظٰهِرُوْنَ

دو جگہ آیا ہے جو ظہار کرنے کے معنی میں ہے اور چونکہ ظہار کا معنی یہ ہے کہ اپنی بیوی سے کوئی شخص اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّیْ کہے اس لئے یہ دونوں صیغے بھی ظَھْر (بفتح الظاء) سے ہی مشتق ہیں۔ اور لفظ لَفْظٌ کا مادہ قرآن شریف میں صرف ایک جگہ یعنی سورۂ قٓ کے دوسرے رکوع کے شروع میں وارد ہوا ہے۔ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ۔

(54) ظَـاهِـرُ لَـظَـى شُـوَاظُ كَـظْـمٍ ظَـلَـمَـا
اُغْـلُـظْ ظَلَامِ ظُـفُـرٍ انْـتَـظِـرْ ظَـمَـا

﴿ت﴾ "لفظ ظَاھِرٌ (اور اس کے مادہ) میں اور کَظْمٌ (اور اس کے مادہ) میں اور شُوَاظٌ اور ظَلَمْ (اور اس کے مادہ) میں اور اُغْلُظْ (اور اس کے مادہ) میں اور ظَمَأٌ میں ظاء ہے۔"

﴿تشریح﴾ ظَھَرَ یَظْھُرُ کا مادہ بھی ظاء سے ہے اس کے مشتقات قرآن مجید میں بہت سے ہیں جو مختلف ابواب (مجرد و مزید فیہ) پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ لفظ ظَاھِرِیْنَ اور لِیُظْھِرَهٗ اور اَظْھَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ اور فَلَا یُظْھِرُ اور تَظَاھَرُوْنَ اور اِنْ تَظٰھَرُوْا یہ سب ظاء سے ہیں اور لَظٰی بھی ظاء سے ہے جو سورۂ معارج کے پہلے رکوع میں ہے اور ایک جگہ باب تفعل صیغہ مضارع کی صورت میں بھی وارد ہوا ہے یعنی سورۂ واللیل میں فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰی ہے یہ بھی ظاء سے ہے یہ اصل میں تَتَلَظّٰی تھا ایک تاء حسب قاعدہ صرفیہ حذف ہوگئی ہے۔

اور شُوَاظٌ بھی ظاء کے ساتھ ہے جو قرآن مجید میں صرف ایک جگہ یعنی سورۂ رحمٰن کے دوسرے رکوع میں واقع ہے یُرْسَلُ عَلَیْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَّنُحَاسٌ اور كَظْمٌ (غصہ پی جانا) کے مشتقات بھی قرآن مجید میں موجود ہیں۔ جن کی تعداد چھ ہے۔ ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِیْمٌ اور وَالْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ اور وَهُوَ مَكْظُوْمٌ وغیرہ۔ اور لفظ ظُلْمٌ بھی اپنے مشتقات سمیت قرآن مجید میں بکثرت وارد ہوا ہے شراح نے اس کی تعداد دو سو بیاسی بتائی ہے چنانچہ اَلظّٰلِمُوْنَ اور اَلظّٰلِمِیْنَ اور ظَلَّامٌ اور ظَلُوْمٌ اور ظَلَمْتُمْ اور تُظْلَمُوْنَ وغیرہ یہ سب ظُلْمٌ

سے مشتق ہیں اور بالظاء ہیں۔

اور اُغْلُظْ (صیغہ امر جو غِلْظَةٌ بمعنی سختی سے مشتق ہے) ظاء کے ساتھ ہے خود اس کا مصدر یعنی غِلْظَةٌ بھی قرآن مجید میں موجود ہے اور بعض دیگر مشتقات بھی پائے جاتے ہیں جیسے غَلِيظَ الْقَلْبِ حسب تحقیق وتفتیش شراح کرام یہ مادہ قرآن مجید میں سترہ جگہ ہے اور ظَلَامٌ جو اندھیرے کے معنی میں ہے اس کا مادہ قرآن مجید میں چھبیس جگہ آیا ہے مثلاً يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمَاتِ اور إِذَا أَظْلَمَ وغیرہ شیخ زکریاؒ وغیرہ نے فرمایا ہے کہ یہ مادہ قرآن شریف میں سو جگہ ہے مگر ملا علی قاریؒ نے اس کی تغلیط کی ہے۔

اور ظُفُرٌ (بمعنی ناخن) قرآن شریف میں صرف ایک جگہ ہے یعنی سورۂ انعام کے رکوع ۱۸ میں كُلَّ ذِي ظُفُرٍ اس میں ظاء اور فاء دونوں پر ضمہ ہے۔ بعض قراءات شاذہ میں بسکون الفاء بھی ہے اسی قراءت کے اعتبار سے مصنفؒ نے متن میں بالسکون لیا ہے جس سے وزن شعری ٹھیک ہو گیا۔

اور اِنْتَظِرْ (صیغہ امر از اِنْتِظَار جو نَظَرَ سے باب افتعال ہے) یہ بھی ظاء سے ہے اور اِنْتَظِرْ کے علاوہ دوسرے صیغے بھی قرآن مجید میں موجود ہیں جیسے مُنْتَظِرُوْنَ اور يَنْتَظِرُوْنَ اس مادہ کے جملہ کلمات قرآن مجید میں چودہ ہیں۔

اور ظَمَأٌ (بمعنی پیاس) یہ بھی ظاء سے ہے جو سورۂ توبہ کے رکوع ۱۵ میں موجود ہے اور یہ مادہ قرآن مجید میں اس کے علاوہ دو جگہ اور ہے اول سورۂ طٰہٰ کے ساتویں رکوع میں مضارع منفی کی صورت میں لَا تَظْمَؤُ فِيهَا اور دوسرا سورۂ نور کے رکوع میں فعلان کے وزن پر معرف باللام آیا ہے۔ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَآءً۔ فاحفظ۔

(55) أَظْفَرَ ظَنًّا كَيْفَ جَا وَعْظٍ سِوٰى
عِضِينَ ظَلَّ النَّحْلِ زُخْرُفٍ سَوَا

﴿ت﴾ "أَظْفَرَ اور ظَنًّا (کے مادہ میں) اور وَعْظٌ (کے مادہ) میں جس طرح بھی آئے ظاء ہے سوائے عِضِينَ کے (جو سورۂ حجر میں ہے) اور ظَلَّ سورۂ نحل اور سورۂ زخرف میں ایک ہی طرح ہیں۔ (اور بالظاء ہیں)"

﴿تشریح﴾ جمع عضة كقولهم ثبوت وظبوت في جمع ثبة وظبة من العضوا ومن العضة واصل عضة في لغة عضهته وفي لغة عضوة جعلوا القران عضين اى مفرقا فقالوا كهانة وقالوا اساطير الاولين الى غير ذلك مما وصفوا به۔ مفردات راغب۔

اَظْفَرَ (بمعنی کامیاب کیا) جو ظَفَر سے مشتق ہے یہ کلمہ قرآن شریف میں صرف ایک جگہ ہے یعنی سورۂ فتح کے رکوع ۳ میں آیا ہے مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَ كُمْ عَلَيْهِمْ اور ظَنًّا (مضاعف) کا مادہ قرآن شریف میں بہت سی جگہ آیا ہے ظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ۔ اَلَا يَظُنُّ، اِنَّهٗ ظَنَّ۔ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا اور اَلظَّانِّيْنَ اور ظَنُّوْا اور ظَنَنْتُ وغیرہ۔

یہ سب ظاء سے ہیں ان کا مادہ ظـــــنٌّ ہے۔ قرآن مجید میں اس مادہ کی تعداد سرسٹھ اور بعض حضرات کی گنتی کے مطابق اٹہتر ہے' یہ مادہ شک اور یقین دونوں کے لئے آتا ہے اور تہمت لگانے کے لئے بھی کلام عرب میں مستعمل ہے اور ترجيح احد الامرين على الاخر کے لئے بھی آیا ہے ہر صورت میں بالظاء ہی ہے۔

مصنفؒ نے كَيْفَ جَا فرما کر یہ بات واضح فرمادی ہے کہ یہ مادہ جس صیغہ میں ہو اور جس معنی کے لئے ہو بہر حال بالظاء ہوگا اور بعض حضرات نے كَيْفَ جَا کا تعلق آئندہ کلمہ یعنی وَعْظٌ سے جوڑ دیا ہے لیکن وہ خلاف ظاہر ہے اور مادہ وَعْــظٌ بھی ظاء کے ساتھ ہے جو عذاب سے ڈرانے اور ثواب کی ترغیب دلانے کے لئے مستعمل ہوتا ہے قرآن شریف میں یہ مادہ پچیس جگہ ہے وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ۔ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا۔ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوَاعِظِيْنَ وغير ذلك۔ لیکن عِضِيْنَ جو سورۂ حجر کے ختم کے قریب ہے بالاتفاق ضاد کے ساتھ ہے چونکہ یہ کلمہ بظاہر عِظٌ کے مشابہ تھا اس لئے مصنفؒ نے اس کو بالتصریح مستثنیٰ کر کے بتادیا۔

اور ظَلَّ يَظَلُّ کا مادہ قرآن شریف میں نو جگہ ہے جس میں سے دو جگہیں شعر (۵۵) میں مصنفؒ نے یہ کہہ کر بیان کردی ہیں کہ ظَلَّ النَّحْلِ زُخْرُفٍ سَوَا۔ یعنی ظَلَّ (بالظاء) سورۂ نحل اور سورۂ

زخرف میں آیا ہے اور دونوں جگہ ایک ہی طرح عبارت ہے یعنی ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا سورۂ نحل کے ساتویں رکوع میں ہے اور سورۂ زخرف کے دوسرے رکوع میں ہے اور سات مواقع کی طرف مصنفؒ نے شعر (۵۶) میں اشارہ فرمایا ہے اور ایک موقع شعر (۵۷) کے شروع میں بتایا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

(56) وَظَلْتَ ظَلْتُمْ وَبِرُوْمٍ ظَلُّوْا
كَالْحِجْرِ ظَلَّتْ شُعَرَا نَظَلّْ

﴿ت﴾ ''اور ظَلْتَ اور ظَلْتُمْ اور ظَلُّوْا جو سورۂ روم میں ہے اور اس ظَلُّوْا کی طرح ہے جو سورۂ حجر میں ہے اور ظَلَّتْ اور نَظَلُّ جو سورۂ شعراء میں ہے یہ سب بالظاء ہیں۔''

﴿تشریح﴾ یعنی تیسری جگہ مادہ مذکورہ سورۂ طٰہٰ میں ہے ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا (ع۵) اور چوتھی جگہ سورۂ واقعہ میں ہے فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ (ع۲) اور پانچویں جگہ سورۂ روم میں ہے لَظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ (ع۵) اور چھٹی جگہ سورۂ حجر میں ہے وہاں بھی ظَلُّوْا (بصیغۂ الجمع المذکر ماضی ہی کا صیغہ ہے فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ (ع۱) مصنفؒ نے لفظ كَالْحِجْرِ فرما کر اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اور ساتویں جگہ یہ مادہ سورۂ شعراء کے پہلے رکوع میں ہے فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِيْنَ (ع۱) آٹھویں جگہ سورۂ شعراء کے پانچویں رکوع میں ہے یعنی فَنَظَلُّ لَهَا عَاكِفِيْنَ اور نویں جگہ یہ مادہ سورۂ شوریٰ میں ہے فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ (ع۴) اس جگہ کو مصنف نے آئندہ شعر کے اول میں بیان کیا ہے یہ سب کلمات ظائے معجمہ سے ہیں۔

﴿فائدہ﴾ ظَلْتَ اور ظَلْتُمْ سے خلاف قیاس تخفیفاً ایک لام حذف ہو گیا ہے حقیقت میں ظَلِلْتَ اور ظَلِلْتُمْ تھا فاحفظ۔

(57) يَظْلَلْنَ مَحْظُوْرًا مَعَ الْمُحْتَظِرِ
وَكُنْتَ فَظًّا وَّجَمِيْعِ النَّظَرِ

﴿ت﴾ "يَظْلَلْنَ (بھی) ظاء سے ہے اور مَحْظُوْرًا اور مُحْتَظِرْ اور فَظًّا اور نَظَرَ کے تمام الفاظ و مشتقات یہ سب ظاء ہی کے ساتھ ہیں۔"

﴿تشریح﴾ یعنی يَظْلَلْنَ بھی ظائے معجمہ سے ہے جو سورۂ شوریٰ میں ہے اور مَحْظُوْرًا اور مُحْتَظِرِ بھی ظائے معجمہ سے ہیں ان کا مادہ حَظْر ہے جس کے معنی روکنے کے ہیں اور یہ مادہ قرآن مجید میں صرف انہی دو لفظوں میں آیا ہے اور ان میں سے ہر لفظ ایک ایک ہی جگہ ہے وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا (سورۂ بنی اسرائیل ع۲) فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ (سورۂ قمر ع۲)

اور فَظًّا بھی ظائے معجمہ کے ساتھ ہے جو سورۂ آل عمران کے رکوع ۱۷ میں ہے اور یہ مادہ قرآن شریف میں صرف اسی ایک جگہ ہے جو سخت مزاج کے معنی میں ہے۔

اور مادہ نَظَرَ جو دیکھنے اور غور کرنے کے معنی میں ہے اس کے تمام مشتقات و کلمات ظائے معجمہ ہی کے ساتھ ہیں جو چھیاسی جگہ قرآن مجید میں آئے ہیں جیسے اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ اور فَانْظُرِيْ مَاذَا تَأْمُرِيْنَ اور اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ اور وَانْظُرْ اِلٰى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا اور فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَا اَزْكٰى طَعَامًا اور فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ وغیرہ۔

(58) اِلَّا بِوَيْلٍ هَلْ وَ اُوْلٰى نَاضِرَهْ
وَالْغَيْظِ لَا الرَّعْدِ وَهُوْدٍ قَاصِرَهْ

﴿ت﴾ "مگر سورۂ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ اور سورۂ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ میں لفظ نَضْرَةً ضاد کے ساتھ ہے اور سورۂ قیامہ میں پہلی جگہ جو نَاضِرَةٌ ہے وہ بھی ضاد سے ہے لفظ غَيْظِ ظاء سے ہے لیکن سورۂ رعد اور سورۂ ہود میں (غِيْضَ کے جو مشتقات ہیں وہ ضاد سے ہیں) جو نقصان کے معنی پر دلالت کرتے ہیں۔"

﴿تشریح﴾ شعر ۵۷ کے آخر میں یہ فرمانے کے بعد کہ نَظَرَ کے کلمات و مشتقات بالظاء ہیں اب اس میں تین ایسے کلمات کا استثناء کر رہے ہیں جن کے بارے میں یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید یہ بھی ظاء سے ہوں اور یہ استثناء منقطع ہے مطلب یہ ہے کہ سورۂ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ (یعنی سورۂ تطفیف جو

آخری پارہ میں ہے اس میں لفظ نَضْرَةَ ضاد سے ہے اس کو ظاء سے نہ سمجھ لینا اور وہ اس آیت میں ہے تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ اسی طرح سورہَ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَان یعنی سورۂ دہر (پ۲۹ میں) جو لفظ نَضْرَةً ہے وہ بھی ضاد سے ہے جو اس آیت میں ہے فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا اسی طرح سورۂ قیامہ کے پہلے رکوع میں جو یہ آیت ہے وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ۔ اس میں پہلا نَاظِرَةٌ ضاد سے ہے اور دوسرا نَاظِرَةٌ ظاء سے ہے۔

اور مادہ غَيْظِ بھی ظاء سے ہے اور جو قرآن شریف میں گیارہ جگہ ہے جس کے معنی غصہ کے ہیں جیسے عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ اور تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ وغیرہ، لیکن دو جگہ ضاد کے ساتھ ہیں اور وہاں اس کے معنی بھی دوسرے ہیں۔ پہلی جگہ تو سورۂ هُود میں ہے وَغِيْضَ الْمَاءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ اور دوسری جگہ سورۂ رعد کے دوسرے رکوع میں ہے وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ۔ غِيْضَ ماضی مجہول کا صیغہ ہے مثل بِيْعَ اور تَغِيْضُ واحد مونث غائب مضارع معروف کا صیغہ ہے۔ بروزن تَبِيْعُ ان کا مادہ غَيْض ہے جو کم کرنے کے معنی میں آتا ہے۔

دونوں جگہ آیت کا ترجمہ اور مطلب تفسیر کی کتابوں میں دیکھ لیجئے ان دونوں کلمات کو اَلْغَيْظ سے مستثنیٰ کر دیا۔ اور اس استثناء کی ضرورت غَيْظٌ اور غَيْض کی باہمی مشابہت کی وجہ سے پیش آئی۔

لفظ "قَاصِرَةٌ" جو شعر کے آخر میں ہے۔ بعض شراح نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ غِيْضَ اور تَغِيْضُ میں طول والی ظاء نہیں ہے بلکہ قصر والی ضاد ہے۔ اور یہ خط کوفی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ خط کوفی میں ظاء میں الف لکھا جاتا ہے جیسے ظَلَمَ اور ضاد میں الف نہیں لکھا جاتا ہے جیسے غَضَبٌ اس کو خوب غور کرو جب سمجھ میں آئے گا۔

اور بعض شراح نے قَاصِرَةٌ کا مطلب یہ بتایا ہے کہ غِيْضَ کا ظاء سے نہ ہونا سورۂ رعد اور سورۂ ہود ہی پر منحصر و مقتصر ہے ان دونوں صورتوں کے علاوہ اور کسی جگہ غِيْضَ بالضاد نہیں ہے۔ اور تیسرا مطلب وہ ہے جو ترجمہ میں ظاہر کیا گیا۔

(59) وَالْحَظِّ لَا الْحَضِّ عَلَى الطَّعَامِ
وَفِيْ ضَنِيْنِ نِ الْخِلَافُ سَامِيْ

﴿ت﴾ ''اور حَظِّ (بمعنی حصہ) میں بھی ظاء ہے ہاں حُضٌّ عَلَى الطَّعَامِ میں ظاء نہیں ہے اور ضَنِيْنِ (سورۂ تکویر) میں (قراء کا) اختلاف بلند ہے (یعنی معروف ومشہور ہے)''

﴿تشریح﴾ مطلب یہ ہے کہ حَظِّ (بمعنی حصہ) کا مادہ بھی ظاء سے ہے اور یہ مادہ قرآن شریف میں سات جگہ ہے مثلاً يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ لَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ (آل عمران ع ۵) اور اِنَّهٗ لَذُوْحَظٍّ عَظِيْمٍ (قصص ع ۸) اور اِلَّا ذُوْحَظٍّ عَظِيْمٍ (حم السجدہ ع ۵) وغیرہ اور رغبت دلانے کے معنی میں جو حَضّ ہے وہ ضاد کے ساتھ ہے قرآن شریف میں وہ تین جگہ ہے اور ہر جگہ مسکین کو کھانا نہ کھلانے کی شکایت کے سلسلہ میں ہے۔ اول سورۂ حاقہ (پ ۲۹) کے پہلے رکوع کے ختم پر ہے اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ اور دوسرا سورۂ فجر میں ہے: كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ اور تیسرا سورۂ ماعون میں ہے فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ۔ تینوں جگہ چونکہ لفظ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ بھی ساتھ ہی متصل ہے جو جار مجرور مل کر فعل سابق سے متعلق ہے اس لئے مصنفؒ نے اس مادہ کا ذکر فرماتے ہوئے لفظ عَلَى الطَّعَامِ بھی فرمایا ہے۔

وہ تمام مادے بیان کرنے کے بعد جن میں بالاتفاق جملہ قراء کی قراءت میں ظاء ہے مصنفؒ نے اخیر میں ایک ایسا کلمہ بتایا ہے جس میں ضاد بھی پڑھا گیا ہے اور ظاء بھی۔ اسی کو شعر (۵۹) کے مصرع دوم میں فرمادیا ہے کہ وَفِيْ ضَنِيْنِ نِ الْخِلَافُ سَامِيْ یعنی سورۂ تکویر میں جو ختم کے قریب وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ (بِضَنِيْنٍ اى ببخيل اوْ متهم من الظنة) وارد ہوا ہے اس میں قراء کا اختلاف مشہور ہے یعنی قرآءت سبعہ میں ظاء سے بھی پڑھا گیا ہے اور ضاد سے بھی۔ چنانچہ

ابن کثیرؒ۔ ابوعمروؒ اور کسائیؒ نے ظاء سے پڑھا اور باقی حضرات ضاد سے پڑھتے ہیں۔

﴿فائدہ﴾ مصنفؒ نے یہاں انتیس مواد ذکر کئے ہیں جن میں بالاتفاق جملہ قراء کی قرآءت میں ظاء ہے ان مواد کے بیان میں مصنفؒ نے اشتقاق صرفی کا لحاظ نہیں فرمایا اور نہ اصلی حروف ہجاء کے اعتبار سے مجموعہ حروف کو ایک مادہ قرار دیا۔ بلکہ طلبہ کی سہولت کے لئے معنوی اعتبار سے کلمات کو لیا ہے اسی وجہ سے عُظْم (بضم العین) اور عَظْم (بفتح العین) علیحدہ علیحدہ دو مادے شمار کرائے ہیں حالانکہ دونوں کو اس حیثیت سے ایک ہی مادہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر ایک ع۔ ظ۔ م کا مجموعہ ہے جیسا کہ قاموس وغیرہ میں ہے۔ ایک ہی عنوان "عَظْم" قائم کر کے اس ذیل کے جملہ کلمات بتا دیئے ہیں خواہ معانی ان کے مختلف ہوں۔ اسی طرح مصنفؒ نے انظار اور انتظار کو علیحدہ علیحدہ شمار کرایا ہے اور ان کا اصل ماخذ جو نظر ہے اس کو الگ بتایا ہے کیونکہ ہر ایک کا معنی جدا جدا ہے۔ فاحفظ

بَابُ التَّحْذِيْرَاتِ

تحذیرات کا بیان

اس عنوان کے تحت مصنفؒ نے ان چیزوں پر تنبیہ کی ہے جن کا دھیان نہ کرنے سے اکثر غلطی ہو جاتی ہے۔

تحذیر ڈرانے کو کہتے ہیں چونکہ یہاں بعض غلط باتوں سے ڈرایا گیا ہے یعنی بچایا گیا ہے اس لئے باب التحذیرات کا عنوان قائم کیا گیا۔ اس طرح کی چیزیں تو بہت ہیں جن میں سے بہت سی چیزیں مصنفؒ شعر (۳۴) سے شعر (۴۰) تک بیان کر آئے ہیں (ان کا بھی دھیان رکھنا لازم ہے) مگر یہاں ان کے علاوہ چند باتوں پر تنبیہ فرمائی ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

(60) وَإِنْ تَلَاقَيَا الْبَيَانُ لَازِمٌ
أَنْقَضَ ظَهْرَكَ يَعَضُّ الظَّالِمُ

﴿ت﴾ "اور اگر ضاد اور ظاء دونوں ایک جگہ (ساتھ ساتھ) مل کر آجائیں تو (خوب خیال کر کے) دونوں کو ظاہر کر کے پڑھنا لازم ہے (تاکہ ادغام نہ ہو جائے) جیسے (سورۂ الم

شرح میں ہے) اَنْقَضَ ظَهْرَكَ اور (سورۂ فرقان ع ۳ میں ہے) يَعَضُّ الظَّالِمُ۔"

﴿تشریح﴾ مطلب یہ ہے کہ جس جگہ ضاد اور ظاء اکٹھے ہو رہے ہوں اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر آ رہے ہوں وہاں خوب دھیان کر کے دونوں کو جدا جدا کر کے ہر ایک کے مخرج سے اس کی صفات کے ساتھ ادا کرو ایسا نہ ہو کہ ادغام کی سی کیفیت پیدا ہو جائے یا دونوں میں سے کوئی حرف ناقص ادا ہو۔ مثال دیتے ہوئے مصنف نے اَنْقَضَ ظَهْرَكَ اور يَعَضُّ الظَّالِمُ کو پیش کیا ہے۔ پہلی مثال میں وہ موقعہ دکھایا ہے جس میں ضاد اور ظاء رسماً بالکل متصل ہیں اور دونوں میں کوئی فصل نہیں ہے۔

اور دوسرا موقعہ وہ بتایا ہے کہ جس میں پڑھنے میں تو کوئی فصل نہیں ہے لیکن رسماً فصل ہے کیونکہ لام تعریف دونوں کے درمیان میں آ گیا ہے بہرصورت ہر موقعہ میں دونوں کو خوب ظاہر کر کے پڑھنا لازم اور واجب ہے چونکہ دونوں کے مخرج میں بُعد ہے اس لئے ضاد کا ظاء میں ادغام جائز نہیں۔ شارح یمنیؒ کہتے ہیں کہ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ میں ادغام کرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس شعر کے تحت ملا علی قاریؒ نے قراء اور فقہاء کے کچھ اقوال متعلقہ فساد صلوٰۃ اور عدم فساد (بتبدیل الضاد بالظاء) نقل کئے ہیں۔ ہمارے نزدیک ان کا محل کتب فقہ ہیں لہٰذا ہم ترک کرتے ہیں۔

(61) وَاضْطُرَّ مَعْ وَعَظْتَ مَعْ اَفَضْتُمْ
وَصَفِّ هَا جِبَاهُهُمْ عَلَيْهِمْ

﴿ت﴾ "اور اُضْطُرَّ (کے ضاد) اور وَعَظْتَ کی (ظاء) اور اَفَضْتُمْ (کے ضاد) کو ظاہر کرنا لازم ہے اور جِبَاهُهُمْ اور عَلَيْهِمْ کی ھاء کو صاف طریقہ پر ادا کرو۔"

﴿تشریح﴾ صَفِّ بروزن سَمِّ باب تفعیل سے امر کا صیغہ ہے مادہ صَفْوٌ ہے۔
هَا میں ضرورۃً ہمزہ حذف کر دیا گیا ہے (یعنی هَاءِ جِبَاهُهُمْ)

ضاد اور ظاء جب طاء یا تاء سے پہلے آ جائیں تو ان کو خوب ظاہر کر کے پڑھنا لازم ہے ایسا نہ ہو کہ پہلے حرف کا دوسرے حرف ہیں ادغام ہو جائے جیسا کہ بہت سے غیر محتاط حفاظ کر جاتے ہیں چونکہ ضاد

اور ظاء دونوں طاء اور تاء سے قوی ہیں اس لئے ان کا ادغام نہ ہوگا۔ بعض حافظ جوروانی میں فَمَنِ اضْطُرَّ اور وَعَتَّ اور اَفَتُّمْ پڑھ جاتے ہیں سخت غلطی کرتے ہیں اس طرح پڑھنا حرام ہے اور مفسد صلوٰۃ ہے۔

نیز ھاء حرف خفی ہے اس کو ظاہر کر کے پڑھنا چاہیے بہت سے لوگ اِهْدِنَا کو اِیْدِنَا پڑھ جاتے ہیں اور اَلْهٰكُمْ کو اَلَاكُمْ پڑھ جاتے ہیں یہ شدید ترین غلطی ہے خصوصیت کے ساتھ اس موقعہ پر ھاء کو خاص دھیان کے ساتھ خوب صاف ظاہر کر کے پڑھنا لازم ہے جہاں دو ھاء اکٹھی ہوں جیسے جِبَاهُهُمْ یا ھاء سے پہلے یاء ساکنہ ہو جیسے عَلَيْهِمْ بہت سے لوگ اس کو عَلَيْمْ پڑھ کر آگے نکل جاتے ہیں یہ لحن جلی ہے جو حرام ہے۔

بَابٌ فِيْ اَحْكَامِ النُّوْنِ وَالْمِيْمِ الْمُشَدَّدَتَيْنِ

نون اور میم کے احکام

(62) وَاَظْهِرِ الْغُنَّةَ مِنْ نُّوْنٍ وَّمِنْ
مِيْمٍ اِذَا مَا شُدِّدَا وَاَخْفِيَنْ

﴿ت﴾ ”اور نون اور میم کے غنہ کو ظاہر کر جب کہ وہ دونوں مشدد ہوں اور ضرور اخفاء کرے“

(63) اَلْمِيْمَ اِنْ تَسْكُنْ بِغُنَّةٍ لَّدَا
بَآءٍ عَلَى الْمُخْتَارِ مِنْ اَهْلِ الْاَدَا

﴿ت﴾ ”میم کے غنہ کے ساتھ اگر وہ ساکن ہو اور باء کے پاس ہو اس مذہب کی بناء پر جو اہل ادا کے نزدیک مختار ہے۔“

(64) وَاَظْهِرَنْهَا عِنْدَ بَاقِي الْاَحْرُفِ
وَاحْذَرْ لَدٰى وَاوٍ وَّفَا اَنْ تَخْتَفِيْ

﴿ت﴾ ''اور ضرور ظاہر کر میم کو (جب کہ وہ) باقی حروف کے پاس ہو اور اس بات سے ڈر کہ واؤ اور فاء کے پاس میم کی ادائیگی میں اخفا ہو جائے۔''

﴿تشریح﴾ ان تینوں اشعار میں مصنفؒ نے نون اور میم مشدد اور میم ساکن کے احکام بتائے ہیں۔

پہلے شعر کا خلاصہ یہ ہے کہ جب نون اور میم مشدد ہوں (خواہ ادغام کی وجہ سے تشدید آئی ہو خواہ بلا ادغام ہی مشدد ہوں) تو ان دونوں کی ادائیگی غنہ کے ساتھ ہوگی جیسے اِنَّ اللّٰهَ اور فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً اور هَمَّ قَوْمٌ اور ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ اور بِرَبِّ النَّاسِ اور فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ اور اَلنَّارُ اور مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ اور مِنْ مَّآءٍ اور اَمَّنْ خَلَقَ وغیرہ۔ ان جملہ مثالوں میں اور ان کے مثل دیگر کلمات میں نون اور میم کو اپنے مخرج سے نکالتے ہوئے غنہ کو خیشوم سے ادا کرو۔ اس طرح ادا کرنا غلط ہے کہ پہلی آواز خیشوم سے اور دوسری آواز مخرج سے ادا کی جائے کیونکہ اس طرح تشدید فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو جاتا ہے۔

﴿قولہ﴾ اَخْفِيَنَّ الْمِيْمَ الخ یعنی اگر میم ساکن ہو اور اس کے بعد باء آ رہی ہو تو غنہ کے ساتھ اس میم کا اخفاء کرو خواہ میم کا سکون اصلی ہو جیسے اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ یا سکون عارضی ہو جیسے وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ وغیرہ۔

مصنفؒ نے یہ جو فرمایا ہے کہ عَلَى الْمُخْتَارِ مِنْ اَهْلِ الْاَدَا یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اس میں کچھ اختلاف ہے کیونکہ بعض قراء اظہار کی طرف بھی گئے ہیں لیکن معتمد علیہ اور مذہب مختار جس کو جمہور نے اختیار کیا ہے وہ اخفا ہی ہے۔ قال القاریؒ وَهٰذَا الْقَوْلُ هُوَ الْمُعَوَّلُ وَعِنْدَ الْجُمْهُوْرِ عَلَيْهِ الْعَمَلُ وَهُوَ مَذْهَبُ ابْنُ مُجَاهِدٍ وَغَيْرِهٖ وَبِهٖ قَالَ الدَّانِي وَاخْتَارَهُ النَّاظِمُ (صاحب المقدمة الشيخ الجزری) كَمَا صَرَّحَ بِهٖ فِيْ كِتَابِ التَّمْهِيْدِ حَيْثُ قَالَ وَ بِالْاِخْفَاءِ اٰخُذُ وَاِلَى اِظْهَارِهَا ذَهَبَ الْمَكِّيُّ وَابْنُ الْمُنَادِيْ وَتَبِعَهٗ اياز محمد السمر قَنْدِيُّ۔ یعنی اخفاء والے قول ہی پر اعتماد ہے اور اسی پر جمہور کا عمل ہے ابن مجاہد وغیرہ کا یہی مذہب ہے علامہ دانیؒ کا بھی یہی قول ہے علامہ جزریؒ نے بھی کتاب التمہید میں فرمایا ہے کہ میں اسی کو اختیار کرتا ہوں۔ مکیؒ اور ابن منادیؒ اور ایاز محمد سمرقندیؒ نے

اظہار کو اختیار فرمایا ہے۔

اور اس اخفاء کو اخفاء شفوی کہتے ہیں اس کی ادائیگی کی صورت یہ ہے کہ میم کے ادا کرتے وقت ہونٹوں کے خشکی والے حصہ کو نرمی کے ساتھ ملا کر بقدر ایک الف کے میم کا غنہ خیشوم سے ادا کر کے دونوں ہونٹوں کے کھلنے سے قبل ہی ان کے تری والے حصہ کو (جس سے باء ادا ہوتی ہے) سختی کے ساتھ ملا کر باء کو ادا کریں۔

﴿فائدہ﴾ جو نون ساکن یا تنوین اقلاب کے قاعدہ سے میم بن گیا ہو چونکہ اس کے بعد بھی باء ہوتی ہے اس لئے وہاں بھی اخفاء مع الغنہ ہوتا ہے جیسے مِنۡم بَعۡدِہٖ۔

﴿فائدہ ثانیہ﴾ میم ساکن اگر ضمیر جمع کی میم ہو تو اس میں اخفاء و ادغام اس صورت میں ہوتا ہے جب کہ صلہ کے ساتھ نہ پڑھی جاتی ہو کیونکہ اگر صلہ کے ساتھ پڑھیں گے تو اظہار ہوگا جیسے **وَمَا هُمۡ بِمُؤۡمِنِيۡنَ بالصلة علی قراءۃ ابن کثیرؒ (فاحفظ)**

میم ساکن کے بعد اگر دوسری میم ہو تو وہاں ادغام مثلین غنہ کے ساتھ ہوگا جیسے **لَكُمۡ مَّا كَسَبۡتُمۡ** اور **اِنَّآ اِلَيۡكُمۡ مُّرۡسَلُوۡنَ**۔

چونکہ مصنفؒ ادغام مثلین کو باب الادغام میں بیان کر چکے ہیں جس میں میم کا میم میں مدغم ہونا بھی آ گیا اس لئے یہاں میم کے احکام میں ادغام کا ذکر نہیں فرمایا ہاں میم مشدد کا یہ حکم بتا کر کہ وہ بالغنہ ادا ہوتا ہے میم کے ادغام کی طرف اشارہ بھی فرما دیا۔

شعر (۶۴) میں مصنفؒ نے میم ساکن کا دوسرا حکم بیان فرمایا ہے مطلب یہ ہے کہ میم اور باء کے علاوہ باقی حروف سے قبل اگر میم ساکن آئے تو وہاں میم کا اظہار کرو یعنی بلا غنہ اور بلا اخفاء کے ادا کرو خصوصاً جب کہ واؤ اور فاء سے قبل آ جائے تو وہاں دھیان کے ساتھ اظہار کرو اسی کو **وَاحۡذَرۡ لَدٰی وَاوٍ وَفَاءٍ اَنۡ تَخۡتَفِيۡ** فرما کر واضح فرمایا ہے گو **لفظ باقی الاحرف** کے عموم میں یہ دونوں (یعنی واؤ و فاء) بھی شامل ہیں لیکن مستقل طریقہ پر ان کا ذکر اس لئے کیا کہ یہ دونوں حروف شفویہ ہیں جس کی وجہ سے میم میں واؤ یا فاء کی بو آ جانا اقرب ہے۔ لہٰذا خاص طور سے تنبیہ فرما دی۔

صاحب فوائد مکیہ لکھتے ہیں کہ بوف کا قاعدہ جو مشہور ہے کہ میم ساکن کے بعد باء آئے تو اخفاء ہوگا اور اگر واؤ اور فاء آئے تو اس طرح ادا کیا جائے کہ میم کے سکون میں حرکت کی بو آ جائے یہ اظہار حرکت

بالکل بے اصل ہے بلکہ میم کا سکون بالکل تام ہونا چاہیے حرکت کی ہوا بھی نہ لگے۔

اظہار میم کی چند مثالیں یہ ہیں۔

اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ اور مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِيْ اور تُمْسُوْنَ اور تَمْتَرُوْنَ اور خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ۔ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ وغیرہ۔

بَابٌ فِيْ اَحْكَامِ النُّوْنِ السَّاكِنَةِ وَ التَّنْوِيْنِ

نون ساکن اور تنوین کے احکام

اب مصنفؒ نون ساکن اور تنوین کے احکام بیان فرماتے ہیں۔تنوین باب تفعیل کا مصدر ہے جس کا لفظی ترجمہ ''نون بنانا'' اور پرندہ کا آواز نکالنا'' ہے اور اصطلاحاً اس نون ساکن کو تنوین کہتے ہیں جو پڑھنے میں آئے اور لکھنے میں نہ آئے اور وصل میں ثابت ہے اور وقف میں یا تو حذف ہو جاتا ہے یا الف سے بدل جاتا ہے اور ہمیشہ آخر کلمہ میں ہوتا ہے درمیان میں نہیں ہوتا اور اصل وضع کے اعتبار سے شروع سے ہی ساکن ہوتا ہے اور تاکید کے لئے نہیں آتا اور کتابت میں نون کی آواز ظاہر کرنے کے لئے دو زبر یا دو زیر یا دو پیش لکھ دیئے جاتے ہیں۔تنوین فعل اور حرف میں نہیں آتی ہمیشہ اسم میں آتی ہے۔البتہ تنوین ترنم فعل کے آخر میں بھی آجاتی ہے جیسے وقولي ان اصبت لقد اصابن۔

اور نون ساکن اس نون کو کہتے ہیں جو پڑھنے میں بھی آتا ہو اور لکھنے میں بھی نیز وقف میں بھی ثابت رہتا ہے اور وصل میں بھی اور اسم فعل اور کلمہ تینوں اقسام میں آتا ہے۔نیز کلمہ کے درمیان میں بھی آتا ہے اور آخر میں بھی اور شروع ہی سے اس کا ساکن ہونا ضروری نہیں اور کبھی تاکید کے لئے بھی آتا ہے جسے نون خفیفہ کہتے ہیں۔

(65) وَحُكْمُ تَنْوِيْنٍ وَّنُوْنٍ يُّلْفٰى
اِظْهَارٌ ِادْغَامٌ وَّ قَلْبٌ اِخْفَا

﴿ت﴾ ''اور تنوین و نون (ساکن) کا حکم (یہ) پایا جاتا ہے کہ (کبھی) اظہار (ہوتا ہے)

(اور کبھی) ادغام (اور کبھی) قلب (اور کبھی) اخفاء۔"

﴿تشریح﴾ یعنی نون ساکن اور تنوین کے چار احکام ہیں۔ گو مصنفؒ نے نون کے ساتھ یہاں ساکن کی قید نہیں لگائی ہے مگر چونکہ تنوین کے ساتھ اس کو بیان کیا ہے اس لئے لامحالہ نون ساکن ہی مراد ہے۔ چاروں احکام یہ ہیں۔

(۱) اظہار (۲) ادغام (۳) قلب (۴) اخفاء۔ ان کی توضیح آگے آئے گی۔

66 فَعِنْدَ حَرْفِ الْحَلْقِ اَظْهِرْ وَادَّغِمْ
فِي اللَّامِ وَالرَّا لَا بِغُنَّةٍ لَزِمْ

﴿ت﴾ "پس حروف حلقیہ کے قریب نون ساکن اور تنوین کا اظہار کر اور ان دونوں کا ادغام کر لام اور راء میں جو بلا غنہ ہو اور یہ ادغام لازم ہو گیا۔"

67 وَاَدْغِمَنْ بِغُنَّةٍ فِي يُوْمِنْ
اِلَّا بِكِلْمَةٍ كَدُنْيَا عَنْوَنُوْا

﴿ت﴾ "اور ادغام کر (نون ساکن اور تنوین کا) يُوْمِنْ (کے چار حرفوں) میں مگر یہ کہ ایک کلمہ میں ہوں (تو اس صورت میں خلاف ادغام یعنی اظہار ہوگا) جیسے لفظ دُنْيَا اور عَنْوَنُوْا۔"

﴿تشریح﴾ امر من الادتغام وهوا فتعال من الدغم جاء بصيغة الافتعال مكان الافعال لضرورة الوزن وادغمت الدال فى تاء الافتعال۔

بعض نسخوں میں لَزِمَ کی جگہ اَلَمْ ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نون ساکن اور تنوین کا ادغام لام اور راء میں کامل تر ہے۔

یعنی نون ساکن اور تنوین کے بعد اگر حروف حلقیہ میں سے کوئی حرف آ جائے تو وہاں ان دونوں کا اظہار ہوگا نہ غنہ ہوگا نہ اخفاء اور نہ ادغام مثلاً وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ۔ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ۔ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ۔ اَنْعَمْتَ۔ وَجَنّٰتٍ اَلْفَافًا۔ وَحُوْرٌ عِيْنٌ۔ مِنْ غِلٍّ اِخْوَانًا۔ فَسَيُنْغِضُوْنَ۔ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔ وَالْمُنْخَنِقَةُ۔ اِنْ خِفْتُمْ۔ تَنْحِتُوْنَ۔ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ۔ حَقِيْقٌ

عَلٰی۔ اَنْ لَّا اَقُوْلَ۔ حَلِیْمًا غَفُوْرًا۔ یَوْمَئِذٍ خَاشِعَۃٌ۔ اِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ۔

یہ مثالیں نون ساکن کی بھی ہیں اور تنوین کی بھی۔ نون ساکن کے بعد حرف حلقی کا آنا ایک کلمہ میں بھی ہوسکتا ہے جیسے اوپر شروع میں دو مثالیں ہیں۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نون ساکن پہلے کلمہ کے آخر میں ہو اور حرف حلقی دوسرے کلمے کے شروع میں ہو لیکن تنوین چونکہ ہمیشہ متطرف یعنی آخری کلمہ ہی میں ہوتی ہے اس لئے یہ نہیں ہوسکتا کہ تنوین اور حروف حلقی دونوں ایک کلمہ میں پائے جاسکیں مذکورہ مثالوں میں غور کرلو ہر طرح کی مثالیں ہیں۔

اظہار کے بعد مصنفؒ نے ادغام بلا غنہ کے مواقع بتائے ہیں جس کی تشریح یہ ہے کہ نون ساکن اور تنوین کے بعد جس جگہ لام یا راء آجائے وہاں ادغام تام بلا غنہ ہوگا جیسے مِنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ اور هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ اور مِنْ رَّبِّكَ اور ثَمَرَۃٍ رِّزْقًا اور بَشَرًا رَّسُوْلًا وغیرہ۔

چھ حرفوں میں نون ساکن اور تنوین کا ادغام ہوتا ہے جن کا مجموعہ لفظ یَرْمَلُوْنَ ہے ان میں سے لام اور راء میں ادغام تام بلا غنہ ہوتا ہے یہ ادغام ضروری اور لازم ہے جس کو لفظ لَزِمْ فرما کر گزشتہ شعر میں مصنف بیان فرما چکے ہیں۔ شعر نمبر (٦٧) میں بتایا ہے کہ م، ن، و، ی میں نون ساکن اور تنوین کا ادغام بالغنہ ہوتا ہے لیکن میم اور نون میں ادغام تام اور واؤ اور یاء میں ادغام ناقص ہوتا ہے یعنی اداء کرتے وقت مدغم کی صفت (غنہ) باقی رہتی ہے ان چاروں حروف کو مصنفؒ نے مجموعہ یُوْمِنْ میں بتایا ہے اور کسی نے یَنْمُوْ اور کسی نے مَنْوِیٌّ ان چاروں کا مجموعہ مرتب کیا ہے مثالیں یہ ہیں مَنْ یَّقُوْلُ۔ مِنْ وَّرَآئِهِمْ۔ مَنْ نَّشَآءُ۔ مِنْ مَّآءٍ۔ جَنّٰتٍ یَّتَسَآءَلُوْنَ۔ مَلَكًا نُّقَاتِلُ۔ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ۔ هُدًی وَّنُوْرٌ یہ آٹھ مثالیں ہیں چار نون ساکن کی اور چار تنوین کی ہیں تنوین تو کلمہ کے درمیان میں آ ہی نہیں سکتی اس لئے ضروری ہے کہ اس کا مدغم فیہ دوسرے کلمہ میں ہو اور نون ساکن درمیان کلمہ میں آکر اس کے بعد اسی کلمہ میں واؤ اور یاء آسکتے ہیں اور قرآن مجید میں اس طرح کے چار کلمات آئے بھی ہیں۔ لیکن ان میں ادغام نہیں ہوتا۔ وہ چار کلمات یہ ہیں۔

اَلدُّنْیَا، قِنْوَانٌ، بُنْیَانٌ، صِنْوَانٌ ان میں ادغام نہ ہونے کا اصلی سبب تو روایت کا نہ ہونا ہے لیکن علماء اور قراء نے مِنْ حَیْثُ الدِّرَایَہ بھی اس کا سبب بتایا ہے۔ اور وہ یہ کہ ادغام کرنے سے

لفیف مقرون سے اشتباہ ہو جائے گا کیونکہ دُنْیَا کو دُیَّا اور بُنْیَانٌ سے بُیَّانٌ پڑھنا پڑھے گا۔اور اس طرح پڑھنے سے دُیَّا کی اصل دال اور دو یاء سمجھ میں آئے گی حالانکہ اس کا مادہ دُنُوٌّ ہے اور بُیَّانٌ کی اصل باء اور دو یاء سمجھ میں آئے گی حالانکہ اس کا مادہ باء' نون' یاء ہے۔ وَقِسْ عَلَيْهِ قِوَّانٌ وَ صِوَّانٌ۔

اسی کو علامہ شاطبیؒ فرماتے ہیں:

وَعِنْدَهُمَا لِلْكُلِّ اَظْهِرْ بِكِلْمَةٍ　　مَخَافَةَ اِشْبَاهِ الْمُضَاعَفِ اَثْقَلَا

اور یہ اشتباہ امام حمزہؒ کے راوی خلفؒ کے مذہب کی بنا پر زیادہ اوضح ہے کیونکہ ان کے نزدیک نون ساکن اور تنوین کا ادغام واؤ اور یاء میں بھی بلا غنہ ہوتا ہے۔ پس مصنفؒ کا مطلق بِغُنَّةٍ فرما دینا قرآءت تامہ کی بنا پر ہے۔

مصنفؒ نے اِلَّا بِكِلْمَةٍ كَدُنْيَا عَنْوَنُوْا کہہ کر یہی بات بتائی ہے کہ نون ساکن اور واؤ یا یاء اگر ایک کلمہ میں ہوں تو ادغام نہ ہوگا۔

﴿فائدہ﴾ یٰسٓ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيْمِ اور نٓ وَالْقَلَمِ میں قاعدہ مذکورہ بالا کے مطابق نون ساکن کا واؤ میں ادغام ہونا چاہیے لیکن حمزہ حفص ابن کثیر ابو عمرو قالون وغیرہم اظہار کرتے ہیں کیونکہ حروف مقطعات اصل کے اعتبار سے بالکل جدا ہیں اور ہر حرف اپنے مابعد سے کوئی ترکیبی تعلق نہیں رکھتا ہے اور دیگر قراء وصل کا لحاظ کر کے ان میں ادغام کرتے ہیں البتہ ورشؒ سے دونوں طرح مروی ہے اور طٰسٓمٓ میں حمزہؒ اظہار کرتے ہیں اور باقی قراء ادغام کرتے ہیں صاحب نہایۃ القول المفید نے یوں ہی لکھا ہے لیکن صاحب فوائد مکیہ یٰسٓ اور نون کے بارے میں لکھتے ہیں کہ (حفصؒ سے) ادغام بھی ثابت ہے لیکن ادغام بطریق طیبہ ہے بطریق شاطبی اظہار ہی ہے۔

﴿فائدہ ثانیہ﴾ مصنفؒ نے نون ساکن کے ساتھ ایک ہی کلمہ میں یاء آنے کی مثال میں لفظ دُنْيَا کو پیش کیا ہے اور نون ساکن کے بعد ایک ہی کلمہ میں واؤ آنے کی مثال عَنْوَنُوْا لائے ہیں ضرورت شعری کی وجہ سے مصنفؒ نے یہ لفظ اختیار کیا حالانکہ قرآن مجید میں یہ لفظ موجود نہیں ہے اور بعض نسخوں میں بجائے عَنْوَنُوْا کے صَنْوَنُوْا ہے اور وہ اولیٰ ہے کیونکہ قرآن شریف میں اس کی

اصل صِنْوَانٌ موجود ہے اور عَنْوَنُوْا کا مصدر یا اس کے مشتقات میں سے کوئی کلمہ بھی قرآن مجید میں نہیں ہے عَنْوَنُوْا بروزن زَلْزَلُوْا باب فَعْلَلَه سے ماضی کا صیغہ ہے اور مضاعف رباعی ہے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس کلمہ کے لانے سے اس طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ واؤ خواہ زائدہ ہو خواہ اصلیہ بہرحال اس صورت میں نون ساکن کا مدغم فیہ نہ بنے گا جبکہ دونوں ایک کلمہ میں ہوں۔

(68) وَالْقَلْبُ عِنْدَ الْبَا بِغُنَّةٍ كَذَا
اِخْفَا لَدٰى بَاقِي الْحُرُوْفِ اُخِذَا

﴿ت﴾ ''اور نون ساکن اور تنوین کا میم سے بدلنا غنہ کے ساتھ (واجب ہے) جبکہ باء کے قریب ہوں۔ اسی طرح اخفاء کا کرنا باقی حروف کے قریب (ہونے کے وقت) اختیار کیا گیا ہے۔''

﴿تشریح﴾ عربی زبان میں حروف ہجا انتیس عدد ہے ان میں سے الف تو نون ساکن اور تنوین کے بعد آ ہی نہیں سکتا ہے باقی اٹھائیس حروف میں سے چھ حروف ایسے ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی حرف نون ساکن یا تنوین کے بعد آئے گا تو اظہار ہوگا اور یہ حروف حَلْقِيَهْ ہیں اور چھ حروف ایسے ہیں جن میں نون ساکن اور تنوین کا ادغام ہوگا جن کا مجموعہ يَرْمَلُوْنَ ہے اگر نون ساکن اور تنوین کے بعد باء آجائے تو اقلاب ہوگا۔ یعنی نون ساکن اور تنوین کو میم سے بدلنا ہوگا بلکہ صاف لفظوں میں یہ کہو نون ساکن اور تنوین میم بن جائے گا۔ مثالیں یہ ہیں۔ لَيُنْۢبَذَنَّ ۔ مِنْۢ بَعْدُ ۔ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا۔ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۔ وغیرہ اس کو قلب اور اقلاب کہتے ہیں جب نون ساکن یا تنوین کو اس قاعدہ کے مطابق میم بنا دیں گے تو اس میم کو غنہ اور اخفاء کے ساتھ اسی طرح پڑھیں گے جیسے اصلی میم ساکن کو باء کے قریب آنے سے پڑھتے ہیں یعنی وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ کی طرح پڑھنا ہوگا مذکورہ بالا حروف کے علاوہ باقی جملہ حروف میں سے اگر کوئی حرف نون ساکن یا تنوین کے بعد آئے گا تو وہاں اخفاء مع الغنہ ہوگا ایسے حروف پندرہ ہیں جن کو صاحب تحفۃ الاطفال نے اس طور پر جمع کیا ہے کہ مندرجہ ذیل شعر کے ہر کلمہ کے اول میں سے ایک ایک حرف لے لیا ہے۔

صِفْ ذَاثَنَا كَمْ جَادَ شَخْصٌ قَدْ سَمَا دُمْ طَيِّبًا زِدْ فِي تُقًى ضَعْ ظَالِمًا
ص ذ ث ك ج ش ق س د ط ز ف ت ض ظ

نون ساکن اور تنوین کے بعد جب ان حروف میں سے کوئی حرف آ جائے تو ان دونوں کو غنہ کے ساتھ ادا کریں گے اور اس کا تلفظ تقریباً اس طرح سے ہوگا جیسے اہل اردو لفظ کنکر بولتے ہیں صحیح مشق اساتذہ سے سن کر ہوتی ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ

اَلْاِخْفَآءُ حَالٌ بَیْنَ الْاِظْهَارِ وَالْاِدْغَامِ الَّذِیْ لَا تَشْدِیْدَ مَعَهٗ یعنی اخفا ایسی حالت ہے جو اظہار اور ادغام کے درمیان ہے جس کی ادائیگی میں تشدید پیدا نہیں ہوتی ہے پھر شارح یمنیؒ کا ارشاد نقل کیا ہے۔ حقیقت اخفاء یہ ہے کہ تلفظ سے نون ختم ہو جائے اور صفت غنہ باقی رہے۔

مندرجہ بالا پندرہ حروف نون ساکن کے ساتھ ایک کلمہ میں بھی آ سکتے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نون پہلے کلمہ کے آخر میں اور حرف اخفاء اس کے بعد والے کلمہ کے شروع میں ہو لیکن تنوین چونکہ ہمیشہ کلمہ کے آخر میں ہی ہوتی ہے اس لئے اس میں صرف یہی صورت ہو سکتی ہے کہ پہلے کلمہ کے آخر میں تنوین ہو اور دوسرے کلمہ کے اول میں حرف اخفاء ہو **وكذالك حروف الاظهار والادغام** لہٰذا تیس مثالیں نون ساکن کی اور پندرہ تنوین کی لکھی جاتی ہیں۔ فاحفظها

نون ساکن کی وہ مثالیں جن میں نون اور حرف اخفاء ایک ہی کلمہ میں ہیں:

كُنْتُمْ۔ مَنْثُوْرًا۔ اَنْجَيْنَاكُمْ۔ اَنْدَادًا۔ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ۔ اَنْزَلْنٰهُ۔ مَا نَنْسَخْ۔ اَنْشَاْنَاهُنَّ۔ لَنَنْصُرُ۔ مَنْضُوْدٍ۔ وَمَا يَنْطِقُ۔ وَانْظُرْ۔ يُنْفَخُ۔ يَنْقَلِبُ۔ اَنْكَالًا۔

نون ساکن کی وہ مثالیں جن میں نون اور حرف اخفا دو کلموں میں ہیں:

اِنْ تُبْتُمْ۔ فَمَنْ ثَقُلَتْ۔ فَمَنْ جَآءَهٗ۔ اَنْ دَعَوْ۔ مَنْ ذَا الَّذِیْ۔ فَاِنْ زَلَلْتُمْ۔ اَنْ سَيَكُوْنُ۔ فَمَنْ شَهِدَ۔ وَلَمَنْ صَبَرَ۔ مَنْ ضَعْفٍ۔ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ۔ اِنْ ظَنَّا۔

تنوین کی مثالیں:

حَامِيَةً تُسْقٰى۔ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً۔ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا۔ عَمَلًا دُوْنَ ذَالِكَ۔ ظِلٍّ

ذِی ثَلٰثٍ۔ نَفْسًا زَکِیَّۃً۔ شَیْءٍ شَھِیْدٍ۔ مَآءٍ صَدِیْدٍ۔ عَذَابًا ضِعْفًا۔ صَعِیْدًا طَیِّبًا۔ رَجُلاً سَلَمًا۔ ظِلًّا ظَلِیْلاً۔ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّۃٌ۔ بِتَابِعٍ قِبْلَتَھُمْ۔ اَجْرًا کَبِیْرًا۔

فوائد ضروریہ:

(الف) نون اور میم کے لئے صفت غنہ لازم ہے خواہ متحرک ہوں خواہ ساکن ہوں خواہ مشدد ہوں خواہ اس میں اخفاء ہو رہا ہو خواہ اظہار کا قاعدہ پایا جا رہا ہو لیکن غنہ کے پانچ مراتب ہیں ان کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

(۱) سب سے زیادہ اور کامل تر غنہ ان دونوں حرفوں میں اس وقت ہوتا ہے جبکہ مشدد ہوں (۲) جب ان دونوں میں اخفا ہو تو مشدد ہونے کی حالت والے غنہ سے کم غنہ ہوگا (۳) اس کے بعد اس غنہ کا درجہ ہے جو نون مدغم بادغام ناقص میں پایا جاتا ہے (۴) چوتھے درجہ میں وہ غنہ ہے جو ان دونوں نون کے سکون مع الاظہار کے وقت ہوتا ہے اور (۵) پانچویں درجہ میں وہ غنہ ہے جبکہ نون اور میم متحرک غیر مشدد ہوں یہ غنہ سب سے کم ہے جو محسوس بھی نہیں ہوتا۔

قَالَ الْقَارِیُ ان الغنة صفة لازمة للنون والميم تحركتا او سكنتا ظاهرتين او مخفاتين او مدغمتين اِلّا اِنها فی الساكن اَكْمَل من المتحرك وفی المخفی ازيد من المظهر وَ فی المدغم ادنى من المخفی۔ چوتھی اور پانچویں صورت کے غنہ کو غنہ ذاتی اور پہلی۔ دوسری اور تیسری صورت والے غنہ کو غنہ صفتی کہتے ہیں اور نون اور میم مشدد میں غنہ بقدر ایک الف ادا ہونا چاہیے اس سے زیادہ بڑھانا غلط ہے

(ب) بعض لوگ نون اور میم کے بعد حروف مدہ ہونے کی صورت میں ان دونوں کو اس طرح پڑھ جاتے ہیں کہ ان کے بعد ایک نون ساکن محسوس ہوتا ہے مثلاً مَآ اُنْزِلَ کو مَانْ اُنْزِلَ اور سِنِیْنَ کو سِنِیْنْ نَ پڑھتے ہیں یہ غلط ہے اس سے پرہیز کرو۔

(ج) جس جگہ قاعدہ ادغام یا اخفا کو چاہتا ہو اور وہاں پہلے حرف کے بعد سکتہ ہو تو ادغام اور اخفاء نہ ہوگا مثلاً حفصؒ کی روایت میں سورۃ کہف کی پہلی آیت میں عِوَجًا پر چونکہ سکتہ ہے اس لئے اخفاء

سے نہ پڑھیں گے حالانکہ تنوین کے بعد قاف آ رہا ہے جو حروف اخفاء میں سے ہے۔ چونکہ سکتہ ایک لحاظ سے وقف کا حکم رکھتا ہے اس وجہ سے عِوَجًا کی تنوین کو الف سے بدل کر پڑھیں گے۔

اسی طرح حفصؒ کی روایت میں چونکہ مَنْ رَاقٍ (سورۂ قیامہ) میں مَنْ پر سکتہ ہے اس لئے یہاں بھی ادغام نہ ہوگا بلکہ اظہار ہوگا اور یہ سکتہ اس لئے ہے کہ ادغام کر کے مَـرَّاقٍ نہ پڑھ لیا جائے کیونکہ اس طرح پڑھنے سے مَـارِقٌ کا صیغہ مبالغہ معلوم ہوگا حالانکہ ایسا نہیں۔ اسی طرح حفصؒ کے نزدیک سورۂ تطفیف میں بَـلْ رَانَ میں بَـلْ پر سکتہ ہے یہاں ادغام نہ ہوگا کیونکہ ادغام کے ساتھ بَلْ رَّانَ پڑھنے سے بَـرَّانَ ہو جائے گا جو بِـرٌّ سے فَعْلَانٌ کا وزن سمجھا جائے گا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

(د) جب نون ساکن کے بعد ایک ہی کلمہ میں لام یا راء یا میم ہو تو وہاں ادغام نہیں ہوتا۔ جیسے نَاقَةٌ زَنْمَاءُ اور قرآن شریف میں ایسی کوئی مثال موجود نہیں ہے اور کلام عرب میں بھی بہت کم مستعمل ہے جیسے اِنْمَحٰی اور اِنْمَازَا اور بعض علماء نے بطور مثال اِنْوَ شَحَ اور اِنْلَامَ پیش کیا ہے لیکن صاحب فصول اکبری لکھتے ہیں کہ باب انفعال سے وہ کلمات نہیں آتے جن کا فاء کلمہ راء یا لام یا نون ہو۔

(ھ) سورۂ یوسفؑ کے دوسرے رکوع میں جو لَاتَـاْمَنَّا ہے یہ اصل میں لَاتَـاْمَنُنَا دو نون کے ساتھ ہے پہلا نون مضموم ہے اور دوسرا مفتوح ہے اس میں محض ادغام یا محض اظہار نہ کرو بلکہ ادغام مع الاشمام یا اظہار مع الروم کرنا ضروری ہے۔ قَالَ الْقَارِیؒ فِی شَرْحِ الشاطبیۃِ بعد کلام طَوِیْلٍ لَا بُدَ مِن ان یطالِعَه المحقق وَالحاصِل ان الادغامَ مَع الاشمامِ اکثرُ وَ اَشہر عِنْد القرّاءِ الکرام وَھُوَ مُخْتَارُ شَیْخَ مُشَائِخِنَا الجزری وَامّا القولُ بِالرّوم فھو مختار الناظم (یعنی الشاطبی و ابی عمرو الدانی) ادغام مع الاشمام کی صورت یہ ہے کہ نون کی تشدید اور غنہ ادا کرتے وقت ہونٹوں کو اس طرح گول کر دیں جیسے ضمہ ادا کرتے وقت گول ہو جاتے ہیں اور اظہار مع الروم اس طرح ہوگا کہ پہلے نون کے ضمہ کو ہلکی آواز کے ساتھ اس طرح ادا کریں کہ تھوڑا سا ضمہ ادا ہو جیسے وقف بالروم میں ہوتا ہے۔

بَابُ الْمَدَّاتِ

مد کا بیان

(69) وَالْمَدُّ لَازِمٌ وَّ وَاجِبٌ اَتٰی
وَجَآئِزٌ وَّهْوَ وَقَصْرٌ ثَبَتَا

﴿ت﴾ ''اور مد لازم ہے اور واجب بھی آیا ہے (اور تیسری قسم) مد جائز ہے (جس میں) مد اور قصر دونوں ثابت ہیں۔''

﴿تشریح﴾ ساکن حالین مضاف مضاف الیہ مل کر جَآءَ کا فاعل ہے یُمَدُّ مَدَّ یَمُدُّ سے مضارع مجہول کا صیغہ ہے ضرورۃً تخفیف کر دی گئی ہے اس کا فاعل ضمیر مستتر ہے جو مد لازم کی طرف راجع ہے۔ لغت میں مَدٌّ بڑھانے اور کھینچنے کو کہتے ہیں اور اصطلاح قراء میں حروف مدہ کی آواز دراز کرنے کو کہتے ہیں اور مد کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) مد ذاتی جسے مد اصلی اور طبعی بھی کہتے ہیں یہ وہ مد ہے جو حروف مدہ کی ذات کو لازم ہے اور اس کے بغیر حروف مدہ مدہ رہ ہی نہیں سکتے ہیں تینوں حروف مدہ نُوْحِیْهَا اور اُوْتِیْنَا میں جمع ہیں ان دونوں مثالوں میں واؤ اور یاء اور الف تینوں کا مد ذاتی ظاہر ہو رہا ہے۔ مد ذاتی کے لئے کسی سبب کی ضرورت نہیں ہوتی حروف مدہ کا ساکن ہونا اور ماقبل کی حرکت کا موافق ہونا ہی مد طبعی کا موجود ہونا ہے یہ مد حرکت کا دوگنا ہوتا ہے یعنی جتنی دیر میں ایک فتحہ دو بار ادا ہو اتنی دیر میں الف کا مد طبعی ادا ہوگا اسی طرح ضمہ کی دو بار ادائیگی کی مدت میں ایک واؤ کا مد طبعی ادا ہوگا اور کسرہ کی دو بار ادائیگی کی مدت میں ایک یاء کا مد طبعی ادا ہوگا۔

وَمِنْ هٰهُنَا قِيْلَ الْحَرَكَاتُ نِصْفُ الْمَدَّاتِ اَوِ الْمَدَّاتُ ضِعْفُ الْحَرَكَاتِ۔ یعنی حرکت حروف مدہ کی نصف ہوتی ہیں یا مدہ حرکت کی دوگنی آواز کو کہتے ہیں۔

اسی مقدار کو ایک الف کی مقدار کہتے ہیں حروف مدہ کی یہ مقدار وصلاً بھی ہے اور وقفاً بھی ہے اس سے کم کرنا شرعاً حرام ہے دور حاضر کے بہت سے قاریوں میں یہ مرض ہے کہ وقف کرتے وقت حروف

مدہ کے مدِطبعی کو محض ایک فتحہ کی بقدر ادا کرتے ہیں اور اس نزاکت کو کمالِ قرآءت تصور کرتے ہیں مثلاً سورۃ ضحیٰ میں اس طرح پڑھتے ہیں مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَ اور سورۂ اعلیٰ میں اس طرح پڑھتے ہیں وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَ یہ سراسر غلط ہے اور حرام ہے۔

(۲) مدفرعی جو مدِ اصلی کی مقدار پر کسی سبب سے دراز کیا جاتا ہے یعنی مدِ اصلی کی مقدار کے بقدر کھینچنے کے بعد مزید کھینچا جاتا ہے اور اس کے دو سبب ہیں۔

اول: کسی حرف مد کے بعد ہمزہ آنا جیسے سَآءَ۔ سُوٓءٌ۔ سِيٓئٌ وغیرہ۔

دوم: کسی حرف مد کے بعد سکون یا تشدید کا آجانا جیسے دَآبَّةٌ اور اَلرَّحِيْمِ اور آٰلْئٰنَ اسی مدفرعی کو مصنفؒ یہاں بیان فرما رہے ہیں اور اس مد کے ادا نہ کرنے کو قصر کہتے ہیں یعنی ترکِ مدفرعی کا نام قصر ہے مدِطبعی کے کم کرنے یا ختم کرنے کا نام قصر نہیں ہے۔

مدفرعی کی چار قسمیں ہیں: (۱) مدلازم (۲) مدواجب (۳) مدجائز (۴) مدعارض۔

مصنفؒ نے شعر (۶۹) میں بالاجمال اول کے تین مدوں کو ذکر کیا ہے اور بعد میں جو تفصیل کی ہے وہاں مدعارض بھی مذکور ہے۔ شاید اجمال میں مدعارض کو اس لئے نہ لکھا ہو کہ مدجائز میں مدعارض بھی مندرج ہے کیونکہ یہ دونوں مد اور قصر کے جواز میں فی الجملہ مشترک ہیں۔

70

فَلَازِمٌ اِنْ جَآءَ بَعْدَ حَرْفِ مَدْ
سَاكِنُ حَالَيْنِ وَبِالطُّوْلِ يُمَدْ

﴿ت﴾ "پس مدلازم ہے اگر حرف مد کے بعد کوئی ایسا حرف آجائے جو دونوں حالتوں (یعنی وقف اور وصل) میں ساکن ہو اور (مدلازم) طول کے ساتھ دراز کیا جاتا ہے۔"

﴿تشریح﴾ یعنی مدلازم اسے کہتے ہیں کہ کسی حرف مد کے بعد ایسا حرف ساکن آجائے جس کا سکون اصلی ہو یعنی وصل اور وقف دونوں حالتوں میں اس کو ساکن ہی پڑھتے ہوں یہ نہیں کہ وہ وصل میں متحرک اور وقف میں ساکن ہوتا ہو اس قید کے لگانے سے اَلرَّحِيْمُ کا مدّ مدلازم کی تعریف سے خارج ہو گیا کیونکہ اس میں میم کا سکون وقف کی وجہ سے ہے اور عارضی ہے اگر وصل کریں تو سکون ختم ہو جائے گا مدلازم کی مثالیں یہ ہیں۔ دَآبَّةٌ ۔ حَآجَّ ۔ آٰلْئٰنَ ۔ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ ۔ الٓمّٓ ۔ الٓر وغیرہ

ان مثالوں سے واضح ہوگیا کہ مدلازم میں حرف مد کے بعد جو حرف ساکن آتا ہے بالمعنی المعروف اس کا ساکن ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ اگر مشدد ہو تو وہ بھی ساکن اصلی مانا جائے گا اور مدلازم کا سبب ہوگا اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ مدلازم اسی وقت ہے جبکہ حرف مد اور اس کے بعد حرف ساکن بالسکون الاصلی کا اجتماع علی حدہ ہو کیونکہ اگر یہ اجتماع علی غیرہ حدہ ہوگا تو حرف مدہ حذف ہو جائے گا جیسے قَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ اور قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وغیرہ۔

مدلازم کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) مدلازم کلمی، (۲) مدلازم حرفی۔ پھر ان میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں لہٰذا کل چار قسمیں ہوگئیں۔

(۱) مدلازم کلمی مثقل (۲) مدلازم کلمی مخفف (۳) مدلازم حرفی مثقل (۴) مدلازم حرفی مخفف۔

مدلازم حرفی وہ ہے جو حروف مقطعات میں پایا جاتا ہے پس حروف مقطعات میں جہاں حرف مد کے بعد حرف مشدد ہو وہ مد حرفی مثقل ہے جیسے طٰسٓمّٓ اور الٓمّٓ کا پہلا مد اور جہاں حرف مد کے بعد حرف ساکن غیر مشدد ہو وہ مد حرفی مخفف ہے جیسے طٰسٓمّٓ اور الٓمّٓ کا دوسرا مد اور نٓ، صٓ، قٓ کا مد اور اگر حروف مقطعات کے علاوہ اور کسی جگہ حرف مد کے بعد سکون اصلی ہو تو وہ مدلازم کلمی ہے پھر اگر وہ سکون محض ہے یعنی حرف غیر مشدد ہے تو مدلازم کلمی مخفف کہلائے گا جیسے آٰلْئٰنَ اور اگر مشدد ہے تو وہ مد کلمی مثقل ہے جیسے دَآبَّةٌ اور وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔ آٰللّٰهُ خَيْرٌ الذّٰاكِرِيْنَ وغیرہ قرآن مجید میں آٰلْئٰنَ دو جگہ ہے اور اس کلمہ کے علاوہ مدلازم کلمی مخفف کی کوئی مثال قرآن مجید میں نہیں ہے۔

﴿قولہ﴾ وَ بِالطُّوْلِ يُمَدُّ یعنی مدلازم کی چاروں قسموں میں طول کے ساتھ ساتھ مد کیا جاتا ہے طول کی مقدار تین الف اور توسط کی مقدار دو الف ہے اور ایک قول کے مطابق طول کی مقدار پانچ الف اور توسط کی مقدار تین الف ہے اور قصر کی مقدار دونوں اقوال کے مطابق ایک ہی الف ہے۔

(71) وَ وَاجِبٌ اِنْ جَآءَ قَبْلَ هَمْزَةٍ
مُتَّصِلًا اِنْ جُمِعَا بِكِلْمَةٍ

﴿ت﴾ "اور مد واجب ہے اگر حرف مد ہمزہ سے پہلے آیا ہو اس حال میں کہ ہمزہ سے متصل ہو (اور یہ اتصال اس وقت محقق ہوگا کہ) اگر دونوں ایک کلمہ میں جمع ہوں۔"

(72) وَجَــآئِــزٌ اِذَا اَتٰـــى مُـنْـفَـصِلَا
اَوْ عَـرَضَ السُّـكُـوْنُ وَقْـفًـا مُّسْـجَلَا

﴿ت﴾ ''اور مد جائز ہے جبکہ حرف مدہ (ہمزہ سے قبل) منفصل ہو کر آ جائے یا حرف مدولین کے بعد ایسا سکون عارض ہو جائے جو مطلقاً حالت وقف میں ہو۔''

﴿تشریح﴾ ان دونوں شعروں میں مصنفؒ نے مد واجب اور مد جائز عارض کی تعریف بتائی ہے تفصیل یہ ہے کہ حرف مد کے بعد جس طرح سکون لازمی کا آ جانا مد فرعی کا سبب ہے اسی طرح حرف مد کے بعد ہمزہ یا سکون عارض کا آ جانا بھی مد فرعی کا سبب ہے اگر حرف مد اور ہمزہ دونوں ایک ہی کلمہ میں ہوں تو اس کو مد واجب اور مد متصل کہتے ہیں جیسے شَـــآءَ- سُوْٓءٌ- جِیْٓئَ وغیرہ مد متصل میں اجماعاً مد ہے قصر کسی کے نزدیک بھی نہیں ہے۔

مصنفؒ قصر کی تردید کرتے ہوئے نشر میں لکھتے ہیں۔ وَقَدْ تَتَبَّعْتُهُ فَلَمْ اَجِدْهُ فِي قِرَاءَةٍ صَحِيْحَةٍ وَلَا شَاذَّةٍ یعنی میں نے مد متصل کا قصر تلاش کیا تو کسی بھی صحیح یا شاذ قرآءت میں نہ پایا' متصل کی مقدار تین الف یا چار الف ہے ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ مد لازم اور مد واجب میں فرق اصطلاحی ہے لغوی اور عرفی معنی کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ تمام قراء کے نزدیک ان میں قصر پڑھنا لحن جلی اور خطا فاحش ہے اور اس کے خلاف ہے جو اس کے بارے میں آنحضرت ﷺ سے طرق متواترہ کے ساتھ ثابت ہے۔

اور اگر حرف مد اور ہمزہ ایک کلمہ میں نہ ہوں بلکہ ایسی صورت ہو کہ حرف مد پہلے کلمہ کے آخر میں اور ہمزہ اس کے بعد والے کلمہ کے شروع میں ہو تو اس کو مد منفصل کہتے ہیں جیسے قَالُوْٓا اٰمَنَّآ اور اِنَّـآ اَنْزَلْنٰهُ اور الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ وغیرہ مد منفصل مد جائز کی پہلی قسم ہے اور دوسری قسم مد عارض ہے۔ جو ابھی انشاء اللہ بیان ہوگی مد منفصل کی مقدار بھی تین یا چار الف ہے ملا علی قاریؒ اپنی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس کو مد جائز اس لئے کہا گیا ہے کہ اس میں مد کرنے میں قراء کا اختلاف ہے کیونکہ ابن کثیرؒ اور سوسیؒ بلا خلاف اس میں قصر کرتے ہیں۔ اور قالون اور دوریؒ سے مد اور قصر دونوں ثابت ہیں اور باقی بلا خلاف مد کرتے ہیں اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس کو اس لیے جائز کہتے ہیں کہ اس کا سبب زائل ہو

سکتا ہے کیونکہ اگر حرف مدہ پر وقف کر دیں تو سبب مد ختم ہو جائے گا۔

مد جائز کی دوسری قسم مد عارض ہے:

جس کو مصنفؒ نے اَوْ عَرَضَ السُّکُوْنُ وَقْفًا مُّسْجَلاً میں بیان فرمایا ہے مد عارض کو مد وقفی بھی کہتے ہیں اور یہ مد اس وقت ہوتا ہے جبکہ حرف مد کے بعد وقف کی وجہ سے سکون آ جائے جیسے اَلرَّحِیْمْ۔ نَسْتَعِیْنْ۔ مُفْلِحُوْنْ۔ تُکَذِّبَانْ وغیرہ اس کی مقدار تین الف اور دو الف اور ایک الف ہے یعنی اس میں طول توسط اور قصر تینوں جائز ہیں وقف بالاسکان خواہ مع اشمام ہو خواہ بغیر اشمام ہو بہر صورت اس میں اس مدہ پر جو سکون وقفی سے قبل ہو مد جائز ہے۔

لفظ مُسْــــجَلاً اخیر مصرع میں بڑھا کر مصنفؒ نے اسی تعمیم کی طرف اشارہ فرمایا ہے یعنی سکون وقفی علی الاطلاق مد عارض کا سبب ہے اور وقف مع الروم میں صرف قصر ہی جائز ہے۔

قال القاری بخلاف مَا اذا کَانَ الْوقف بالروم فانه حِیْنَئِذٍ حکمه حکم الوصل۔

مد جائز کی تیسری قسم:

مد لین عارض میں بھی مد کرنا جائز ہے اور مد لین عارض اس کو کہتے ہیں کہ حروف لین (واوٗ ساکن ما قبل مفتوح یا یائے ساکنہ ماقبل مفتوح) کے بعد سکون وقفی آ جائے جیسے وَالصَّیْفْ اور مِنْ خَوْفْ لَاضَیْرْ۔ اَلطَّیْرْ۔ اس میں بھی مد عارض کی طرح طول توسط اور قصر تینوں جائز ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ مد عارض میں طول اولیٰ ہے پھر توسط اور پھر قصر اور مد لین عارض میں قصر اولیٰ ہے پھر توسط اور پھر طول' البتہ حروف مقطعات میں دو جگہ حرف عین آیا ہے (اول کٓھٰیٰعٓصٓ میں اور دوسرے حٰمٓ عٓسٓقٓ میں) ان دونوں میں طول افضل ہے۔ کیونکہ اس میں حرف لین کے بعد سکون عارض بالوقف نہیں ہے بلکہ سکون اصلی ہے اور اسی لئے اس کے مد کو مد لازم لین کہتے ہیں۔

فوائد ضروریہ متعلقہ مدود:

﴿فائدہ﴾ (۱) حروف مقطعات انتیس سورتوں کے شروع میں آئے ہیں اور وہ سب یہ ہیں:

الٓمٓ - الٓمٓرٰ - الٓمٓصٓ - الٓرٰ - حٰمٓ - حٰمٓ عٓسٓقٓ - كٓهٰيٰعٓصٓ - طٰسٓ - طٰسٓمٓ - نٓ - صٓ - قٓ - طٰهٰ - يٰسٓ - ان جملہ حروف کا مجموعہ مَنْ قَطَعَكَ صِلْهُ سُحَيْرًا یا يَنْهَسُكَ قَاطِعُ رَحِمٍ صِلْ ہے ان میں سے الٓمٓ چھ جگہ۔ الٓرٰ پانچ جگہ۔ اور صرف حٰمٓ چھ جگہ۔ اور طٰسٓمٓ دو جگہ اور الٓمٓصٓ اور الٓمٓرٰ اور حٰمٓ عٓسٓقٓ اور كٓهٰيٰعٓصٓ اور طٰسٓ اور طٰهٰ اور يٰسٓ اور نٓ اور صٓ اور قٓ صرف ایک ایک جگہ ہیں اور ان میں مد کرنے اور نہ کرنے کی تفصیل یہ ہے کہ لفظ الف میں تو کوئی مد نہیں ہے اور ح ی ط ھ ر میں مد طبعی ہے اور قصر ہے جس کی مقدار ایک الف ہے اور ان میں اس سے زیادہ مد کرنا لحن ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں الف کے بعد مد کا کوئی سبب موجود نہیں ہے نہ ہمزہ ہے نہ سکون اصلی یا عارضی ہے لہٰذا قصر ہوگا ان حروف ثنائیہ کا مجموعہ جن میں مد نہیں ہوتا طَهَرَ حَيٌّ یا رَهَطُ حَيٍّ ہے۔

اور جو حروف ثلاثیہ ہیں ان میں مد لازم ہوتا ہے جن میں سے ایک مد حرف لین پر ہوتا ہے یعنی لفظ عین میں اور باقی میں حروف مدہ پر ہے جو سات عدد ہیں یعنی ك۔ م۔ س۔ ل۔ ن۔ ق۔ ص مجموعہ ان کا كَمْ عَسَلٍ نَقَصَ ہے کسی میں مد مثقل اور کسی میں مد مخفف ہے غور کر کے خود تعین کر لو ص۔ ق۔ ك۔ ل میں الف مدہ کے بعد سکون یا تشدید ہے اس لئے مد ہے اور نون میں واؤ مدہ پر مد ہے کیونکہ اس کے بعد سکون ہے اور طٰسٓمٓ میں امام حمزہؒ چونکہ اظہار کرتے ہیں اس لئے ان کے نزدیک اس میں دو مد حرفی مخفف ہیں اور باقی قراء کے نزدیک (جن میں حضرت حفصؒ بھی ہیں) اس میں پہلا مد حرفی مثقل ہے کیونکہ ادغام کے باعث حرف مد کے بعد تشدید پیدا ہو جاتی ہے اور دوسرا مد حرفی مخفف ہے اسی طرح يٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ اور نٓ وَالْقَلَمِ میں جو حضرات ادغام کرتے ہیں ان کے نزدیک مد حرفی مثقل ہے اور جو حضرات اظہار کرتے ہیں (جن میں حفصؒ بھی ہیں) ان کے نزدیک مد حرفی مخفف ہے۔

سورۂ آل عمران کے شروع میں جو الٓمٓ ہے اس میں لفظ میم پر مد حرفی مخفف ہے لیکن اگر لفظ اللہ کے ہمزہ کو حذف کر کے وصل کرتے ہوئے میم کو فتحہ دے کر لفظ اللہ کے لام سے ملا کر پڑھیں تو اس میں طول اور قصر دونوں جائز ہیں اور توسط جائز نہیں ہے۔

﴿فائدہ دوم﴾ قصر کی مقدار حروف مدہ میں بقدر ایک الف کے ہے اور حروف لین کا قصر یہ ہے

کہ بالکل ہی مد نہ کیا جائے یعنی حروف صحیحہ (مدہ اور لین کے علاوہ) کی طرح بالکل بلا مد کے ادا کریں جب کہ حرف لین کے بعد سکون عارض آنے کی صورت میں قصر اختیار کرنے کے وقت حرف لین کی ادائیگی بالکل بلا مد ہوگی تو حرف لین کے بعد سبب مد یعنی سکون نہ ہونے کی صورت میں حرف لین میں مد کرنا کیونکر درست ہوگا؟ اس سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو مثلاً وَالَّيْلِ اور الصَّيْفِ اور خَوْفٍ وغیرہ میں وصل کرتے ہوئے بھی مد کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

نیز جاننا چاہیے کہ جب مد عارض اور مد لین عارض جمع ہوں تو مد لین کو مد عارض سے زیادہ کھینچنا درست نہیں ہے اگر مد عارض مد لین عارض پر مقدم ہو تو دونوں کی برابری کی صورتیں اور مد عارض کو مد لین سے زیادہ کھینچنے کی صورتیں جائز ہیں اس کے خلاف جائز نہیں مثلاً مِنْ جُوْعٍ۔ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ میں طول مع الطّول۔ طول مع التوسط۔ طول مع القصر۔ توسط مع التوسط۔ توسط مع القصر۔ قصر مع القصر جائز ہیں اور توسط مع الطّول۔ قصر مع التوسط۔ قصر مع الطّول غیر جائز ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ حروف مدہ میں مد اصل اور قوی ہے اور حروف لین میں مد ضعیف ہے لہٰذا جن صورتوں میں ترجیح ضعیف کی قوی پر لازم آتی ہو وہ غیر جائز ہوں گی۔

﴿فائدہ سوم﴾ جب کئی مد عارض جمع ہوں تو ان میں توافق اور تساوی کا خیال رکھنا چاہیے یعنی اگر پہلی جگہ مد عارض میں طول کیا ہے تو ختم تلاوت تک اس میں ہر جگہ طول ہی کرے۔ اسی طرح اگر پہلی جگہ توسط کیا تو ختم تلاوت تک توسط ہی کرے اور قصر کیا ہے تو ہر جگہ قصر ہی کرے۔ یہی تفصیل اس صورت میں ہے جب کہ مد لین کئی جگہ ہوں اور جیسا کہ طول اور توسط میں توافق ہونا چاہیے اسی طرح مقدار طول اور مقدار توسط میں بھی توافق ہونا ضروری ہے۔

﴿فائدہ چہارم﴾ مد متصل اور منفصل کی مقدار میں کئی قول ہیں۔ (۱) دو الف (۲) ڈھائی الف (۳) تین الف (۴) چار الف اور منفصل میں قصر بھی جائز ہے لیکن ان کی ادائیگی میں بھی توافق اور تساوی کا خیال رکھنا چاہیے یعنی اگر مد متصل کئی جگہ آ رہا ہو تو جس قول کو پہلی جگہ لیا ہے دوسری اور تیسری جگہ بھی اسی قول کو اختیار کریں مثلاً وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً اسی طرح مد منفصل جب کئی جگہ آ رہا ہو تو اس میں مساوات کا خیال رکھنا چاہیے اقوال کو خلط نہ کرے یعنی پہلی جگہ جس قول کو اختیار کیا ہو ختم تلاوت تک ہر جگہ اسی کو اختیار کرتا چلا جائے جیسے لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ

نَّسِينَآ اَوْ اَخْطَانَا وغیرہ اور جب مد متصل اور مد منفصل جمع ہوں تو چونکہ مد متصل قوی ہے اس لئے مد منفصل کو مد متصل سے زیادہ کھینچنا درست نہیں ہے یا دونوں برابر رہیں یا منفصل، متصل سے کم رہے۔ جیسے قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ اور اَنْبِئُوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ۔ پہلی مثال میں مد منفصل مقدم ہے اور دوسری مثال میں مد متصل مقدم ہے ہر صورت میں منفصل کو متصل سے زیادہ کھینچنا غیر جائز ہے۔

﴿فائدہ پنجم﴾ جب مد متصل کا ہمزہ آخر کلمہ میں واقع ہو اور اس پر وقف بالاسکان یا وقف بالاشمام کیا جائے تو اس کو طول کے ساتھ ادا کریں، جیسے يَشَآءُ اور قُرُوْٓءٍ اور اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ وغیرہ سکون کا لحاظ کر کے قصر جائز نہیں ہے اور اگر وقف بالروم کریں تو صرف توسط ہوگا۔

﴿فائدہ ششم﴾ جس جگہ مد منفصل ہو اگر وہاں پہلے کلمہ پر وقف کر دیا جائے تو چونکہ سبب مد یعنی ہمزہ حرف مد سے علیحدہ ہو جائے گا اس لئے مد بھی ختم ہو جائے گا جیسے قَالُوْٓا اٰمَنَّا میں قَالُوْا پر مد ہے لیکن اگر قَالُوْا پر سانس توڑ دیا جائے تو قصر کے ساتھ پڑھنا ہوگا مد منفصل کو مد بسط بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ دونوں کلموں کے درمیان فرش بچھا دیتا ہے اور یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ جس جگہ مد متصل ہو وہاں حرف مد پر وقف درست نہیں ہے کیونکہ اس کے بعد جو ہمزہ ہے وہ اسی کلمہ کا ہے اگر حرف مد پر وقف کیا جائے تو کلمہ واحدہ منقسم ہو کر رہ جائے گا جو کہ غلط ہے۔

﴿فائدہ ہفتم﴾ جب حرف مدہ پر وقف کرو تو اس کا خیال رکھو کہ اس کی درازی ایک الف سے زائد نہ ہو جائے جیسے قَالُوْا بَلٰى وَرَبَّنَا وغیرہ نیز مدہ کی آواز کے بعد ہائے ہوز یا ہمزہ وغیرہ کی آواز بھی پیدا نہ ہونے دو جیسا کہ خیال نہ کرنے سے ایسا ہو جاتا ہے اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ دو زبر والی تنوین جو وقف میں الف سے بدل جاتی ہے اس الف کی مقدار صرف ایک الف ہے اس کو مد عوض کہتے ہیں اس کو ایک الف سے زیادہ کھینچنا چونکہ بلا سبب مد ہے اس لئے غلط ہے۔

﴿فائدہ ہشتم﴾ جس طرح بلا سبب مد کے مد فرعی ادا کرنا غلط ہے اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ مد طبعی کا ادا نہ کرنا غلط ہے یعنی ایک الف سے کم کرنا غلط فاحش ہے جس سے بہت سی جگہ معنی بدل جاتے ہیں اور فساد صلوٰۃ تک نوبت آ جاتی ہے مثلاً وَاجْعَلْنَا صیغہ امر واحد مذکر حاضر ہے اور اس کے آخر میں ضمیر منصوب متصل (نَا) لگی ہوئی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "ہم کو کر دے یا بنا دے" لیکن اگر

اس میں نون کے بعد الف نہ بڑھایا جائے تو اِفْعَلْنَ کے وزن پر صیغہ جمع مونث امر حاضر ہو جائے گا اور ترجمہ یہ ہوگا کہ "اے عورتو! تم کرو۔" اسی طرح اگر ماضی کے تثنیہ مذکر غائب کے صیغہ کے آخر کا الف حذف کر دیا جائے تو صیغہ واحد مذکر غائب بن جاتا ہے سورۂ کہف کے نویں اور دسویں رکوع میں بکثرت تثنیہ ماضی مذکر کے صیغے وارد ہوئے ہیں جن کی ضمیریں حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کی طرف یا حضرت موسیٰ اور حضرت یوشع علیہما السلام کی جانب راجع ہیں مثلاً فَلَمَّا بَلَغَا اور نَسِيَا حُوتَهُمَا اور فَلَمَّا جَاوَزَا اور فَارْتَدَّا اور فَوَجَدَا اور فَانْطَلَقَا اور رَكِبَا اور لَقِيَا اور آتَيَا اور اِسْتَطْعَمَا وغیرہ اکثر حفاظ حدر میں اور خصوصا تراویح میں آخر کا الف نہیں پڑھتے بلکہ محض فتحہ پڑھ کر گزر جاتے ہیں جس سے تثنیہ ختم ہو جاتا ہے یہ لحن جلی اور غلط صریح اور خطا فاحش ہے۔
فَاجْتَنِبه

نیز لائے نفی یا لائے نہی کو بقدر ایک الف کے دراز نہ کرنے سے لام تاکید کے معنی پیدا ہو کر نفی کی جگہ اثبات بلکہ تاکید اثبات کے معنی بن جاتے ہیں جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے مثلاً دعائے قنوت میں وَلَا نَكْفُرُكَ (ہم تیری ناشکری نہیں کرتے) کی جگہ وَلَنَكْفُرُكَ پڑھتے ہیں (جس کے معنی یہ ہو جاتے ہیں کہ ہم ضرور تیری ناشکری کریں گے۔ العیاذ باللہ)

﴿فائدہ نہم﴾ مد طبعی کو ایک الف کی مقدار سے زیادہ کھینچ دینا غلط اور خطا فاحش ہے جیسا کہ اکثر ائمہ ایسا کرتے ہیں یہ حرام اور قبیح ہے جاہل لوگ ان کا اتباع کرتے ہیں اور ان کی قرآءت کو اچھا سمجھتے ہیں اس اعتبار سے ان کا اس طرح پڑھنا اور زیادہ قبیح تر ہے۔ (ملا علی قاری)

﴿فائدہ دہم﴾ قرآن مجید میں دو جگہ آٰلْـٰٔنَ (سورۂ یونس میں) اور دو جگہ آٰلذَّكَرَيْنِ (سورۂ انعام میں) اور دو جگہ آٰللّٰهُ (ایک جگہ یونس میں اور ایک جگہ سورۂ نمل میں) وارد ہوا ہے ان میں پہلی مثال مد لازم کلمی مخفف کی اور باقی مثالیں مد لازم کلمی مثقل کی ہیں ان مثالوں میں جو مد ہے اس کو مد فرق بھی کہتے ہیں کیونکہ مد کرنے کی وجہ سے استفہام سمجھ میں آتا ہے اگر مد نہ کریں تو بجائے استفہام کے جملہ خبریہ معلوم ہوگا۔ (اس میں آلْ کا مد لازم ہے اور اگر ان پر وقف کریں تو ایک مد عارض وقفی پیدا ہو جائے گا۔) یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ ان مثالوں میں اجتماع ساکنین علیٰ غیر حدہ ہے تو ساکن اول ساقط کیوں نہیں ہوا؟ اور اگر علیٰ حدہ ہے تو اس کو کیسے تسلیم کریں کیونکہ اجتماع

ساکنین علی حدہ ایک کلمہ میں ہوتا ہے اور یہاں یہ حال ہے کہ آللّٰہُ دو کلموں کا مجموعہ ہے کیونکہ ہمزہ استفہام اور لفظ اَللّٰہُ سے مرکب ہے اور باقی دونوں مثالوں میں نحوی اعتبار سے تین تین کلمات ہیں کیونکہ ایک ہمزہ استفہام ہے اور دوسرا لام تعریف ہے اور تیسرا وہ کلمہ ہے جس پر لام تعریف داخل ہے یعنی لفظ اٰلْـٰٔنَ اور لفظ ذَکَرَیْنِ پھر کلمہ واحدہ کیونکر مانا جائے؟

﴿جواب﴾ یہ ہے کہ بلا شبہ حقیقت حال نحوی اعتبار سے وہی ہے جو آپ نے بتائی ہے لیکن شدت اتصال اور من حیث الروایۃ عدم انفکاک ولزوم الحاق کے باعث کلمہ واحدہ تصور کر کے یہ مثالیں اجتماع ساکنین علی حدہ میں شامل کر لی گئی ہیں۔ (تلك عشرة كاملة)

بَابُ الْوَقْفِ وَالْاِبْتِدَاء

وقف اور ابتداء کا بیان

چونکہ تلاوت کرتے وقت سانس لینے کی ضرورت پڑتی ہے اور درمیان میں ٹھہرنے کی حاجت ہوتی ہے اور ٹھہرنے کے بعد آگے بھی پڑھنا ہوتا ہے اس لئے وقف اور ابتداء کا معلوم کرنا بھی تالی اور قاری کے لئے نہایت ضروری ہے وقف کے بعد آگے سے پڑھنے کو ابتداء کہتے ہیں اور پیچھے سے لوٹا کر پڑھنے کو اعادہ کہتے ہیں۔

وقف میں دو چیزوں کا جاننا ضروری ہے۔

(۱) محل وقف: (کہ کس جگہ وقف کیا جائے)

(۲) کیفیت وقف: (کہ کس طرح سے وقف کیا جائے) اس باب میں ان امور کا بیان ہے۔

73 وَبَعْدَ تَجْوِيْدِكَ لِلْحُرُوْفِ
لَابُدَّ مِنْ مَّعْرِفَةِ الْوُقُوْفِ

﴿ت﴾ ''اور حروف کی باتجوید ادائیگی (کی مشق) کے بعد ضروری ہے تیرا وقوف کو پہچاننا۔''

(74) وَ الِابْتِدَآءِ وَهِيَ تُقْسَمُ اِلٰى
تَامٌ وَّكَافٍ وَّحَسَنٌ تَفَضَّلَا

﴿ت﴾ ''اور ابتداء کا (پہچاننا) اور وہ (یعنی وقوف) منقسم ہوتے ہیں ظہور کی رو سے تام اور کافی اور حسن کی طرف۔''

﴿تشریح﴾ مطلب یہ ہے کہ حروف کو صحیح طریقہ پر مخارج وصفات کے ساتھ ادا کرنا تو بہر حال لازم ہی ہے لیکن وقف اور ابتداء کا پہچاننا بھی ضروری ہے شعر ۷۳ میں اَلْوُقُوْفِ وقف کی جمع بھی ہو سکتی ہے اور وَقَفَ يَقِفُ کا مصدر بھی ہو سکتا ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ شق ثانی زیادہ ظاہر ہے کیونکہ لفظ ابتداء جو شعر (۷۴) کے اول میں آ رہا ہے وہ بھی مصدر ہے اور لفظ اَلْوُقُوْفِ پر عطف ہے لیکن احقر کے نزدیک یہ شق مرجوح ہے کیونکہ آئندہ شعر میں لفظ هِيَ آ رہا ہے جس کا مرجع وقوف اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب کہ وقوف واحد نہ ہو بلکہ وقف کی جمع ہو، بہر صورت مآل ایک ہی ہے یعنی تجوید حروف کے بعد وقف اور ابتداء کا پہچاننا بھی ضروری ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ترتیل کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ هُوَ تَجْوِيْدُ الْحُرُوْفِ وَ مَعْرِفَةُ الْوُقُوْفِ یعنی صحیح طریقہ پر حروف کے ادا کرنے اور وقفوں کے پہچاننے کا نام ترتیل ہے اسی لئے ائمہ متاخرین نے اساتذہ کو اس امر کا پابند بنایا ہے کہ جب تک تلامذہ وقف وابتدا میں ماہر نہ ہو جائیں ان کو تدریس کی اجازت نہ دیں۔

مصنفؒ نشر میں لکھتے ہیں کہ آثار سے وقوف کا سیکھنا واجب معلوم ہوتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر قاری حروف کو تجوید کے ساتھ ادا کرے اور وقف وابتداء بے محل کرتا چلا جائے تو کلام کا حسن ختم ہو جائے گا اور عبارات قرآنیہ (العیاذ باللہ) بے ربط معلوم ہوں گی جس کا ادراک واحساس ان ہی حضرات کو ہو سکتا ہے جو قرآن مجید کے معانی کو سمجھتے ہیں اور عربی زبان کے قواعد سے باخبر اور واقف ہیں، بے محل وقف کرنے سے بہت سی جگہ خلاف مراد معنیٰ کا ایہام ہوتا ہے۔

﴿قولہ﴾ وَهِيَ تُقْسَمُ الخ یعنی وقوف کی تین قسمیں ہیں۔

(اول) وقف تام (دوم) وقف کافی (سوم) وقف حسن۔

یہ تینوں قسمیں وقف اختیاری اصطلاحی کی ہیں اور چوتھی قسم وقف قبیح ہے۔ صاحب نہایہ القول المفید نے وقف اختیاری کی چار قسمیں بتا کر اقسام اربعہ شمار کرائے ہیں۔

ان جملہ اقسام کی تعریف وتشریح آئندہ تین اشعار کے ذیل میں آرہی ہے۔ لفظ **تَفَصَّلَا** بالصاد ہے اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔

اول یہ کہ **فَصَّلَ** سے باب تفعل کا ماضی مطلق کا صیغہ ہو بمعنی **تَبَيَّنَ وَظَهَرَ** اس صورت میں صاد کا فتحہ پڑھیں گے اور جملہ مستانفہ ہوگا اور الف برائے اطلاق مانا جائے گا۔

دوسرے یہ کہ اسی باب کا مصدر ہو اس دوسری صورت میں یہ کلمہ تمیز بن جائے گا اور فاء کا فتحہ پڑھا جائے گا اور بضم الصاد ہوگا۔ بعض شارحین نے فرمایا ہے کہ **تُفُصِّلَا** بصیغہ ماضی مجہول بھی بعض نسخوں میں آیا ہے مگر چونکہ **تُفَصِّلُ** خود لازم ہے اس لئے اس کا مجہول لانا درست نہیں۔ **فافهم**

بعض نسخوں میں شعر ۷۴ اس طرح سے ہے۔

وَالْاِبْتِدَا وَهِيَ تُقْسَمُ اِذَنْ ثَلَاثَةٌ تَامٌ وَكَافٍ وَحَسَنْ

اس صورت میں لفظ **اِذَنْ** فعل مضارع یعنی **تُقْسَمُ** کا ظرف ہوگا یعنی اس وقت وقوف منقسم ہوتے ہیں تین قسم کی طرف ان میں ایک تام ہے دوسری قسم کافی اور تیسری قسم حسن ہے۔

شیخ زکریاؒ کے نسخہ میں شعر (۷۴) اسی طرح سے ہے اور انہوں نے لفظ **اِذَنْ** کو زائد بتایا ہے۔ مگر ملا علی قاریؒ نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ لفظ **اِذَنْ** زائد ہونے کی صورت میں بالنون نہیں لکھا جاتا۔

(75) **وَهِيَ لِمَا تَمَّ فَاِنْ لَّمْ يُوْجَدِ**
تَعَلُّقٌ اَوْ كَانَ مَعْنًى فَابْتَدِيْ

﴿ت﴾ ''اور یہ اوقات مذکورہ (یعنی تام اور کافی اور حسن) اس وقت ہوتے ہیں جب کہ کلام تام ہو (یعنی مسند و مسند الیہ دونوں مذکور ہو چکے ہوں) پھر اگر (کلمہ موقوف علیہا کا) کوئی تعلق مابعد سے نہ پایا جائے یا تعلق معنوی پایا جائے تو (مابعد سے) ابتداء کر۔''

(76) فَالتَّامُ فَالْكَافِيْ وَلَفْظًا فَامْنَعَنْ
اِلَّا رُءُوْسَ الْاٰيِ جَوِّزْ فَالْحَسَنْ

﴿ت﴾ ''پس (پہلی قسم وقف) تام ہے اور (اس کے بعد دوسری قسم وقف) کافی ہے اور اگر (لفظ موقوف علیہ کو مابعد سے تعلق) لفظی ہو تو (مابعد سے ابتداء کرنے کو) ضرور منع کر پس (یہ وقف) وقف حسن ہے مگر (اس وقف کے بعد مابعد سے ابتداء کرنے کی ممانعت سے) رؤس آیات (یعنی وہ مواقع) مستثنیٰ ہیں جہاں آیات کی نشانیاں بنی ہوئی ہیں لہٰذا ان جگہوں سے ابتدا کو جائز قرار دے۔''

﴿تشریح﴾ پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ اولاً وقف کی چار قسمیں ہیں (۱) اختیاری (۲) اختباری (بائے موحدہ سے) (۳) اضطراری (۴) انتظاری۔ اگر استاد شاگرد کے درمیان بغرض تعلیم و تعلم کسی جگہ پر امتحاناً وقف کیا جائے یعنی یہ کہ اس کلمہ پر کس طرح وقف کریں گے (اشمام سے روم سے حذف سے یا اثبات سے) تو اس کو وقف اختباری کہتے ہیں (یہ رسم کی اتباع کے ساتھ ہر جگہ ہو سکتا ہے) اور اگر سانس کی تنگی یا نسیان کی وجہ سے پڑھنے والا کسی جگہ ٹھہرنے پر مجبور ہو جائے تو اس کو وقف اضطراری کہتے ہیں (یہ بھی رسم کی پیروی کی شرط سے ہر جگہ ہو سکتا ہے) لیکن اگر اختباری و اضطراری کے موقع میں کلام کے معنی پورے نہ ہو رہے ہوں یا معنی تو پورے ہو گئے ہوں لیکن مابعد سے لفظی تعلق ہو اور وہاں رأس آیت نہ ہو تو ماقبل سے اعادہ کرنا ضروری ہے اور اگر اختلافی وجوہ پوری کرنے کے لئے کسی کلمہ پر اس غرض سے وقف کریں کہ دوسرا کلمہ اس پر معطوف ہو سکے تو اس کو وقف انتظاری کہتے ہیں اور یہ ہر اس کلمہ پر درست ہے جس میں قرآءت کی وجوہ ایک سے زائد ہوں جیسے مُوْسٰی' اَرْجِهْ وغیرہ۔

وقف اختیاری: وہ ہے جو کسی جگہ عمداً اور ارادۃً راحت حاصل کرنے کے لئے اختیار کیا جائے اس کی تین قسمیں ہیں (۱) وقف تام' (۲) وقف کافی' (۳) وقف حسن ان تینوں کی تعریفات یہ ہیں۔

(۱) وقف تام: وہ ہے جو ایسی جگہ پر کیا جائے جہاں مسند اور مسند الیہ اور ان کے تعلقات کے اعتبار سے کلام بالکل پورا ہو چکا ہو اور مابعد سے کسی قسم کا کوئی تعلق لفظی اور معنوی نہ ہو جیسے سورۂ بقرہ میں وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ پر وقف کیا جائے کہ اس جگہ کلام بالکل تام ہے۔ مومنین کے اوصاف

بیان کردیئے گئے ہیں اور اس کے بعد اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے کفار کے احوال کا بیان شروع ہو رہا ہے وقف تام کر کے اس کے مابعد والے کلمہ سے ابتدا کرنا درست ہے۔

(۲) وقف کافی: وہ ہے جو ایسی جگہ پر کیا جائے جہاں لفظ موقوف علیہ کا مابعد سے معنوی تعلق ہو اور لفظی تعلق نہ ہو مثلاً اگر سورۂ بقرہ میں وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ پر وقف کریں تو چونکہ ترکیب نحوی کے اعتبار سے لفظ يُوْقِنُوْنَ کا مابعد سے کوئی تعلق نہیں ہے (البتہ معنوی تعلق ہے کیونکہ اس کے بعد جو اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى الآیۃ ہے وہ مذکورین سابقین اہل ایمان ہی کے متعلق ہے) اس لئے یہ وقف وقف کافی ہوگا اس میں بھی مابعد سے ابتداء کرنا درست ہے۔

(۳) وقف حسن: وہ ہے جو ایسی جگہ پر کیا جائے کہ جہاں لفظ موقوف علیہ کا مابعد سے لفظی تعلق ہو اور معنوی اعتبار سے وہاں وقف کرنے سے فساد معنی لازم نہ آتا ہو خواہ وہاں رأس آیت ہو خواہ نہ ہو جیسے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ پر اگر وقف کریں تو یہ وقف حسن ہے کیونکہ یہاں جملہ تام ہو گیا ہے لیکن چونکہ مابعد سے تعلق اس اعتبار سے باقی ہے کہ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا لفظ اللہ کی صفت ہے اس لئے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ پر وقف کر کے مابعد سے ابتداء حسن نہیں ہے اور اگر رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ پر وقف کریں تو یہ بھی وقف حسن ہے مگر چونکہ یہاں راس آیت ہے یعنی ایک آیت ختم ہو کر دوسری آیت شروع ہو رہی ہے اس لئے ما بعد سے ابتدا کرنا درست ہے اسی کو مصنفؒ نے اِلَّا رُءُوْسَ الْاٰيِ کہہ کر بیان فرمایا ہے رُؤُوْسٌ جمع ہے رَأْسٌ کی اور اٰيِ اٰيَةٌ کی جمع ہے، راس آیت وہ جگہ ہے جہاں آیت کی نشانی بنی ہو چونکہ رؤس الآیات پر وقف کرنا مستحب ہے اس لئے گو وقف حسن کے موقعہ پر لفظی تعلق مابعد سے باقی رہتا ہے پھر بھی قراء کرام رأس آیت پر وقف کرنے کے بعد مابعد سے ابتداء کرنے کو درست کہتے ہیں ہاں اگر رأس آیت نہ ہو تو وہاں وقف حسن کے بعد ماقبل سے اعادہ کا حکم فرماتے ہیں۔

﴿فائدہ﴾ بعض حضرات نے وقف اختیاری کی چار قسمیں قرار دی ہیں اور اقسام ثلثہ مذکورہ کے علاوہ ایک قسم وقف صحیح بتلائی ہے اور اس طرح تقسیم کی ہے کہ اگر لفظ موقوف علیہ کا مابعد سے کسی طرح کا بھی تعلق نہ ہو تو وقف تام ہے اور اگر صرف معنوی تعلق ہو تو وقف کافی ہے اور اگر دونوں طرح کا تعلق ہو یعنی بعد والے کلمہ سے لفظی و معنوی دونوں تعلق موجود ہوں تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہاں رأس

آیت ہو دوم یہ کہ رأس آیت نہ ہو لیکن اس جگہ وقف کرنے سے فساد معنی لازم نہ آتا ہو اول صورت وقف حسن ہے دوسری صورت وقف صحیح ہے۔

(77) وَغَيْرُ مَا تَمَّ قَبِيحٌ وَلَهُ
يُوقَفُ مُضْطَرًّا وَّيُبْدَا قَبْلَهُ

﴿ت﴾ ''اور جو کلام غیر تام ہو اس پر وقف کرنا قبیح ہے اور بحالت اضطرار اس پر وقف کیا جاتا ہے اور (اس کا حکم یہ ہے کہ) ماقبل سے ابتداء کی جائے گی (یعنی اعادہ کرنا ہوگا)''

﴿تشریح﴾ اس شعر میں مصنفؒ نے وقف قبیح کی تعریف اور اس کا حکم بیان فرمایا ہے توضیح مقام یہ ہے کہ وقف قبیح وہ وقف ہے کہ جو کسی ایسے لفظ پر ہو جہاں کلام تام نہ ہو رہا ہو اور بعد والے کلمہ سے لفظی و معنوی تعلق موجود ہو اس کو وقف قبیح اس لئے کہتے ہیں کہ اس وقف کی وجہ سے معنی غیر مراد کا ایہام ہوتا ہو اور کسی جگہ کلام ادھورا رہ جاتا ہو' مثلاً اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ میں صرف اَلْحَمْدُ پر وقف کر دینا یا مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ میں صرف مَالِكِ پر وقف کرنا یا فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَوَ اللّٰهُ پر وقف کر دینا یا وَمَا مِنْ اِلٰهٍ پر وقف کر دیا جائے اور اس کو مابعد سے ملا کر یوں نہ پڑھا جائے وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ یا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ پر وقف کر دیا جائے اور اس کے ساتھ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى کو نہ ملایا جائے اس کی مثالیں بہت ہیں اور عربی نہ جاننے والوں سے اکثر وقف قبیح کی غلطیاں سرزد ہوتی رہتی ہیں۔ مضاف الیہ کو چھوڑ کر مضاف پر وقف کرنا اور فعل پر بغیر فاعل کے وقف کرنا اور خبر کو چھوڑ کر مبتداء پر وقف کرنا اور موصول پر بغیر صلہ کے وقف کرنا اور شرط پر بلا جزاء کے وقف کرنا كَانَ' اِنَّ وغیرہ کی خبر کو چھوڑ کر ان کے اسم پر وقف کرنا۔ یہ سب وقف قبیح کی صورتیں ہیں ان سے پوری طرح علماء کرام ہی اجتناب کر سکتے ہیں جن کو نحو کے قواعد مستحضر ہوں اور عربی خوب جانتے ہوں اور وسط کلمہ پر وقف کرنا بہت زیادہ قبیح یعنی اقبح ہے مثلاً اَلْحَمْدُ میں اَلْحَمْ پر وقف کر دے۔ یا ذٰلِكَ الْكِتَابُ پڑھتے وقت ذٰلِكَ الْكِتَا پر وقف کر دے اور جس جگہ وقف کرنے سے بے ادبی یا کفر کے معنی پیدا ہو جاتے ہوں وہاں وقف کرنا نہایت قبیح تر ہے۔

﴿وقف قبیح﴾ کا حکم یہ ہے کہ قصداً ایسا وقف کرنا ممنوع ہے اور اس کے بعد سے ابتداء کرنا بھی

ممنوع ہے اضطرار اور مجبوری کی حالت میں وقف قبیح ہوسکتا ہے مگر اس کے مابعد سے ابتداء کرنا اس صورت میں بھی جائز نہیں ہے اس کو مصنفؒ نے شعر (۷۷) کے مصرع دو میں بیان فرمایا ہے۔

78 وَلَيْسَ فِي الْقُرْآنِ مِنْ وَقْفٍ وَّجَبْ
وَلَا حَرَامٍ غَيْرِ مَا لَهُ سَبَبْ

﴿ت﴾ ''اور قرآن مجید میں ایسا کوئی وقف نہیں جو واجب ہو اور نہ کوئی وقف حرام ہے سوائے اس وقف کے جس کے (وجوب یا حرمت کے) لئے کوئی سبب ہو۔''

﴿تشریح﴾ مطلب یہ ہے کہ فقہی اعتبار سے قرآن مجید میں نہ کسی جگہ وقف کرنا واجب ہے (جس کے ترک سے گناہ لازم آتا ہو) اور نہ کسی جگہ وقف کرنا حرام ہے (کہ اگر وقف نہ کریں گے تو گنہگار ہوں) لیکن اگر کسی جگہ وقف کرنے سے معنی مراد کے خلاف معنی مفہوم ہوتے ہوں اور کوئی بد عقیدہ آدمی اس غیر مراد معنی کی نیت سے اس جگہ وقف کرے تو اس صورت میں وہ وقف حرام ہوگا نیز اگر کسی جگہ وقف نہ کرنے سے معنی مراد کے خلاف معنی مفہوم ہوتے ہوں اور پڑھنے والا اسی فاسد معنی کی نیت سے وصل کرتا ہو تو اس صورت میں اس جگہ وقف کرنا واجب ہو جائے گا۔ مَالَهُ سَبَبٌ سے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اگر معنی غیر مراد کو مراد لئے بغیر کوئی شخص وقف یا وصل کر دے تو اس صورت میں گنہگار تو نہیں ہوتا لیکن اہل اداء کے نزدیک ایسا کرنا ممنوع ہے اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ وقف لازم پر وقف نہ کرنے سے گناہ ہوتا ہے یا فلاں فلاں جگہ وقف کرنا یا وقف نہ کرنا کفر ہے یہ باتیں غلط ہیں کیونکہ کوئی مسلمان خلاف مراد خداوندی قرآن مجید کی آیت یا کلمہ کے معنی مراد نہیں لے سکتا ہے۔

قال القاریؒ و معنی البیت بکماله انه لیس فی القران وقف واجب یا ثم القاری بترکه ولا وقف حرام یا ثم بوقفه لانهما لایدلان علی معنی فیختل بذها بهما الا ان یکون لذلك سبب یستدعی تحریمه وموجب یقتضی تاثمیه (الی ان قال) واذا لم یقصد (المعنی

الفاسد) فلا يحرم عليه لا الوصل ولا الوقف فی مبناه الخ۔

حضرات قراء کرام کا یہ بھی ارشاد ہے کہ قاری بمنزلہ مسافر کے اور اوقاف بمنزلہ منازل سفر کے ہیں پس جس طرح ہر منزل پر بلاضرورت قیام کرنا اضاعت وقت ہے اسی طرح بلاضرورت ہر علامت وقف پر وقف کرنا نامناسب ہے کیونکہ جتنی دیر میں وقف کرے گا اتنے وقت میں ایک دو کلمہ آگے بڑھ جائے گا البتہ وقف لازم اور وقف مطلق پر اور جس آیت کو مابعد سے تعلق نہ ہو اس پر وقف کرنا مستحسن ہے۔ بہت سے قاری يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اسْتَعِينُوْا پر بلاضرورت وقف کر کے اِسْتَعِينُوْا سے اعادہ کرتے ہیں یہ خواہ مخواہ ایک طرز اختیار کر لیا ہے کیونکہ بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ تک آسانی سے پڑھا جا سکتا ہے اور اِسْتَعِينُوْا پر وقف کرنے سے جار مجرور فعل سے جدا ہو جاتا ہے۔

ملا علی قاریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ حدیث ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کی وجہ سے رؤس آیت پر وقف کرنا مستحب ہے۔ خواہ مابعد سے تعلق لفظی ہو خواہ نہ ہو۔ بیہقیؒ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے اور امام ابوعمرو بصریؒ نے فرمایا ہے کہ مجھے یہ پسندیدہ ہے لیکن یہ بات ارباب وقوف (مثلاً صاحب خلاصہ اور سجاوندیؒ) کے مذہب کے خلاف ہے' یہ حضرات حدیث مذکور کو بیان جواز اور تعلیم فواصل پر محمول کرتے ہیں اور مابعد سے تعلق ہونے نہ ہونے کے اعتبار سے رؤس آیات اور غیر رؤس آیات کا حکم ایک ہی بتاتے ہیں اسی لئے فواصل پر بہت سی جگہ انہوں نے "لا" کی علامت لکھی ہے۔ البتہ رؤس آیات سے ابتداء کو جائز کہتے ہیں۔

حضرت ام المؤمنین ام سلمہؓ کی حدیث علامہ جزریؒ نے النشر میں اس طرح بیان فرمائی ہے:

قال الجزریؒ فی النشر ج ۱ ص ۲۲۶ فی بیان الوقف الحسن۔ یجوز الوقف علیه دون الابتداء بما بعده للتعلق اللفظی الا ان یکون راس اية فانه یجوز فی اختیار اكثر اهل الاداء لمجیئه عن النبی صلی الله علیه وسلم فی حدیث ام سلمة رضی الله عنها ان النبی صلی الله علیه وسلم كان اذا قرا قطع قراء ته اية اية یقول بسم الله الرحمن الرحیم ثم یقف ثم یقول الحمد لله رب العالمین ثم یقف۔ (رواه ابوداود ساكتا علیه والترمذی و احمد و ابوعبیدة وغیرهم) "وما توفیقی الا بالله علیه

توکلت والیه انیب"

وقف، قطع اور سکتہ

وقف کے ساتھ قطع اور سکتہ کو بھی سمجھنا اور تینوں کا باہمی فرق معلوم کرنا چاہیے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اِنَّ الْوَقْفَ هُوَ قَطْعُ الصَّوْتِ عِنْدَ اٰخِرِ الْكَلِمَةِ مِقْدَارِ زَمَنِ التَّنَفُّسِ وَالسَّكْتِ قَطْعُ الصَّوْتِ زَمَانًا اِقْصِرُ مِنْ زَمَنِ التَّنَفُّسِ۔ یعنی کلمہ کے آخری حرف پر سانس لینے کے بقدر آواز روکنے کو وقف کہتے ہیں اور سکتہ کی بھی یہی تعریف ہے لیکن سکتہ کا وقت سانس لینے کے وقت سے کم ہوتا ہے۔

ملا علی قاریؒ نے وقف کی تعریف میں سانس لینے کی قید نہیں لگائی ہے صرف یہ کہا ہے کہ سانس لینے کے بقدر آواز روکی جائے لیکن عموماً وقف کی تعریف میں آواز روکنے کے ساتھ سانس لینے کی قید بھی مجودین کرام لگاتے ہیں اور سکتہ قطع صوت بلا تنفس کا نام ہے جس کا زمانہ وقف کے زمانہ سے کم ہوتا ہے وقف اور قطع میں فرق یہ ہے کہ تلاوت کرتے وقت ٹھہر جانے کے بعد اگر تلاوت جاری رکھنے کا ارادہ ہو تو اس ٹھہرنے کو وقف کہیں گے (خواہ اس کے بعد ماقبل سے اعادہ کریں خواہ مابعد سے ابتداء کریں کما تقتضی الحال)

﴿قطع﴾ اگر تلاوت بند کر دینے کی نیت سے ٹھہر جائیں تو اس کو قطع کہیں گے اسی لئے قطع کے بعد پھر تلاوت جاری کرنے کے لئے استعاذہ پڑھنے کی ضرورت ہوتی ہے اور وقف وسکتہ کے بعد اس کی ضرورت نہیں ہوتی اور قطع کے لئے چونکہ وقف ضروری ہے اس لئے قطع پر وقف کے احکام جاری ہوتے ہیں (یعنی قواعد وقف کے مطابق محل وقف پر قطع کرنا چاہیے) اگر پڑھنے کا ارادہ تھا اور کسی وجہ سے قطع ہو گیا تو اس کو قطع اتفاقی کہتے ہیں اور اگر قطع قرآءت مقصود ہو تو قطع حقیقی ہوگا دوران تلاوت اجنبی کلام کرنے سے بھی قطع لازم آتا ہے اس کے بعد بھی استعاذہ کر کے آگے بڑھے۔

﴿سکتہ﴾ سکتہ بھی وقف کے حکم میں ہے۔ یعنی جن طریقوں سے کسی کلمہ پر وقف ہوتا ہے ان ہی کے مطابق سکتہ بھی ہوگا (بشرطیکہ روایۃً ثابت ہو) لہٰذا دوزبر والے کلمہ پر سکتہ بالا بدال ہوگا مثلاً

سورۂ کہف میں عِوَجًا پر سکتہ اس طرح کریں گے کہ تنوین کو الف سے بدل دیں گے آیت یا علامت وقف پر وقف کرنے سے سکتہ ساقط ہو جاتا ہے اگر چہ سکتہ واجب ہی ہو مثلاً سورۂ یٰسین میں مِنْ مَّرْقَدِنَا پر علامت وقف (مٓ) ہے اور سورۂ کہف میں عِوَجًا پر آیت کی علامت ۃ طؔ ہے ان دونوں جگہوں میں یا تو وقف کریں گے یا سکتہ کریں گے وقف کرنے کی صورت میں سکتہ بالکل ختم ہو جائے گا کیونکہ سکتہ وصل میں ہوتا ہے وقف میں نہیں ہوتا۔

حفصؒ کی روایت میں بطریق شاطبیؒ پورے قرآن مجید میں چار سکتے واجب ہیں۔

(۱) عِوَجًا پر سورۂ کہف کے شروع میں (۲) مِنْ مَّرْقَدِنَا پر سورۂ یٰسین میں۔ (۳) مَنْ رَّاقٍ کے مَنْ پر سورۂ قیامہ میں (۴) بَلْ رَانَ کے بَلْ پر سورۂ تطفیف میں ان چاروں مواقع میں بطریق شاطبیؒ سکتہ کرنا واجب ہے اور بطریق جزری جائز ہے اگر جائز پر عمل کرتے ہوئے ترک سکتہ کریں گے تو پہلی مثال میں عِوَجًا پر اخفاء اور تیسری مثال میں نون کا راء میں اور چوتھی مثال میں لام کا راء میں ادغام ہوگا۔

ان چار سکتوں کے علاوہ قرآن مجید میں اور بھی چار جگہ لفظ سکتہ لکھا ہوا ہے۔

(۱) سورۂ اعراف کے دوسرے رکوع میں رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا پر۔ (۲) سورۂ اعراف کے بائیسویں رکوع کے شروع میں اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا پر (۳) سورۂ یوسف کے تیسرے رکوع کے ختم کے قریب يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا پر (۴) سورۂ قصص کے تیسرے رکوع کے شروع میں حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَاءُ پر یہ چاروں سکتے صاحب روایت یعنی حضرت حفصؒ سے مروی نہیں ہیں اس لئے نہ تو واجب ہیں اور نہ ان کے ترک سے روایت کی مخالفت لازم آئے گی اسی لئے ان کو سکتات جائزہ کہا جاتا ہے (كما في هدية الوحيد) بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ چاروں سکتے علماء اوقاف نے مقرر کئے ہیں۔

سکتہ کرتے وقت آخر میں ہمزہ کی آواز پیدا نہ ہونی چاہیے جیسا کہ اکثر غلطی ہو جاتی ہے۔ صاحب فوائد مکیہ لکھتے ہیں کہ کلمات میں تقطیع اور سکتات نہ ہونے چاہیے خصوصاً سکون پر البتہ جہاں روایۃً ثابت ہوا ہو وہاں سکتہ کرنا چاہیے اور یہ چار جگہ ہے جیسے کہ پہلے بیان ہو چکا ہے آیات پر سکتہ کرے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

اور عوام میں یہ جو مشہور ہے کہ سورۂ فاتحہ میں سات جگہ سکتہ کرنا نہایت ضروری ہے اگر سکتہ نہ کیا جائے تو شیطان کا نام ہو جائے گا یہ (خیال) سخت غلطی ہے وہ سات جگہ یہ ہیں (دُلْ۔ ھرَبْ۔ کِیُوْ۔ کَنَعْ۔ کَنَسْ۔ تَعَلُ۔ بِعَلْ) اگر ایسا ہی کسی کلمہ کا آخر ملا کر کلمات گھڑ لئے جائیں تو اور بھی بہت سے سکتے نکلیں گے۔ (انتہی بلفظہ)

ابتداء اور اعادہ:

وقف کے بعد لفظ موقوف علیہ کے مابعد سے آگے پڑھنے کو ابتداء اور پیچھے سے لوٹا کر پڑھنے کو اعادہ کہتے ہیں۔

تلاوت کے اعتبار سے ابتداء کی دو قسمیں ہیں: (۱) اختیاری جو وقف تام اور وقف کافی اور آیات کے بعد سے ہو (۲) اختباری' جو طلبہ کو یہ بتانے کے لئے کہ اس جگہ سے ابتداء صحیح ہے اور اس جگہ سے غلط ہے البتہ ابتدا اضطراری نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ اس میں سانس کی تنگی یا اور کسی طرح کی مجبوری پیش نہیں آتی چونکہ ابتداء وقف کے بعد ہوتی ہے اس لئے مواقع اوقاف کے اعتبار سے ابتداء کی پانچ قسمیں ہیں:

(۱) احسن' (۲) حسن' (۳) صحیح' (۴) قبیح' (۵) اقبح

(۱) ابتداء احسن: جو اس وقف تام اور وقف کافی کے بعد سے ہو جہاں وصل کرنے سے خلاف مراد معنیٰ کا ایہام ہوتا ہو۔ وقف لازم کی علامت اس طرح کے مواقع ایہام میں ہوتی ہے۔ مثلاً سورۂ مومن کے پہلے رکوع میں اَصْحَابُ النَّارِ پر وقف لازم کی علامت ہے اگر یہاں وقف نہ کریں تو ایہام ہوگا کہ اس کے مابعد جو اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ ہے وہ (العیاذ باللہ) اَصْحَابُ النَّارِ کی صفت ہے لہٰذا وقف کر کے اَلَّذِيْنَ سے ابتداء ضروری ہوتی ہے اور یہ ابتداء احسن ہے۔

(۲) ابتداء حسن: جو اس وقف تام اور وقف کافی کے بعد سے ہو جہاں وصل کرنے سے معنیٰ مراد کے خلاف کا وہم نہ ہوتا ہو جیسے سورۂ آل عمران میں نَحْنُ اَغْنِيَاءُ پر وقف کر کے سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا سے ابتداء کرنا۔

(۳) ابتداء صحیح: جو آیات پر وقف کرنے کے بعد ہو خواہ وہاں مابعد سے ماقبل کا تعلق ہو خواہ نہ ہو۔

(۴) ابتداء قبیح: وہ ہے جس سے مقصد کے خلاف معنی پیدا ہوتے ہوں جیسے عُزَيْرُ اور الْمَسِيحُ پر وقف کر کے اِبْنُ سے ابتداء کرنا قبیح ہے۔ اور ان دونوں سے پہلے الْيَهُودُ اور النَّصٰرٰی پر وقف کر کے خود عُزَيْرُ اور الْمَسِيحُ سے ابتداء کرنا زیادہ قبیح ہے۔ نیز يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ (ممتحنہ ع۱) پر وقف کرنا تو صحیح ہے لیکن وَاِيَّاكُمْ سے ابتداء کرنا قبیح ہے۔

(۵) ابتداء اقبح: جو کفار اور مشرکین و منافقین کے کسی مقولہ سے یا کسی ایسی جگہ سے ہوں جہاں سے ابتداء کرنے میں بہت زیادہ خراب معنی بن جاتے ہوں جیسے کوئی اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ سے ابتداء کرے یا سورۂ ممتحنہ میں يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ پر وقف کر کے وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ سے ابتداء کرے۔

﴿ تنبیہ ﴾ جس طرح کلمہ واحدہ کے درمیان وقف کرنا قبیح ہے اسی طرح کلمہ واحدہ کے درمیان سے ابتداء اور اعادہ بھی قبیح ہے بلکہ جو دو کلمے ملا کر لکھے ہوئے ہوں ان میں سے اول کلمہ پر وقف کر کے کلمہ ثانیہ سے ابتدا کرنا بھی قبیح ہے جیسے مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ میں مِنْ کو مَا سے علیحدہ کر کے وقف کر دینا (خواہ وقف اضطراری ہی ہو اور مَا سے ابتداء کرنا قبیح ہے نیز فعل کو چھوڑ کر فاعل سے یا موصوف کو چھوڑ کر صفت سے یا مبتداء کو چھوڑ کر خبر سے یا موصول کو چھوڑ کر صلہ سے یا اِنَّ کے اسم کو چھوڑ کر اس کی خبر سے ابتداء کرنا یہ سب قبیح ہے اس طرح کی اور بھی بہت سی صورتیں ابتداء قبیح کی ہیں جن کو علم نحو سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں اور جس جگہ ابتداء درست نہ ہو وہاں سے اعادہ بھی درست نہیں ہے آج کل کے قراء سورۂ حم سجدہ کے چوتھے رکوع کی مشق کراتے ہیں اَضَلّٰنَا سے اعادہ کرنا سکھاتے ہیں حالانکہ یہ درست نہیں ہے کیونکہ ایسا کرنے سے صلہ موصول سے جدا ہو جاتا ہے اور اسی طرح سورۂ انبیاء کے آخری رکوع میں اِشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ سے جو اعادہ کرتے ہیں یہ بھی غلط ہے کیونکہ یہاں بھی مَا موصولہ سے اس کا صلہ جدا ہو جاتا ہے بلکہ فِيْمَا اشْتَهَتْ پر وقف کرنا بھی ٹھیک نہیں ہے کیونکہ فعل فاعل سے جدا ہو جاتا ہے اور یہ وقف خواہ مخواہ کرتے ہیں کوئی اضطرار بھی نہیں ہوتا ہے۔ خٰلِدُوْنَ تک ایک سانس میں پڑھا جا سکتا ہے اگر کسی کا سانس کام ہی نہ کرے تو اَنْفُسُهُمْ

پر وقف کرے اور وَهُمْ سے اعادہ کرے تب قبیح دور ہوگا۔

﴿اعادہ:﴾ اسی جگہ سے درست ہے جہاں سے لوٹا کر پڑھنے میں ربط پایا جاتا ہو اور ابتداء کی طرح اعادہ بھی دوسرے سانس سے ہونا چاہیے تاکہ اعادہ بالوصل نہ ہو جائے اور گو اعادہ دوسرے سانس سے ہوگا لیکن اعادہ کرنے میں تاخیر نہ ہونی چاہیے بلاضرورت اور بے محل اعادہ کرنے سے پرہیز لازم ہے اور قرآئت میں کثرت اعادہ کے مواقع پیدا کرنا ٹھیک نہیں ہے اور حروف مقطعات کے درمیان مد کرتے ہوئے اگر سانس ٹوٹ جائے تو بجائے اعادہ ابتدا کرے جس طرح ابتداء کی چند قسمیں ہیں (احسن، حسن، قبیح اقبح) اسی طرح اعادہ بھی چند اقسام پر ہے جہاں سے اعادہ احسن یا حسن ہو وہاں سے کرنا چاہیے ورنہ اعادہ قبیح سے ابتداء بہتر ہے جیسے قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ سے اعادہ حسن ہے اور اَنَّ اللّٰهَ سے اعادہ قبیح ہے نیز اعادہ چونکہ ایک طرح کی ابتداء ہی ہے اس لئے اس پر ابتدا ہی کے احکام جاری ہوں گے مثلاً ہمزہ وصلی والے کلمہ سے اعادہ کریں گے تو ہمزہ کو حسب قاعدہ ضمہ یا کسرہ کے ساتھ پڑھیں گے اور ہمزہ قطعی اپنی حرکت کے مطابق پڑھا جائے گا اور جس کلمہ پر الف لام داخل ہوگا اس کا اعادہ الف لام کے ساتھ کریں گے۔

کیفیت وقف:

اب مسائل وقف کی تفصیل سمجھو وقف ہمیشہ کلمہ کے آخر حرف پر ہوتا ہے اور آخری حرف کے اعتبار سے کلمہ کی دس قسمیں ہیں (۱) کلمہ کا آخری حرف ساکن ہو جیسے اَمْثَالَهُمْ (۲) کلمہ کے آخری حرف پر زبر ہو جیسے اَلْعٰلَمِيْنَ (۳) ایک زیر ہو جیسے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (۴) ایک پیش ہو جیسے نَسْتَعِيْنُ (۵) دو زبر ہوں جیسے غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (۶) دو زیر ہوں جیسے مِنْ رِّزْقٍ (۷) دو پیش ہوں جیسے بَرْقٌ (۸) آخری حرف مدہ ہو جیسے قَالُوْا اور فَوَجَدَا (۹) آخری حرف لین ہو جیسے ذَوَاتَیْ (۱۰) آخری حرف تائے مدورہ ہو ان میں سے پہلی اور آٹھویں اور نویں صورت میں وقف بالسکون ہوتا ہے۔ یعنی وقف کرتے وقت کسی طرح کا کوئی تغیر نہیں کرنا پڑتا بس سانس لے کر آگے بڑھ جاتے ہیں اور حرف ساکن حسب سابق ساکن ہی رہتا ہے اور ایک زبر کی صورت میں صرف وقف بالاسکان ہوتا ہے اور دو زبر کی حالت میں اور تائے مدورہ ہونے کی صورت میں (خواہ تاء پر کچھ بھی اعراب ہو)

وقف بالابدال ہوتا ہے اور ایک زیر اور دو زیر کی صورت میں وقف بالاسکان اور وقف بالروم دونوں ہوتے ہیں اور ایک پیش اور دو پیش ہونے کی صورت میں وقف بالاسکان اور وقف بالروم اور وقف بالاشمام تینوں ہوتے ہیں۔

وقف بالسکون کا مطلب تو ہم نے ابھی بتا دیا کہ وقف میں ساکن کو ساکن ہی پڑھتے ہیں اور کسی طرح کا تغیر نہیں ہوتا۔ اب وقف کی دیگر کیفیات کا مطلب سمجھو۔

﴿وقف بالاسکان﴾ متحرک کو ساکن کر کے وقف کرنا اور اسکان، روم، اشمام تینوں قسموں میں اصل وقف بالاسکان ہی ہے کیونکہ وقف راحت کے لئے ہوتا ہے اور وہ پوری طرح سکون ہی سے حاصل ہوتی ہے کیونکہ حرکت کی طرف ذرا بھی اشارہ نہیں کرنا پڑتا اور چونکہ وقف بالاسکان تینوں حرکتوں میں ہوتا ہے اور من حیث الروایت سب قراء سے ثابت بھی ہے اس لئے وقف بالاسکان ہی اصل ہے اور وقف بالاسکان کو اس وجہ سے بھی اصل کہا گیا ہے کہ وقف ابتداء کی ضد ہے پس جب ابتداء بالحرکۃ ہوتی ہے تو اس کی ضد یعنی وقف سکون کے ساتھ ہونا چاہیے۔

﴿وقف بالروم﴾ یہ صرف کسرہ اور ضمہ میں ہوتا ہے اور طریقہ اس کا یہ ہے کہ ضمہ اور کسرہ کے تین حصوں میں سے صرف ایک حصہ یعنی تہائی حرکت ادا کی جائے جسے وہی شخص سن سکتا ہے جو قریب بیٹھا ہوا توجہ سے سن رہا ہو۔

روم ایک ہلکی سی ہوتی ہے صدا جس کو سن سکتا ہے یعنی پاس کا

﴿وقف بالاشمام﴾ یہ صرف ضمہ میں ہوتا ہے اور طریقہ اس کی ادائیگی کا یہ ہے کہ پیش والے حرف کو بالکل ساکن کر دیا جائے اور ساکن کرنے کے بعد فوراً ہی ہونٹوں سے پیش کی طرف اشارہ کر دیا جائے یعنی دونوں ہونٹوں کو پوری طرح ملائے بغیر ذرا سی چونچ بنا دو جیسے کہ پیش کے ادا کرتے وقت بن جاتی ہے اس میں پیش کی آواز قطعاً نہیں ہوتی اس لئے اس کو نابینا نہیں معلوم کر سکتا کیونکہ یہ آنکھوں سے دیکھنے پر موقوف ہے۔

اب سمجھ اشمام تحریک دو لب قصد گو یا ضمہ کا ہے اے با ادب

روم اور اشمام کو کتاب ختم ہونے کے قریب چونکہ مصنفؒ نے مستقل بیان کیا ہے اس لئے دیگر امور متعلقہ روم و اشمام انشاء اللہ تعالیٰ وہیں بیان ہوں گے۔

﴿وقف بالا بدال﴾ یعنی جس حرف پر وقف کرنا ہو اس کو (حسب قاعدہ) دوسرے حروف سے بدل کر وقف کرنا اور حفصؒ کی روایت میں دو موقعوں پر ہوتا ہے اول جہاں دو زبر کی تنوین ہو ایسے موقعہ میں تنوین کو الف سے بدل کر وقف کرتے ہیں جیسے غَفُوْرًا اور تُرَابًا اور مَآبًا وغیرہ۔

دوم: جہاں تائے مدورہ یعنی گول ۃ پر وقف کرنا ہو ایسی "ۃ" کو ہاء سے بدل کر وقف کریں گے جیسے لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ۔

﴿وقف بالا ثبات﴾ یعنی اس حرف کو ثابت رکھ کر وقف کرنا جو وصل میں اجتماع ساکنین علی غیر حدہ کی صورت میں حذف ہو گیا تھا جیسے وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ میں قَالَا پر وقف کرنا اور قَالُوا الْئٰنَ میں قَالُوْا پر اور اَخِي اشْدُدْ میں اَخِيْ پر وقف کرنا۔

﴿وقف بالحذف﴾ یعنی جو حرف وصلاً ثابت ہو اس کو حذف کر کے وقف کرنا جیسے سورۂ نحل میں فَمَا اٰتٰنِیَ اللّٰهُ میں یاء کو حذف کر کے اس طرح وقف کریں فَمَا اٰتٰنِ لیکن اس مثال میں وقف بالاثبات بھی جائز ہے کیونکہ وصل میں حضرت حفصؒ نون کے بعد یاء کو مفتوح پڑھتے ہیں۔ لہٰذا اثبات کی صورت میں اس طرح وقف کریں گے۔ فَمَا اٰتٰنِيْ۔

اَلْوَقْفُ عَلٰى وَفْقِ الرَّسْمِ

لفظ موقوف علیہ کے لفظی اور معنوی تعلق کو دیکھ کر وقف کا خیال رکھنے اور اسکان، روم اور اشمام کے تفصیلات ملحوظ رکھنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وقف کرتے وقت قرآن مجید کے رسم خط کو دیکھ کر وقف کیا جائے یعنی وقف کو رسم کے تابع بنا کر وقف کریں۔ جو حرف کلمہ کے آخر میں کتابۃً موجود ہو (گو وصل میں قراءۃً حذف ہو جاتا ہو) جب اس پر وقف ہوگا تو وقف بالاثبات ہوگا یعنی اس حرف کو باقی رکھ کر وقف کریں گے اسی وجہ سے لفظ لٰكِنَّا (سورۂ کہف ع ۵) اور لفظ الظُّنُوْنَا (سورۂ احزاب ع۲) اور لفظ الرَّسُوْلَا اور السَّبِيْلَا (ہر دو سورۂ احزاب ع ۸) اور پہلا قَوَارِيْرَا (سورۂ دہر ع۱) ان تمام الفاظ میں باوجودیکہ وصلاً الف نہیں پڑھا جاتا لیکن چونکہ رسم خط میں موجود ہے اس لئے وقف میں الف پڑھا جائے گا۔ اور بحذف الالف ان مواقع میں وقف کرنا جائز نہیں ہے۔

اسی طرح واحد متکلم کی ضمیر مرفوع منفصل یعنی اَنَا پر وقف بالاثبات ہوگا اگرچہ وصلاً اس کا الف

حذف ہو جاتا ہے نیز سورۂ یوسف میں لَيَكُوْنًا اور سورۂ علق میں لَنَسْفَعًا ان دونوں کے آخر میں نون خفیفہ ہے اور وصل میں ان دونوں جگہ نون ساکن کا قاعدہ پایا جاتا ہے لیکن نون خفیفہ دونوں جگہ چونکہ الف کی شکل میں لکھا ہوا ہے اس لئے وقف کتابت کے تابع ہو کر وقف بالالف ہوگا یعنی نون الف سے بدل جائے گا جیسے غَفُوْرًا کی تنوین الف سے بدل جاتی ہے اسی طرح لفظ كَاَيِّنْ جو قرآن شریف میں ہے اس میں نون تنوین کا ہے کیونکہ اصل میں یہ لفظ كَاَيٍّ ہے اس لفظ کے سوا مصحف عثمانی میں کسی جگہ تنوین لکھنے میں نہیں آتی ہے قاعدہ کے اعتبار سے وقف کی حالت میں یہ تنوین حذف ہونی چاہیے مگر چونکہ وقف رسم خط کے تابع ہوتا ہے اس لئے اس لفظ پر وقف کریں گے تو تنوین باقی رہے گی کیونکہ تنوین بشکل نون لکھی ہوئی ہے۔

اور جو حرف علت آخر کلمہ میں مرسوم یعنی لکھا ہوا ہوگا وہ وقف میں بھی ثابت رہے گا جیسے اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اور تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ اور لَا تَسْقِى الْحَرْثَ ان میں بحالت وصل حرف علت اجتماع ساکنین علی غیر حدہ کی وجہ سے حذف ہو جاتا ہے اور جب وقف کریں گے تو حرف علت پڑھا جائے گا لہٰذا اَقِيْمُوْا اور تَحْتَهَا اور لَا تَسْقِىْ پڑھیں گے اور جہاں حرف علت غیر مرسوم ہوگا (یعنی رسم خط میں حذف ہوگا) وہاں وقف کرتے وقت بھی محذوف رہے گا۔ جیسے سَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ (سورۂ نساء ع ۲۱) میں تاء کے بعد اور نُـنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ (سورۂ یونس: ع ۱۰) میں جیم کے بعد یاء حذف ہے اور يَدْعُ الْاِنْسَانُ (سورۂ اسراء ع ۲) اور يَدْعُ الدَّاعِ (سورۂ قمر ع ۱) اور سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ (سورۂ علق) ہر سہ جگہ عین کے بعد اور يَمْحُ اللّٰهُ (سورۂ شوریٰ ع ۳) میں حاء کے بعد واؤ محذوف ہے ان چاروں جگہ وقف کریں گے تو واؤ محذوف رہے گا جیسا کہ کتابت میں اور حالت وقف میں حذف ہے۔

اور اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ (سورۂ نور ع ۱۴) اور اَيُّهَ السَّاحِرُ (سورۂ زخرف ع ۵) اور اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ (سورۂ رحمٰن ع ۲) میں ہائے ہوز کے بعد رسم خط میں الف حذف ہے لہٰذا وقف میں بھی محذوف رہے گا۔

اور فَارْهَبُوْنِ اور فَاتَّقُوْنِ (ہر دو سورۂ بقرہ ع ۵) میں نون کے بعد اور كِتَابِ اور عِقَابِ (ہر دو سورۂ رعد رکوع ۵) میں باء کے بعد اور وَعِيْدِ (سورۂ ابراہیم ع ۵)۔ (سورۂ ق ع ۱۔ سورۂ ق

ع ۳) میں دال کے بعد رسم خط میں چونکہ یاء محذوف ہے اس لئے وقف میں بھی محذوف پڑھی جاتی ہے۔ اور سورۂ نمل میں جو فَمَآ اٰتٰنِ ۦَ اللّٰهُ ہے اس میں باوجودیکہ (نون کے بعد) یاء غیر مرسومہ ہے تو وقف میں اس کا اثبات اور حذف دونوں جائز ہیں کیونکہ وصل میں حضرت حفصؒ اس کو مفتوح پڑھتے ہیں۔ مولف ہدیۃ الوحید لکھتے ہیں کہ اس میں دراصل مصاحف عثمانیہ میں یاء مرسوم نہیں ہے اور حضرت حفصؒ وقف میں اثبات اور حذف دونوں روایت کرتے ہیں اس لئے اکثر قرآنوں میں نون کے بعد یائے مجہول علیحدہ لکھ دی جاتی ہے۔ اسی طرح لفظ سَلٰسِلَا۟ جو سورۂ دہر میں ہے اس میں بھی بحالت وقف حذف الف اور اثبات الف دونوں جائز ہیں۔

اور تماثل فی الرسم کی وجہ سے جس جگہ حرف علت محذوف ہوگا وہاں بحالت وقف محذوف نہ ہوگا بلکہ ثابت رہے گا۔ جیسے يَسْتَحْيٖ اور اَنْ تَلْوٗا اور لِتَسْتَوٗا وغیرہ۔

البتہ چند کلمات ایسے ہیں کہ جن کے آخر میں الف مرسوم ہے مگر وہ نہ وقف میں پڑھا جاتا ہے اور نہ وصل میں، ان کلمات کی فہرست یہ ہے اَوْ يَعْفُوَا۟ (بقرہ ع ۳۱) اَنْ تَبُوْٓءَا۟ (مائدہ ع ۵) لِيَتْلُوَا۟ (رعد) لَنْ نَّدْعُوَا۟ (کہف ع ۲) لِيَرْبُوَا۟ (روم ع ۴) لِيَبْلُوَا۟ (محمد ﷺ ع ۱) وَنَبْلُوَا۟ (محمد ﷺ ع ۴) دوسرا قَوَارِيْرَا۟ (دہر ع ۱) اور لفظ ثَمُوْدَا۟ جو چار جگہ ہے (فرقان ع ۳، نجم ع ۳، ہود ع ۶، عنکبوت ع ۴) ان جملہ کلمات کے آخر میں جو الف ہے وہ وقف کی صورت میں بھی نہیں پڑھا جاتا۔

فوائد ضروریہ متعلقہ اوقاف قرآنیہ

﴿فائدہ اولی﴾ مصنفؒ نے وقف اختیاری کے تین مراتب قرار دیئے ہیں اور ہر مرتبے کا نام بھی (تام اور کافی اور حسن) تجویز کیا ہے لیکن علامہ سجاوندیؒ اور ان کے متبعین نے تام اور کافی کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا البتہ ان کے چند مراتب تجویز کئے ہیں اور ان ہی مراتب کے اعتبار سے اوقاف کی علامتیں مقرر کی ہیں پس سب سے اول وقف مطلق ہے اس کی علامت (ط) ہے ایسے موقعہ پر وصل کو جائز نہیں کہتے اور اس کے بعد دوسرے مرتبہ پر وقف جائز ہے اور اس کی علامت (ج) ہے ایسے موقعہ پر وقف کرنا اولیٰ ہے۔ تیسرے مرتبہ پر وقف مجوز ہے اس کی علامت (ز) ہے۔ ایسے موقعہ پر وقف نہ کرنا اولیٰ ہے اور جہاں طول کلام کے باعث وقف کرنے کی اجازت دی ہے وہاں (ص) کی

علامت بنائی ہے اس کو وقف مرخص کہتے ہیں اور وقف مطلق کی ایک قسم وقف لازم قرار دی ہے اس کی علامت (مٓ) ہے یہ ان مواقع میں ہے جہاں وقف نہ کرنے سے معنی میں خلل محسوس ہوتا ہے سورۂ بقرہ کے دوسرے رکوع میں وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ٥ پر وقف لازم کی علامت ہے یہاں وقف کرنا اس لئے ضروری ہے کہ اس کے بعد يُخَادِعُوْنَ اللّٰهَ جملہ مستانفہ ہے اگر وقف نہ کریں تو اس کا ایہام ہوگا کہ یہ مومنین کی صفت ہے یا حال ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

اسی طرح سورۂ یٰسین میں وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ پر وقف لازم کی علامت ہے کیونکہ وقف نہ کرنے سے ایہام ہوگا کہ اس کا مابعد اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ قول کا مقولہ ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ مقولہ محذوف ہے اور اِنَّا نَعْلَمُ سے جملہ مستانفہ شروع ہوا ہے۔ الغرض جس جس جگہ وقف لازم کی علامت ہے وہاں وصل کرنے سے معنی غیر مقصود کا ایہام ہوتا ہے اسی لئے وہاں وقف کرنا ضروری ہے۔

گو مصنفؒ یہ تصریح فرما چکے ہیں کہ فقہی اعتبار سے کوئی وقف واجب نہیں ہے مگر چونکہ سانس لینے کے لئے وقف کرنا ہی پڑتا ہے اس لئے قراء کرام نے فرمایا ہے کہ تلاوت کرنے والے کو (اور خصوصاً اس شخص کو جو عربی نہ جانتا ہو) چاہیے کہ آیات پر وقف کرنے کا دھیان رکھے جہاں (مٓ) کی علامت ہو وہاں وقف کا خاص اہتمام کرے پھر جہاں (طؔ) لکھی ہو اس کے بعد اس وقف کا درجہ ہے جہاں (جؔ) بنی ہو اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ وقف کرنے میں اولیٰ پر غیر اولیٰ کو ترجیح نہ ہو جائے یعنی آیت کو چھوڑ کر غیر آیت پر وقف نہ کرے بلکہ تلاوت کرنے کا انداز ایسا رکھے کہ جہاں گول دائرہ اس طرح ٥ بنا ہو وہاں وقف کرے اور وقف لازم پر وقف مطلق کو ترجیح نہ دے اسی طرح وقف جائز اور وقف مجوز کو سمجھ لیں۔

﴿فائدہ ثانیہ﴾ عموماً وقف تام رؤس آیات کے ختم پر ہوتا ہے خصوصاً ان مواقع پر جہاں کوئی قصہ ختم ہو رہا ہو جیسے سورۂ شعراء میں ایک ایک رکوع ایک ایک قصہ پر مشتمل ہے اور رکوع ختم ہوتا ہے تو قصہ بھی پورا ہو جاتا ہے اور پھر مابعد کے رکوع سے دوسرا قصہ شروع ہوتا ہے اور بعض جگہ راس آیات سے پہلے ہی وقف تام ہوتا ہے جیسے سورۂ نمل میں ہے وَجَعَلُوْا اَعِزَّةَ اَهْلِهَا اَذِلَّةً ج اس تفسیر کی بنا پر جس کی رو سے اس کا مابعد وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ٥ حضرت بلقیس کا کلام نہ مانا جائے بلکہ ان کے

قول سابق کی تائید میں علیحدہ جملہ مستانفہ مانیں۔ ابن المصنفؒ کا یہی خیال ہے لیکن ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بھی چونکہ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ سے معنوی تعلق باقی ہے اس لئے اَذِلَّةً پر وقف کافی ہوگا۔

اور بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ پہلی جگہ یعنی اَذِلَّةً پر وقف کافی ہے اور دوسری جگہ یعنی يَفْعَلُوْنَ پر وقف تام ہے (یہ حضرات يَفْعَلُوْنَ تک بلقیس کا کلام مانتے ہیں) اور ایک قول یہ بھی ہے کہ دونوں جگہ وقف کافی ہے۔

ابن المصنفؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ کبھی وقف تام رأس آیات کے بعد ہوتا ہے جیسے سورۂ صافات میں ہے وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ۝ وَبِالَّيْلِ ط چونکہ وَبِالَّيْلِ معنوی اعتبار سے مُصْبِحِيْنَ پر معطوف ہے اس لئے وقف تام وَبِالَّيْلِ پر ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس تحقیق میں بھی کلام ہے کیونکہ اس کے مابعد جو اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ ہے اس کا ماقبل سے تعلق معنوی ہے وَبِالَّيْلِ پر وقف کافی اور اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ پر وقف تام ہے۔

﴿فائدہ ثالثہ﴾ وقف کافی رؤس آیات اور غیر رؤس آیات پر بکثرت ہوتا ہے جیسے مِنْ قَبْلِكَ ج اور اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝ ان مثالوں میں ہر جگہ وقف کافی ہے کیونکہ ہر ایک کا مابعد لفظاً اس سے جدا ہے اور معنوی اتصال رکھتا ہے اور وقف کافی وقف تام کی طرح ایک دوسرے سے قوی بھی ہوتا ہے۔

﴿فائدہ اربعہ﴾ تفسیروں اور قرآءتوں کے اختلاف کی وجہ سے اوقاف کے مراتب اور مواقع بدل جاتے ہیں مثلاً سورۂ آل عمران کے پہلے رکوع میں وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ج پر ارباب وقوف نے وقف لازم کی علامت بنائی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مابعد سے وصل کرنے میں معنوی خلل کا ایہام ہوتا ہے اس لئے یہاں وقف ضروری ہے اور وقف کافی ہے کیونکہ مابعد سے تعلق معنوی موجود ہے (بعض حضرات نے جو وقف تام بتایا ہے صحیح نہیں ہے) جو حضرات یہاں وقف کو ضروری قرار دیتے ہیں وہ اس کے بعد وَالرّٰسِخُوْنَ سے جملہ مستانفہ مانتے ہیں حضرت ابن عباس حضرت عائشہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا یہی ارشاد ہے۔

اور حضرت امام ابوحنیفہؒ اور اکثر اہل علم مثلاً فراءؒ اخفشؒ اور عروہؒ کا بھی یہی مذہب ہے دوسرا مذہب یہ ہے کہ جسے ابن حاجبؒ وغیرہ نے اختیار کیا ہے کہ لفظ جلالہ پر وقف نہیں ہے بلکہ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ پر وقف کافی ہے اور وَالرّٰسِخُوْنَ لفظ جلالہ پر عطف ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایک قول یہ بھی ہے' سورۂ بقرہ میں وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ط پر ان حضرات کے نزدیک وقف تام ہے جو اس کے بعد وَاتَّخِذُوْا بکسر الخاء پڑھتے ہیں اور جو حضرات بفتح الخاء پڑھتے ہیں ان کے نزدیک وقف غیر تام ہے۔

سورۂ بقرہ کے آخری رکوع میں يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ط پر ان حضرات کے نزدیک وقف کافی ہے جو اس کے بعد فَيَغْفِرُ کو مرفوع پڑھتے ہیں اور جو اس کو مجزوم پڑھتے ہیں ان کے نزدیک وقف غیر کافی ہے۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ ایک اعراب کی بناء پر وقف کافی ہو اور دوسرے اعراب کی بنا پر وقف حسن ہو جیسے هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ٥ پر وقف کر کے اگر اَلَّذِيْنَ کو اس کی صفت قرار دیں تو یہ وقف' وقف حسن ہوگا اور اگر اسم موصول کو مبتداء قرار دے کر مرفوع سمجھیں تو وقف کافی ہوگا۔

﴿ فائدہ خامسہ ﴾ قرآن مجید میں کہیں کہیں لفظ مــع لکھا ہوا ہے یہ "معانقہ" کا مخفف ہے معانقہ ایسی جگہ پر ہوتا ہے جہاں وقف کی دو علامتیں قریب قریب ہوتی ہیں اس کا حکم یہ ہے کہ دونوں علامتوں پر وقف کرنا درست نہیں اور نہ دونوں کا وصل ٹھیک ہے بلکہ پہلی جگہ وقف کرے تو دوسری جگہ وقف نہ کرے اور اگر پہلی جگہ وصل کرے تو دوسری جگہ وصل نہ کرے مثلاً سورۂ بقرہ کے شروع میں لَا رَيْبَ فِيْهِ ہے اس میں لَا رَيْبَ پر علامت وقف ہے اور فِيْهِ پر بھی ہے پس اگر لَا رَيْبَ پر وقف کریں تو لائے نفی جنس کی خبر محذوف ہوگی اور اس کے مابعد فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ جملہ مستانفہ ہوگا اور اگر لَا رَيْبَ فِيْهِ پر وقف کریں تو فِيْهِ جار مجرور كَائِنٌ محذوف سے متعلق ہو کر لائے نفی جنس کی خبر بن جائے گی اور اگر دونوں جگہ وقف کرتے ہیں تو لفظ فِيْهِ دونوں طرف سے کٹ کر بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے اور اگر دونوں جگہ وصل کرتے ہیں تو یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ فِيْهِ کا تعلق مابعد سے ہے یا ماقبل سے ہے۔

ملا علی قاریؒ کہتے ہیں کہ وقف معانقہ کو وقف مراقبہ بھی کہتے ہیں۔

﴿ فائدہ سادسہ ﴾ جس جگہ غیر آیت پر علامت لا بنی ہوئی ہو وہاں وقف اختیاری نہیں

ہوگا۔ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ جس جگہ محل وقف ہونے کا گمان ہوسکتا تھا وہاں لا کی علامت لکھ کر ارباب وقوف نے اس پر تنبیہ کی ہے کہ وقف نہ کرو۔

﴿فائدہ سابعہ﴾ جس حرف پر وقف کریں اس کو کامل طریقہ پر ادا کرنا چاہیے خصوصاً جبکہ وہ حرف عین یا ہمزہ یا ہاء ہو یا کسی حرف ساکن کے بعد ہو جیسے وَاسْتَغْفِرُوْهُ۔ شَيْءٌ۔ سُوْءٌ۔ جُوْعٍ اکثر خیال نہ کرنے سے حرف موقوف علیہ اس قسم کے مواقع میں بالکل متروک ہو جاتا ہے۔

﴿فائدہ ثامنہ﴾ تشدید والے نون یا میم پر وقف کریں تو غنہ ترک نہ کریں ایسی جگہ بھی (مثل حالت وصل) غنہ بقدر ایک الف کے ہوگا جیسے کہ مِنْ جَلَا بِيْبِهِنَّ اور اُتِمَّ اور وقف میں حرف مشدد دوگنا ادا ہوگا لیکن تاخیر دو الف کے برابر نہ ہوگی ورنہ لحن جلی ہو جائے گا وَ تَبَّ اور الْاَذَلَّ وغیرہ صحیح ادائیگی اساتذہ سے سننے پر موقوف ہے۔

﴿فائدہ تاسعہ﴾ وقف نہ کرنے کی صورت میں ہر جگہ وصل کے احکام جاری کرتے ہوئے تلاوت کرنا چاہیے۔ بہت سے حفاظ یہ کرتے ہیں کہ وقف تو کرتے نہیں لیکن ہر آیت پر متحرک کو ساکن کرتے چلے جاتے ہیں اور دوزبر کی تنوین کو الف سے اور گول تاء کو ھاء سے بدلتے چلے جاتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے۔

صاحب فوائد مکیہ لکھتے ہیں کہ کلمہ کو محض ساکن کرنا اور احکام وقف جاری کرنا بلا سانس توڑے اس کو وقف نہیں کہتے یہ سخت غلطی ہے اسی طرح وقف کرنے کی صورت میں لفظ موقوف علیہ پر اور کلمہ مبدوءہ (جس سے ابتداء کی جائے) اور کلمہ معادہ (جس سے اعادہ کیا جائے) پر وصل کے احکام جاری کرنا غلط ہے مثلاً وصل کی وجہ سے جو ادغام یا اخفاء یا مد ہوتا ہے وقف کرنے کی صورت میں بھی اس کو برقرار رکھنا غلط ہے۔

﴿فائدہ عاشرہ﴾ وصل کرتے وقت ہمزہ وصلی حذف ہوگا جیسے شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهِ اجْتَبٰهُ اور تنوین کے بعد کوئی حرف ساکن آئے گا تو وصل میں تنوین کو زیر دے کر پڑھیں گے جیسے لُّمَزَةِ نِ الَّذِيْ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدُ نِ اللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ اور کسی آیت کے ختم پر اگر حرف مد ہو اور اس کے بعد دوسری آیت کے شروع میں ہمزہ ہو تو وصل کرتے وقت حرف مدہ پر مد کریں گے جیسے مِنْ ذِكْرٰهَا ۝ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا اور میم جمع کے بعد اگر حرف ساکن ہوگا تو وصل کرتے وقت میم کو

ضمہ دے کر مابعد سے ملا کر پڑھیں گے جیسے مِنْ ذٰلِكُمُ النَّارُ o اور ہائے ضمیر (مذکر) پر ترک وقف کریں گے تو ہاء کو صلہ کے ساتھ یعنی بڑھا کر پڑھیں گے بشرطیکہ اس کا ماقبل اور مابعد متحرک ہو جیسے اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ اور رُسُلِهٖ اور فِيْ حَرْثِهٖ اور رَسُوْلِهٖ ہائے ضمیر مذکر کے ماقبل اگر کسرہ ہوگا تو صلہ میں یائے مدہ کی آواز نکلے گی اور اگر اس سے ماقبل فتحہ یا ضمہ ہوگا تو صلہ میں واؤ مدہ ظاہر ہوگا۔

اور یَرْضَهُ لَكُمْ اس قاعدے سے مستثنیٰ ہے اس کی ہا ضمیر غیر موصولہ ہے اور فِيْهٖ مُهَانًا میں ہائے ضمیر صلہ کے ساتھ پڑھی جاتی ہے اگرچہ اس کا ماقبل متحرک نہیں ہے۔

بَابُ مَعْرِفَةِ الْمَقْطُوْعِ وَالْمَوْصُوْلِ

مقطوع اور موصول کا بیان

اوقاف بیان کرنے کے بعد مصنفؒ نے مقطوع اور موصول کا ذکر شروع فرمایا ہے۔ رسم عثمانی کا جاننا ہر قاری کے لئے ضروری ہے اور اس کا باقی رکھنا فرض کفایہ ہے اور اس کے محفوظ رکھنے کی ضرورت واہمیت کے لئے جو وجوہ بیان کی گئی ہیں ان میں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وقف رسم عثمانی کے مطابق ہونا چاہیے۔ (الا ما استثنی من ذلك) جس کی تشریح وقف کے بیان میں ہم لکھ چکے ہیں۔

جو دو کلمے یکجا لکھے گئے ہیں مثلاً فِيْمَا ہے تو اس کو موصول (ملا ہوا) کہتے ہیں کیونکہ پہلا کلمہ دوسرے سے ملا کر لکھا ہوا ہے اور جو دو کلمے الگ الگ لکھے ہوں جیسے فِيْ مَا تو اس کو مقطوع (کٹا ہوا) کہتے ہیں کیونکہ پہلا کلمہ دوسرے سے الگ لکھا ہوا ہے موصول پر اگر وقف کرنا ہو تو دوسرے کلمہ کو چھوڑ کر پہلے کلمہ پر وقف کرنا درست نہیں ہے اور مقطوع میں کلمہ اولیٰ پر بھی وقف کرنا درست ہے اور کلمہ ثانیہ پر بھی۔

(79) وَاعْرِفْ لِمَقْطُوْعٍ وَّمَوْصُوْلٍ وَّتَا
فِيْ مُصْحَفِ الْاِمَامِ فِيْمَا قَدْ اَتٰى

﴿ت﴾ ''اور تو مقطوع اور موصول کو پہچان لے اور تانیث کی (اس) تاء کو بھی پہچان (جو بجائے مربوطہ لکھنے کے مج لکھی جاتی ہے)'' مقطوع وموصول اور تائے مجرورہ کے لکھنے

کا یہ طریقہ اس رسم میں ہے جو مصحف امام (یعنی حضرت ذوالنورین سیدنا عثمان بن عفانؓ کے مصحف کے مطابق ہے جو نقل (متواتر) سے (ہم تک) پہنچا ہے۔

﴿تشریح﴾ مطلب یہ ہے کہ مصحف عثمانی میں جس طرح جو کلمہ لکھا ہوا ہے (مقطوع یا موصول) اس کا جاننا ضروری ہے اور تائے تانیث جو واحد کے صیغے میں ہوتی ہے اس کا رسم خط بھی معلوم کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ تاء کہیں اس طرح گول تاء (گول) لکھی ہے جیسے رَحْمَةً اور کسی جگہ اس طرح تاء (لمبی) لکھی ہے جیسے اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ شعر بالا میں مصحف امام سے مصحف حضرت عثمانؓ مراد ہے جس کے متعلق ضروری معلومات ہم شعر (۷) کے ذیل میں لکھ چکے ہیں۔

شیخ زکریاؒ نے اپنی شرح میں مصحف الامام کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اَلَّذِيْ اِتَّخَذَهٗ لِنَفْسِهٖ یعنی وہ مصحف جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ نے اپنی تلاوت کے لئے خاص کرلیا تھا۔

اور حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اظہر یہ ہے کہ مصحف امام سے جنس مصحف مراد ہے جو ان تمام مصاحف کو شامل ہے جو حضرت عثمانؓ نے لکھوائے تھے اور ان میں سے ایک نسخہ اپنے لئے بھی رکھ لیا تھا اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ اور شام اور کوفہ اور بصرہ کے لئے بھی ایک ایک نسخہ ارسال فرمادیا تھا۔

حضرت عثمانؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ سے یہ مصاحف لکھوائے تھے جو حافظ قرآن اور کاتب وحی تھے اس وقت قرآن مجید حضرات صحابہ کرامؓ کے اجماع سے رسم خاص کے مطابق لکھا گیا تھا جس کو رسم عثمانی کہتے ہیں۔ حضرات تابعینؒ اور تبع تابعینؒ اور ائمہ اربعہؒ نے اس رسم خط کو تسلیم کیا اور کسی نے اس کے خلاف لکھنے کی اجازت نہیں دی حالانکہ بہت سی جگہ رسم مذکورہ خلاف قیاس ہے اور عربی کے رسم کے بھی خلاف ہے ایک ہی طرح کے دو کلمے کسی جگہ مقطوع لکھے ہیں اور کسی جگہ موصول ہیں اور مقررہ رسم خط کے خلاف لکھنے سے معنی بھی نہیں بدلتے ہیں پھر بھی رسم عثمانی کے خلاف لکھنا جائز نہیں۔ یہ رسم بمنزلہ حروف مقطعات اور آیات متشابہات کے ہے۔ بعض اہل کشف نے اس میں بڑے بڑے رموز واسرار بتائے ہیں۔

حضرت امام مالکؒ سے دریافت کیا گیا کیا قرآن مجید کو اس طریقہ پر لکھ لیں جو لوگوں نے حروف ہجا لکھنے کا طریقہ ایجاد کیا ہے؟

جواب میں ارشاد فرمایا: لَا اِلَّا هِيَ الْكِتَابَةُ الْاُوْلٰى یعنی اس طرح لکھنا جائز نہیں ہے بلکہ کتابت اولیٰ ہی کے مطابق لکھنا ہوگا (جس طرح حضرت زید بن ثابتؓ نے کتابت کی تھی) اسی کو قصیدہ رائیہ میں علامہ شاطبیؒ نے یوں ذکر فرمایا ہے ۔

وَقَالَ مَالِكُ الْقُرْاٰنُ يُكْتَبُ بِالْكِتَابِ الْاَوَّلِ لَا مُسْتَحْدِثًا سُطِرَا

علامہ دانیؒ نے فرمایا کہ وَلَا مُخَالِفُ فِيْ ذٰلِكَ مِنْ عُلَمَآءِ الْاُمَّةِ یعنی علماء امت میں سے کسی کا بھی اس میں خلاف نہیں ہے پس جب کہ قرآن مجید کی کتابت عربی رسم خط کے مطابق بھی جائز نہیں جب کہ رسم عثمانی کے خلاف ہو تو ہندی، انگریزی وغیرہ میں کیونکر جائز ہو سکتی ہے جن میں جملہ حروف عربیہ ہی موجود نہیں ہیں، قرآن مجید چونکہ سب سے بڑا معجزہ ہے اور دوسرے کلاموں سے نرالا ہے اس لئے اس کا رسم خط بھی نرالا رکھا گیا ہے جس کا نقل سے تعلق ہے اور چونکہ قرآن مجید سماعی ہے جو آنحضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا گیا ہے اور عقل کو اس میں دخل نہیں ہے۔ اس لئے اس کا رسم خط بھی ایسا ہی رکھا گیا ہے جو کہیں عربی رسم خط سے مخالف ہے اور کہیں موافق ہے تا کہ تلاوۃً وکتابۃً دونوں طرح سے نقل وسماع کی پابندی ہو جائے۔

موصول اور مقطوع اور تاء کے علاوہ بھی گو بہت سے کلمات خلاف قیاس قرآن مجید میں لکھے ہوئے ہیں جن کا استیعاب علامہ شاطبیؒ نے قصیدہ رائیہ میں کیا ہے اور امام ابوعمرو دانیؒ نے کتاب المقنع میں ان کی نشاندہی کی ہے۔

لیکن یہاں مصنفؒ نے صرف مقطوع اور موصول اور تاء کی رسم کتابت بتانے پر ہی اکتفا فرمایا ہے۔

(80) فَاقْطَعْ بِعَشْرِ كَلِمَاتٍ اَنْ لَّا
مَعْ مَلْجَأً وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا

﴿ت﴾ ''پس تو اَنْ کو لَا سے مقطوع کر کے لکھ دس کلمات میں (جن میں) ایک مَلْجَاَ کے ساتھ ہے اور دوسرا لَآ اِلٰهَ اِلَّا کے ساتھ۔''

﴿تشریح﴾ یعنی قرآن مجید میں دس مواقع ایسے ہیں جہاں اَنْ کو لَا سے علیحدہ کر کے لکھا ہے

اوران دس مواقع میں اَنْ مخففہ من المشدد وہ بھی ہے یعنی اَنَّ (حرف مشبہ بالفعل) کے نون کی تشدید کو ہٹا کر جزم دے دیا گیا ہے۔ اور وہ جگہیں بھی ہیں جہاں اَنْ ناصبہ ہے۔

وہ دس مواقع جہاں اَنْ لَا مقطوع لکھا ہوا ہے ان میں ایک سورۂ توبہ کے رکوع ۱۴ کی آیت میں ہے وَظَنُّوْا اَنْ لَّا مَلْجَأَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ اور ایک سورۂ ہود ع ۲ کی اس آیت میں ہے۔ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّمَا اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ مصنفؒ نے آخر شعر میں لفظ لَا اِلٰهَ اِلَّا سے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے لَا اِلٰهَ سے پہلے سورۂ انبیاء کے رکوع ۶ میں بھی اَنْ مقطوع لکھا ہے یعنی دعاء یونس علیہ السلام میں فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ ممکن ہے مصنفؒ نے لَا اِلٰهَ اِلَّا لکھ کر اس طرف بھی اشارہ کیا ہو لیکن اس کو علیحدہ شمار کرنے سے بجائے دس کے گیارہ مواقع ہو جاتے ہیں لہٰذا یوں کہہ سکتے ہیں کہ یا تو مصنفؒ نے لَا اِلٰهَ کے ساتھ آنے والے اَنْ مقطوعہ کو (جو دو جگہ ہے) ایک ہی قرار دیا ہے یا اس وجہ سے کہ سورۂ انبیاء والے کے وصل و قطع میں اختلاف ہے اس کو شمار کرنے کا ارادہ ہی نہ فرمایا ہو اور یا ان کے نزدیک اس کا وصل راجح ہو (مگر مصاحف موجودہ میں مقطوع ہی لکھا ہوا ہے)

(81) وَتَعْبُدُوْا يٰسِيْنَ ثَانِيْ هُوْدَ لَا
يُشْرِكْنَ تُشْرِكْ يَدْخُلَنْ تَعْلُوْا عَلٰى

﴿ت﴾ ''اور سورۂ یٰسین جو تَعْبُدُوْا کے ساتھ اَنْ لَّا ہے وہ بھی مقطوع ہے اور سورۂ ہود میں جو دوسرا اَنْ لَّا ہے وہ بھی مقطوع ہے اور اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ (سورۂ ممتحنہ) اور اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ (سورۂ حج) اور اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّ (سورۂ ن والقلم) اور اَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ (سورۂ دخان) ان مواقع میں اَنْ لَّا مقطوع ہے۔''

﴿تشریح﴾ سورۂ یٰسین کے رکوع ۴ میں جو اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ہے اس میں بھی اَنْ لَّا مقطوع ہے (اور یہ تیسری جگہ ہے) اور سورۂ ہود میں دوسری جگہ یعنی اس کے تیسرے رکوع میں جو اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ ہے اس میں بھی اَنْ لَّا مقطوع ہے (اور یہ چوتھی جگہ ہے) اور سورۂ ممتحنہ

کے آخری رکوع میں جو اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ ہے اس میں بھی اَنْ لَّا مقطوع ہے (اور یہ پانچویں جگہ ہے) اور سورۂ حج کے رکوع ۴ کے شروع میں جو اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا ہے اس میں بھی ان لا مقطوع ہے (اور یہ چھٹی جگہ ہے) اور سورۂ نون والقلم کے پہلے رکوع میں جو اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ہے اس میں بھی اَنْ لَّا مقطوع ہے (اور یہ ساتویں جگہ ہے) اور سورۂ دخان کے پہلے رکوع میں جو اَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ہے اس میں بھی اَنْ لَّا مقطوع ہے (اور یہ آٹھویں جگہ ہے)

مصنفؒ کے تَعْلُوْا عَلٰى کہنے سے تَعْلُوْا عَلَيَّ مستثنیٰ ہو گیا جو سورۂ نمل کے رکوع ۳ میں ہے اس میں اَلَّا اجماعاً موصول ہے اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ

﴿فائدہ﴾ سورۂ ہود کے پہلے رکوع کے بالکل شروع میں جو اَلَّا تَعْبُدُوْا ہے وہ جملہ مصاحف میں موصول ہے اسی لئے مصنفؒ نے ہود کے ساتھ لفظ ثانی بڑھایا ہے تاکہ پہلی جگہ کا استثناء ہو جائے اور سورۂ نون والقلم میں اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا نون ثقیلہ کے ساتھ ہے۔ مصنفؒ نے ضرورت شعری کے باعث نون مشددہ کو مخفف کر دیا ہے۔

82

اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا لَآ اَقُوْلَ اِنْ مَّا
بِالرَّعْدِ وَالْمَفْتُوْحَ صِلْ وَعَنْ مَّا

﴿ت﴾ "اور اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا اور اَنْ لَّا اَقُوْلَ (ہر دو سورۂ اعراف میں) ان دونوں میں اَنْ لَّا مقطوع ہے (اور یہ نویں اور دسویں جگہ ہے) اِنْ مَّا جو سورۂ رعد میں ہے وہ بھی مقطوع ہے اور اَمَّا بفتح الهمزة کو ہر جگہ موصول لکھا اور عَنْ مَّا کو"

83

نُهُوْا اقْطَعُوْا مِنْ مَّا بِرُوْمٍ وَّالنِّسَا
خُلْفُ الْمُنَافِقِيْنَ اَمْ مَّنْ اَسَّسَا

﴿ت﴾ "عَنْ مَّا نُهُوْا (سورۂ اعراف) میں مقطوع لکھو اور مِنْ مَّا کو سورۂ روم اور سورۂ نساء میں مقطوع لکھو اور سورۂ منافقون میں جو مِمَّا ہے اس کے وصل و قطع میں

اختلاف ہے اور اَمْ مَّنْ کو مقطوع لکھو اَمْ مَّنْ اَسَّسَ (سورۂ توبہ) میں۔"

84 فُصِّلَتِ النِّسَا وَ ذِبْحِ حَيْثُ مَا
وَ اَنْ لَّمِ الْمَفْتُوْحَ كَسْرَ اِنَّ مَا

﴿ت﴾ "اور (اَمْ مَّنْ کو مقطوع لکھ) سورۂ فصلت میں (یعنی سورۂ حم سجدہ) میں اور سورۂ نساء میں اور سورۂ ذبح یعنی سورۂ والصافات میں اور حَيْثُ مَا کو مقطوع لکھو اور اَنْ لَّمْ بفتح الہمزہ کو (بھی) مقطوع لکھو اور اِنَّ مَا بکسر الہمزہ کو۔"

85 الْاَنْعَامَ وَالْمَفْتُوْحَ يَدْعُوْنَ مَعَا
وَخُلْفُ الْاَنْفَالِ وَنَحْلٍ وَّقَعَا

﴿ت﴾ "سورۂ انعام میں مقطوع لکھو اور اَنَّ مَا بفتح الہمزہ کو جو يَدْعُوْنَ کے ساتھ دو جگہ ہے یعنی سورۂ حج اور سورۂ لقمٰن میں اس کو بھی مقطوع لکھو اور سورۂ انفال اور سورۂ نحل میں اختلاف واقع ہوا ہے۔"

﴿تشریح﴾ مطلب یہ ہے کہ حَقِيْقٌ عَلٰى اَنْ لَّا اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ سورۂ اعراف (ع ۱۳) اور اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ سورۂ اعراف (ع ۲۱) میں اَنْ لَّا مقطوع ہے اور ان دونوں جگہوں کو ملا کر دس کلمات پورے ہو گئے ان دس مواقع کے علاوہ دیگر تمام مواقع میں اَنْ لَّا موصول ہے یعنی اس طرح (اَلَّا) لکھا ہوا ہے جیسے اَنْ لَّا تَزِرُوَا زِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى اور اَلَّا يَرْجِعُ وغیرہ اور اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ جو سورۂ انبیاء میں ہے اس کے وصل و قطع میں اختلاف ہے۔ کما ذکرنا

اس کے بعد مصنفؒ نے اِمَّا (بالکسر) اور اَمَّا (بالفتح) کا وصل و قطع بتایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ (اِمَّا بالکسر) قرآن مجید میں صرف ایک جگہ سورۂ (رعد ع ٦) میں اس آیت کے اندر وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ مقطوع ہے اور باقی تمام مواقع میں موصول ہے جیسے اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً (سورۂ انفال میں) اور اِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا

(سورۂ مریم میں) اور فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ (سورۂ غافر میں) اور اَمَّا بفتح الہمزۃ جو اَمْ اور مَا سے مرکب ہے ہر جگہ موصول لکھا ہے کمافی قولہ تعالیٰ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ (دو جگہ سورۂ انعام میں) اور آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ اور اَمَّا ذَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (ہر دو سورۂ نمل میں)

اِمَّا بالکسر کے بعد اَمَّا بالفتح کہنے سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ یہ اس اَمَّا کا بیان ہے جو اَنْ اور مَا سے مرکب ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ جو اَمْ اور مَا سے مرکب ہے اس کا وصل بتایا ہے (گو مصنفؒ کی عبارت اس کے ظاہر کرنے سے قاصر ہے کیونکہ اَمْ کے وصل وقطع کی طرف پہلے سے کوئی اشارہ نہیں ہے) بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ اضطراراً اشتباہ لفظی کے پیش نظر اِمَّا بالکسر اور اَمَّا بالفتح دونوں کو ایک جگہ بیان فرما دیا۔

اور عَنْ کو مَا سے صرف ایک ہی جگہ مقطوع لکھا جاتا ہے یعنی علیحدہ کر کے اس آیت میں لکھا ہے فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ (یہ سورۂ اعراف کے رکوع ۲۱ میں ہے) اس کے علاوہ ہر جگہ عَمَّا موصول لکھا ہوا ہے کمافی قولہ تعالیٰ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ اور عَمَّا جَاءَ اور لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ اور عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نَادِمِيْنَ اور سُبْحَانَهٗ وَ تَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ

اور مِنْ جارہ مَا موصولہ سے بالاتفاق دو جگہ مقطوع ہے۔ اول سورۂ نساء کی آیت فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ (ع ۴) اور دوسرے سورۂ روم کی آیت مِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاءَ (ع ۴) اور سورۂ منافقون میں جو وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ ہے اس کے وصل وقطع میں اختلاف ہے بعض مصاحف میں مقطوع لکھا ہے اور بعض میں موصول ہے۔ مصنفؒ نے خُلْفُ الْمُنَافِقِيْنَ کہہ کر اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے لیکن اکثر مصاحف میں موصول پایا جاتا ہے ان میں تین مواقع کے علاوہ دیگر تمام مواقع میں مِمَّا موصول ہی ہے جیسے وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُوْنَ اور مِمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا وغیرہ۔

﴿فائدہ﴾ مَنْ موصولہ سے قبل جو مِنْ جارہ آتا ہے ہر جگہ موصول لکھا جاتا ہے جیسے مِمَّنِ افْتَرٰى اور مِمَّنْ مَّنَعَ البتہ مِنْ مَّاءٍ مَّهِيْنٍ اور مِنْ مَّالِ اللّٰهِ اور اس طرح کے دیگر اشباہ و نظائر میں مِنْ جارہ مقطوع ہے اور اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ (سورۂ توبہ میں) اور سورۂ فصلت (یعنی

حٰم سجدہ) کی آیت اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ میں اور سورۂ نساء کی آیت اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا میں اور سورۂ ذبح (یعنی سورۂ صافات کی) کی آیت اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا اَمْ مقطوع ہے مَنْ سے یعنی دونوں علیحدہ علیحدہ لکھے ہوئے ہیں اور ان چار مواقع کے علاوہ باقی تمام مواقع میں اَمَّنْ موصول لکھا ہوا ہے جیسے سورۂ یونس اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اور سورۂ النمل اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اور اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ وغیرہ۔

﴿فائدہ﴾ اَمَّــنْ اَسَّسَــا کے آخر میں جو الف ہے وہ الف اطلاق ہے جو شعر کا وزن پورا کرنے کے لئے بڑھایا گیا ہے اور اَسَّــسَ جو صیغہ ماضی ہے اس کو معروف ومجہول دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں کیونکہ سبع قراءت میں دونوں طرح سے ہے اور (ذِبْـحٍ) بکسر الذال سے سورۂ صافات مراد ہے وزن شعر کی وجہ سے مصنفؒ نے یہ لفظ اختیار کیا ہے چونکہ سورۂ صافات میں وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ آیا ہے اس لئے لفظ ذِبْحٍ سے اس سورت کی طرف اشارہ کر دیا۔

اور حَيْـثُ مَــا (جو صرف سورۂ بقرہ میں دو جگہ ہے ایک رکوع ۱۷ میں اور دوسرا رکوع ۱۸ میں) دونوں جگہ مقطوع ہے یعنی وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ۔

اور اَنْ لَّـمْ (بفتح الہمزہ) جتنی جگہ قرآن مجید میں ہے ہر جگہ مقطوع ہے یعنی اَنْ اور لَـمْ علیحدہ علیحدہ لکھے ہوئے ہیں جیسے سورۂ انعام میں ہے ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى اور سورۂ بلد میں اَنْ لَّـمْ يَرَهٗٓ اَحَـدٌ مصنفؒ نے کسی سورہ کا نام نہیں لیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اَنْ لَّمْ ہر جگہ مقطوع ہی ہے اور اس کو لفظ اَلْـمَـفْتُوْحَ کے ساتھ مقید اس لئے کیا کہ اِنْ لَّـمْ بکسر الہمزہ مقطوع اور موصول دونوں طرح آیا ہے۔

اور اِنَّ مَا بکسر الہمزۃ سورۂ انعام (ع ۱۱) کی آیت اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ میں بالاتفاق مقطوع ہے اور سورۂ نحل (ع ۱۳) میں جو اِنَّـمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ہے اس کے وصل وقطع میں اختلاف ہے جس کی طرف مصنفؒ نے شعر ۸۵ کے مصرع دوم میں اشارہ کیا ہے اور ان دو مواقع کے علاوہ سب جگہ اِنَّـمَا موصول ہی لکھا ہوا ہے۔ جیسے اِنَّـمَا

صَنَعُوْا كَيْدُ سَاحِرٍ اور اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ اور اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وغیرہ وغیرہ۔

ملاعلی قاریؒ نحل والے کے متعلق لکھتے ہیں کہ والوصل اثبت کما فی الرائیۃ یعنی موصول لکھنا زیادہ ثابت ہے جیسا کہ رائیہ میں لکھا ہے۔

اور اَنَّ مَا بفتح الہمزہ دو جگہ مقطوع ہے اور یہ دونوں جگہیں وہی ہیں جہاں مَا يَدْعُوْنَ کے ساتھ اَنَّ آیا ہے ایک سورۂ حج کے رکوع ۸ میں اور دوسرا سورۂ لقمان کے رکوع ۳ میں یعنی اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ان دونوں کو ایک جگہ شامل کر دیا ہے اور سورۂ انفال کے رکوع ۵ کی آیت وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ میں جو اَنَّمَا ہے اس کے وصل وقطع میں اختلاف ہے اس کی طرف بھی مصنفؒ نے شعر ۸۵ کے مصرع ثانی میں اشارہ کیا ہے لیکن ملاعلی قاری اس کے متعلق بھی لکھتے ہیں والوصل اثبت کما فِي الرَّائیۃ یعنی موصول لکھنا زیادہ ثابت ہے جیسا کہ رائیہ میں لکھا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اَنَّ مَا سورۂ حج اور سورۂ لقمان کے مذکورہ دونوں جگہوں میں بالاتفاق مقطوع ہے اور سورۂ انفال کی آیت مذکورہ میں جو اَنَّمَا ہے اس کے وصل وقطع میں اختلاف ہے اور ان تین مواقع کے علاوہ باقی تمام مواقع میں بالاتفاق اَنَّمَا موصول ہے جیسے اِنْ يُّوْحٰى اِلَيَّ اِلَّا اَنَّمَا اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ اور فَاعْلَمُوْا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ وغیرہ۔

لفظ وَقَعَا جو شعر (۸۵) کے آخری مصرع کے ختم پر ہے صیغہ واحد مذکر غائب ہے جس کی ضمیر خُلف کی طرف راجع ہے اور الف اطلاق کے لئے ہے اور صیغہ تثنیہ بھی کہا جا سکتا ہے جو اس اعتبار سے صحیح ہے کہ لفظ خُلف اگرچہ واحد ہے لیکن چونکہ دو خُلف بیان ہوئے ہیں اس لئے معنی کے اعتبار سے ضمیر تثنیہ راجع ہو سکتی ہے۔

ملاعلی قاریؒ لکھتے ہیں کہ مصنف کے کلام وَخُلْفُ الْاَنْفَالِ وَنَحْلٍ وَّقَعَا سے یہ مفہوم متبادر ہوتا ہے کہ یہ اختلاف دونوں جگہ اَنَّمَا (بفتح الہمزہ) میں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے اَنَّ مفتوحہ ہی کا بیان ہے اور حقیقت کے اعتبار سے یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ سورۂ نحل میں جس اِنَّمَا کے وصل وقطع میں اختلاف ہے وہ بکسر الہمزہ ہے اور سورۂ انفال کے جس اَنَّمَا میں اختلاف ہے وہ بفتح الہمزہ ہے اور بطور لف ونشر غیر مرتب ان دونوں کو ذکر کیا ہے۔

اس ابہام مذکور کے علاوہ مصنفؒ کے کلام میں ایک اور ابہام بھی ہے اور وہ یہ کہ مصنفؒ نے انفال اور نحل کا نام ذکر کر دیا ہے اور نشاندہی نہیں کی کہ ان دونوں میں کس کس آیت کے اَنَّمَا میں اختلاف ہے اور ضرورت اس نشاندہی کی اس لئے ہے کہ سورۂ انفال میں اَنَّمَا (بفتح الہمزہ) دو جگہ ہے رکوع ۳ میں بھی ہے اور رکوع ۵ میں بھی اور اختلاف صرف دوسرے میں ہے پہلے میں نہیں ہے اسی طرح سورۂ نحل میں کئی جگہ اِنَّمَا (بکسر الہمزہ) ہے لہٰذا اس امر کی نشاندہی ضروری ہے کہ فلاں جگہ والے میں اختلاف ہے ذکر کئے بغیر رکوع ۳ والے پر کیسے خیال پہنچے گا؟ ممکن ہے کہ اہل فن کے درمیان اس بارے میں جو شہرت ہے اس کو کافی سمجھ لیا ہو۔

والله تعالیٰ اعلم بالصواب

(86) وَكُــلِّ مَـــا سَــــأَلْتُـــمُــوْهُ وَاخْتُــلِفْ
رُدُّوْا كَـذَا قُـلْ بِـئْــسَ مَـا وَالْـوَصْـلَ صِفْ

﴿ت﴾ ”اور مِنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ میں كُلِّ کو مَا سے قطع کرو اور كُلَّمَا رُدُّوْا اِلَى الْفِتْنَةِ کے وصل و قطع میں اختلاف کیا گیا ہے اور اسی طرح بِئْسَ کو مَا سے مقطوع کر کے لکھنے میں اختلاف کیا گیا ہے قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖ اِيْمَانُكُمْ میں اور وصل کو بیان کر دے۔

(87) خَـلَـفْـتُـمُـوْنِـيْ وَاشْـتَـرَوْا فِـيْ مَـا اقْـطَـعَـا
اُوْحِــيْ اَفَــضْــتُـــمْ اشْتَهَـــتْ يَبْـلُـوْا مَــعَــا

﴿ت﴾ ”بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ میں اور بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖ اَنْفُسَهُمْ میں اور قطع کر فِيْ کو مَا سے فِيْ مَا اُوْحِيَ میں اور فِيْمَا اَفَضْتُمْ میں اور فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ میں اور لِيَبْلُوَكُمْ فِيْمَا اٰتٰكُمْ میں جو دو جگہ ہے۔

(88) ثَـانِـيْ فَـعَـلْـنَ وَقَـعَـتْ رُوْمٍ كِلَا
تَـنْـزِيْـلِ شُـعَـرَا وَغَـيْـرَهَـا صِلَا

﴿ت﴾ "اور قطع کر فِيْ کو مَا سے دوسرے فِيْمَا فَعَلْنَ (سورۂ بقرہ) اور سورۂ اذا وقعت الواقعہ میں اور سورۂ روم میں اور تنزیل الکتاب (یعنی سورۂ زمر) میں دونوں جگہ اور سورۂ شعراء میں اور اس کے علاوہ کو موصول لکھے۔"

﴿تشریح﴾ ان تین اشعار میں مصنفؒ نے كُلَّمَا اور بِئْسَمَا اور فِيْمَا کا وصل وقطع بیان کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ سورۂ ابراہیمؑ (ع ۵) میں وَاٰتٰـكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ میں كُلِّ کو مَا سے قطع کر کے لکھو اور كُلَّمَا رُدُّوْا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا (سورۂ نساء) کے وصل وقطع میں اختلاف کیا گیا ہے یعنی بعض مصاحف میں موصول ہے اور بعض میں مقطوع ہے۔ مصنفؒ کے طرز کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں جگہوں کے علاوہ باقی سب جگہ كُلَّمَا موصول ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ (سورۂ اعراف ع ۴) اور كُلَّمَا جَاءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا (سورۂ مومنون ع ۳) اور كُلَّمَا اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ (سورۂ ملک ع ۱) ان تینوں جگہوں میں بھی وصل اور قطع میں اختلاف ہے خدا جانے ان کا اختلاف مصنفؒ نے کیوں نہیں ذکر کیا۔ بہر حال سورۂ ابراہیم کی آیت مذکورہ میں بالاتفاق مقطوع ہے اور باقی چار مواقع میں اختلاف ہے اور ان کے علاوہ باقی دیگر مواقع میں بالاتفاق وصل ہے کمافی قولہ تعالیٰ اَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ اور كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ اور كُلَّمَا اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ وغیرہ۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شعر میں مذکورہ تینوں مواقع اختلافیہ کو نظم کیا ہے۔

وَجَـاءَ اُمَّةٌ وَّاُلْـقِـيَ دَخَـلَـتْ فِيْ وَصْلِهَا وَقَطْعِهَا اخْتُلِفَتْ

اور بِئْسَ کو مَا سے قطع کرنے نہ کرنے میں یہ تفصیل ہے کہ سورۂ بقرہ ع ۱۱ میں جو قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖۤ اِيْمَانُكُمْ ہے اس کے وصل وقطع میں اختلاف ہے اور بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْ بَعْدِيْ (سورۂ اعراف ع ۸) اور بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ (سورۂ بقرہ ع ۱۱) میں بالاتفاق

موصول ہے اور ان مواقع کے علاوہ دیگر جملہ مواقع میں بالاتفاق مقطوع ہے اور ان میں سے پانچ مواقع وہ ہیں جہاں بِئْسَ لام تاکید کے ساتھ آیا ہے یعنی وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْابِهٖ اَنْفُسَهُمْ (بقرہ) اور لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اور لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ اور لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ اور لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ (ہر ایک سورۂ مائدہ میں) اور ایک جگہ بِئْسَ فاء کے ساتھ آیا ہے یعنی فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ (سورۂ آل عمران ۱۹)

بِئْسَمَا سے فارغ ہو کر مصنفؒ نے فِيْ مَا کا قطع گیارہ مواقع میں بیان کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ قطع کر فِيْ کو مَا سے (۱) قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَا اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا (انعام ع ۱۸) میں اور (۲) لَمَسَّكُمْ فِيْ مَا اَفَضْتُمْ فِيْهِ (نور ع ۲) اور (۳) وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خَالِدُوْنَ (انبیاء ع ۷) اور (۴-۵) لِيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَا اٰتٰكُمْ میں جو دو جگہ ہے (اول سورۂ مائدہ ع ۷ میں اور دوسرا سورۂ انعام ع آخری میں) اور چونکہ دونوں جگہ لِيَبْلُوَكُمْ کے ساتھ آیا ہے اس لئے لفظ مَعًا کہہ کر دونوں کی طرف اشارہ کر دیا اور (۶) فِيْ مَا فَعَلْنَ میں جو مِنْ مَّعْرُوْفٍ کے ساتھ (سورۂ بقرہ رکوع ۳۱) میں آیا ہے (پہلا فِيْمَا فَعَلْنَ جو بالمعروف سورۂ بقرہ میں ہے وہ سب مصاحف میں موصول ہے۔) اور (۷) فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ سورۂ اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ (ع ۲) میں اور (۸) هَلْ لَّكُمْ مِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ (روم ع ۵) میں اور (۹) يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَافِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ میں اور (۱۰) اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا میں یہ دونوں مواقع سورۂ زمر میں ہیں جن کی طرف مصنفؒ نے كِلَا تَنْزِيْلِ کہہ کر اشارہ فرمایا ہے چونکہ سورۂ زمر تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ سے شروع ہے اس لئے اس کو لفظ تنزیل کے ساتھ موسوم کیا اور (۱۱) اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَا اٰمِنِيْنَ میں بھی فِيْ مَا مقطوع ہے جو سورۂ شعراء ع ۸ میں ہے۔ ان گیاروں مواقع کو بیان فرمانے کے بعد مصنفؒ نے وَغَيْرَهَا صِلًا فرمایا ہے یعنی اس کے علاوہ دیگر مواقع میں فِيْمَا کو موصول لکھو۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ غَيْرَهَا کی ضمیر مجرور مضاف الیہ شعراء کی طرف راجع ہے مطلب یہ

ہے کہ سورۂ شعراء میں جو فِیْ مَا هٰهُنَا ہے اس کے علاوہ سب جگہ فِیْمَا کو موصول لکھو۔

﴿سوال:﴾ اس طرح تو مصنفؒ کے کلام میں تناقض لازم آئے گا کیونکہ پہلے تو مصنفؒ نے گیارہ مواضع میں فِیْ مَا کو مقطوع بتایا اور پھر فرمادیا کہ شعراء والے کے علاوہ باقی سب جگہ فِیْمَا کو موصول لکھو اس استثناء عام میں شعراء کے علاوہ جو دیگر دس مواقع مذکور ہوئے وہ بھی آ گئے لہٰذا ان دس میں قطع بتا کر وصل بتانا کیونکر صحیح ہوگا؟

﴿جواب﴾ غَیْرَهَا کی ضمیر اگر شعراء کی طرف راجع نہ کی جائے بلکہ گیارہ مذکورات کی طرف راجع ہو تب تو مصنفؒ کے کلام کو صحیح بنانے میں بہت دقت پیش آئے گی کیونکہ اس صورت میں شعر کا مطلب یہ ہوگا کہ گیارہ مواقع مذکورہ میں قطع اور باقی میں وصل متفق علیہ ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ کتب رسم (المقنع وغیرہ) سے معلوم ہوتا ہے کہ شعراء کے علاوہ جو مذکورہ دس مواقع ہیں ان کا قطع متفق علیہ نہیں ہے بلکہ ان کے وصل وقطع میں اختلاف ہے لہٰذا مصنفؒ کے کلام کو صحیح بنانے کے لئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ غَیْرَهَا کی ضمیر شعراء کی طرف راجع ہو اور مطلب یہ نکالا جائے کہ شعراء میں جو فِیْ مَا ہے وہ بالاتفاق مقطوع ہے اور اس کے علاوہ دیگر جملہ مواقع میں وصل ہے اس عموم میں دیگر مواقع عشرہ مذکورہ بھی آ گئے اور اس کے علاوہ دیگر مواقع کو بھی کلام شامل ہوگیا اور اس سے پتہ چل گیا کہ مواقع عشرہ مذکورہ کے وصل وقطع میں اختلاف ہے اور ان کے علاوہ باستثناء شعراء سب جگہ وصل متفق علیہ ہے۔ مصنفؒ نے پہلے مواقع عشرہ مذکورہ میں قطع بتایا پھر ان میں وصل کی بھی اجازت دے دی اس طرح سے اختلاف کی طرف بھی اشارہ ہوگیا اور یہ بھی ظاہر کردیا کہ مواقع عشرہ مذکورہ میں قطع اولیٰ ہے۔ (کیونکہ اس کو مقدم کیا ہے) فاحفظ فانه موضع زَلَلٍ

(89) فَأَیْنَمَا كَالنَّحْلِ صِلْ وَمُخْتَلِفْ
فِی الشُّعَرَا الْأَحْزَابِ وَالنِّسَا وُصِفْ

﴿ت﴾ "فَاَیْنَمَا (سورۂ بقرہ والے میں) اَیْنَ کو مَا سے موصول لکھ جس طرح سورۂ نحل میں (اَیْنَمَا) موصول ہے اور اختلاف (وصل وقطع کا) اس اَیْنَمَا میں ہے جو سورۂ شعراء اور سورۂ احزاب میں ہے اور سورۂ نساء میں جو اَیْنَمَا ہے اس میں بھی وصل بیان کیا

گیا ہے۔"

﴿تشریح﴾ اس شعر میں مصنفؒ نے اَیْنَمَا کا وصل وقطع بیان فرمایا ہے جس کی توضیح یہ ہے کہ سورۂ بقرہ ع ۱۴ میں جو فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ہے اس میں اَیْنَ اور مَا دونوں موصول ہیں یعنی ملا کر لکھے ہوئے ہیں اور اس پر اتفاق ہے فَاَیْنَمَا فاء کے ساتھ صرف سورۂ بقرہ ہی میں ہے اس لئے فَاَیْنَمَا کہہ کر اس کی طرف اشارہ کر دیا اس طرح سورۂ نحل (ع ۱۰) میں جو اَیْنَمَا یُوَجِّهْهُ ہے اس میں بھی اَیْنَمَا موصول ہے۔

اور اَیْنَمَا تَكُوْنُوْا یُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ جو سورۂ نساء ع ۱۱ میں ہے اس میں اَیْنَمَا کو موصول بیان کیا گیا ہے یعنی اکثر مصاحف میں تو یہ مقطوع ہے لیکن بعض میں موصول بھی ہے اور سورۂ شعراء (ع ۵) اور احزاب (ع ۸) میں جو اَیْنَمَا ہے اس کے وصل وقطع میں اختلاف ہے خلاصہ یہ کہ تین کے وصل وقطع میں اختلاف ہے اور دو جگہ بالاتفاق موصول ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ قصیدہ رائیہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ نساء والے میں وصل بہت کم مصاحف میں ہے اور شعراء اور احزاب میں دونوں امر مساوی ہیں اور مذکورہ پانچ مواقع کے علاوہ باقی سب جگہ اَیْنَمَا مقطوع ہے۔

(90) وَصِلْ فَاِلَّمْ هُوْدَ اَلَّنْ نَّجْعَلَا
نَجْمَعَ كَيْلَا تَحْزَنُوْا تَاْسَوْا عَلٰى

﴿ت﴾ "اور سورۂ ہود میں جو فَاِلَّمْ ہے اس کو موصول لکھ اور اَلَّنْ نَّجْعَلَ اور اَلَّنْ نَّجْمَعَ میں (بھی) موصول لکھ اور كَيْلَا کو موصول لکھ كَيْلَا تَحْزَنُوْا میں اور كَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَافَاتَكُمْ میں اور لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا میں۔"

(91) حَجٌّ عَلَيْكَ حَرَجٌ وَّقَطْعُهُمْ
عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ مَنْ تَوَلّٰى يَوْمَ هُمْ

﴿ت﴾ "جو سورۂ حج میں ہے اور لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ میں اور اہل رسوم کا قطع کرنا ثابت ہے عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ کو اور عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى اور يَوْمَ هُمْ کو۔"

﴿تشریح﴾ ان دونوں شعروں میں مصنفؒ نے اِنْ لَّمْ اور اَنْ لَّنْ اور کَیْلَا اور عَنْ مَّنْ اور یَوْمَ ھُمْ کا وصل وقطع بیان فرمایا ہے توضیح اس کی یہ ہے کہ اِنْ حرف شرط جو بہت سی جگہ لَمْ کے ساتھ آتا ہے ان میں صرف ایک جگہ یعنی سورۂ ہود کے دوسرے رکوع کی آیت فَاِلَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَکُمْ میں موصول ہے اور اس کے علاوہ باقی سب جگہ مقطوع ہے کمافی قولہ تعالی فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا (بقرہ ع۳) فَاِنْ لَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَکَ (قصص ع۵) وَاِنْ لَّمْ یَنْتَھُوْا عَمَّا یَقُوْلُوْنَ (مائدہ ع۱۰) لَئِنْ لَّمْ یَنْتَہِ الْمُنَافِقُوْنَ (احزاب ع۸) وغیرہ۔

اور لَنْ ناصبہ کے ساتھ اَنْ دو جگہ موصول ہے۔

(اول) اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَکُمْ مَّوْعِدًا (سورۂ کہف: ع۷)

(دوم) اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَہٗ (سورۂ قیامہ) میں مصنفؒ نے یہ دونوں جگہ بتا کر دوسرا مسئلہ شروع کر دیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان دونوں کے علاوہ باقی سب جگہ مقطوع ہے۔

لیکن ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ سورۂ مزمل میں جو اَنْ لَّنْ تُحْصُوْہُ ہے اس کے وصل وقطع میں اختلاف ہے ممکن ہے کہ مصنفؒ کے نزدیک اس کا قطع ہی مختار ہو اس لئے اختلاف کی طرف اشارہ کرنا ضروری نہ سمجھا ہو۔ بہر حال ان تین مواقع کے علاوہ باقی ہر جگہ مقطوع ہی ہے جیسے اَنْ لَّنْ یَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ (سورۂ فتح ع۲) اور اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْہِ اَحَدٌ (سورۂ بلد) اور اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ (جن ع۱)

اور کَیْلَا چار جگہ موصول ہے۔

اول: لِکَیْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ (آل عمران ع۱۶) میں۔

دوم: لِکَیْلَا یَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَیْئًا (سورۂ حج ع۱ میں)

سوم: لِکَیْلَا یَکُوْنَ عَلَیْکَ حَرَجٌ (سورۂ احزاب ع۵ میں)

چہارم: لِکَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰی فَاتَکُمْ (سورۂ حدید ع۳) میں۔

ان چار مواقع کے علاوہ باقی سب جگہ کَیْ لَا مقطوع ہے مثلاً سورۂ احزاب کے پہلے رکوع میں

لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ اور كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ (سورۂ حشر میں) اور كَيْلَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا (سورۂ نحل ع ۹) میں۔

اس کے بعد مصنفؒ نے عَنْ مَّنْ کے بارے میں رسم قرآنی سے مطلع فرمایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ عَنْ جارہ مَنْ موصولہ کے ساتھ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ (سورۂ نور میں ع ۶) میں۔ اور فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى عَنْ ذِكْرِنَا (سورۂ نجم ع ۲) میں مقطوع ہے۔ شیخ زکریاؒ اپنی شرح میں فرماتے ہیں کہ ان دونوں جگہوں کے علاوہ باقی سب جگہ موصول ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ شیخ کے اتباع میں شارح رومی نے بھی یہی بات کہی ہے لیکن یہ وہم ہے کیونکہ قرآن مجید میں ان دونوں جگہوں کے علاوہ کسی جگہ عَنْ جارہ کے بعد مَنْ موصولہ آیا ہی نہیں ہے۔

شعر (۹۱) کے آخر میں مصنفؒ نے یہ بتلایا ہے کہ يَوْمَ کے بعد جو هُمْ ضمیر (مذکر غائب) ہے وہ بھی مقطوع ہے اور تشریح اس کی یہ ہے کہ قرآن مجید میں دو جگہ یوم کی اضافت ایسے جملہ کی طرف ہے جس میں ضمیر مذکر غائب مبتدا ہے ان میں ایک سورۂ مومن (ع ۲) میں يَوْمَ هُمْ بَارِزُوْنَ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ہے اور دوسرا سورۂ ذاریات (ع ۱) میں يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ہے ان دونوں جگہوں میں يَوْمَ علیحدہ ہے اور هُمْ علیحدہ ہے ان دونوں جگہوں کے علاوہ چار جگہ يَوْمَهُمْ موصول لکھا ہوا ہے اور وہ چار مواقع یہ ہیں:

(۱) حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ (زخرف ع ۷)

(۲) فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ (طور ع ۲)

(۳) مِنْ يَوْمِهِ[illegible] الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ([illegible] ع ۳)

(۴) حتى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ [illegible] نَ (معارج [illegible]

ان چار جگہ يَوْمَ کی اضافت مفرد کی طرف ہے جملہ کی طرف نہیں ہے اس لئے موصول لکھا ہے۔

92 وَمَالِ هٰذَا وَالَّذِيْنَ هٰؤُلَا
تَحِيْنَ فِي الْاِمَامِ صِلْ وَوُهِّلَا

﴿ت﴾ ''اور قطع ثابت ہے (چار جگہ) لام حرف جر کا اس کے مجرور سے، دو جگہ مَـالِ هٰذَا میں اور ایک جگہ فَمَالِ الَّذِيْنَ اور ایک جگہ فَمَالِ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ میں، اور مصحف امام میں وَلَا تَحِيْنَ مَنَاصٍ کو موصول لکھا اور اس قول کو ضعیف قرار دیا گیا ہے۔''

﴿تشریح﴾ مطلب یہ ہے کہ لام حرف جر اپنے مجرور سے چار جگہ مقطوع ہے، ان میں سے دو جگہیں تو ایسی ہیں کہ جن میں هـٰـذَا اسم اشارہ پر لام داخل ہوا ہے ان دونوں کی طرف مصنفؒ نے مَالِ هٰذَا کہہ کر اشارہ فرمایا ہے (اول) مَالِ هٰذَا الْكِتَابِ سورۂ کہف (ع ٦) میں (دوم) مَـالِ هٰـذَا الرَّسُوْلِ سورۂ فرقان (ع ١) میں۔ (سوم) فَمَـالِ الَّـذِيْـنَ كَـفَـرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ سورۂ معارج (ع ٢) میں اور (چہارم) فَمَالِ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَـدِيْثًا سورۂ نساء (ع ١١) میں۔ ان چار مواقع کے علاوہ دیگر تمام مواقع میں لام جارہ اپنے مجرور کے ساتھ موصول ہے کمانی قولہ تعالیٰ مَـالَكَ لَا تَـاْمَنَّا اور فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِيْنَ اور وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ اور وَمَالَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وغیرہ۔

اس کے بعد مصنفؒ نے وَلَاتَ حِيْنَ مَـنَـاصٍ (سورۂ ص ع ١) کے وصل وقطع کو بیان فرمایا ہے اس میں تاء کے بارے میں اختلاف ہے کہ وَلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ رسم قرآنی ہے یا لَا تَحِيْنَ مَـنَـاصٍ لکھنا چاہیے ابوعبید قاسم بن سلامؒ کا ارشاد ہے کہ لَا تَـحِـيْنَ (وصل التاء کے ساتھ) رسم قرآنی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مصحف عثمانی میں اسی طرز پر لکھا ہوا ہے جسے میں نے خود دیکھا ہے لیکن دیگر علماء اور قراء اس کا سختی سے انکار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ لَاتَ علیحدہ ہے اور حِيْـنَ الگ ہے قصیدہ رائیہ میں فرمایا ہے کہ ؎

اَبُوْ عُبَيْدٍ عَـزَا وَلَا تَحِيْنَ اِلَى الْـ اِمَامِ وَالْـكُلُّ فِيْهِ اَعْظَمَ النُّكْرَا

امام نصیرؒ فرماتے ہیں کہ تمام مصاحف اس کے مقطوع ہونے پر متفق ہیں۔ ابن انباریؒ نے فرمایا کہ قدیم وجدید میں لَاتَ بقطع التاء ہی ہے گو ابوعبیدؒ رسم قرآنی کے امام ہیں مگر چونکہ یہ نقل خبر واحد کے درجہ میں ہے جس کا تواتر ثابت نہیں ہوا اور جمہور کی تحقیق اور جملہ مصاحف کی رسم کے خلاف ہے

اس لئے ان کی یہ نقل محض شاذ کے درجہ میں ہے۔

مصنفؒ نے وَوُهِّلَا فرما کر یہ بتایا ہے کہ تاء کا حِيْـــنَ کے ساتھ موصول ہونے کا قول ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ قال القاریؒ بالف الاطلاق ای ضعف و غلط قائله و نسب الی الوهل والوهم ناقله۔ مصنفؒ نے النشر میں فرمایا ہے کہ جس مصحف کو مصحف عثمانؓ کہا جاتا ہے میں نے اس میں لَا کو علیحدہ اور تاء کو حِيْـــنَ کے ساتھ موصول دیکھا ہے اس میں خون کے نشان بھی تھے یہ قرآن مجید مدرسہ فاضلیہ (قاہرہ) میں موجود ہے۔ گو مصنفؒ نے خود مصحف امام میں ابوعبید کے بیان کے مطابق دیکھا ہے مگر اس کے باوجود ابوعبید کے موافق نہیں ہوئے بلکہ ان کے قول کا ضعف ظاہر فرما رہے ہیں شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ قاہرہ میں جو انہوں نے مصحف دیکھا تھا اس کی سند شرعی نہ پائی ہو۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ بعض نسخوں میں بجائے وَوُهِّلَا کے وَقِيْلَ لَا ہے لیکن چونکہ قِيْلَ ضعف پر دلالت کرتا ہے جس سے جمہور کے قول کی تردید ہوتی ہے اس لئے پہلا نسخہ ہی صحیح ہے وهو مختار الشيخ زكريا وعليه المعول فتكتب التاء مفصولة من الحاء على هذه الصورة لَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ لا على هذه الكيفية لَا تَحِيْنَ۔

حضرت ابوعبید فرماتے ہیں کہ حِيْـنَ پر تَ زائد ہو جاتی ہے اور اس کے استشہاد کے لئے انہوں نے یہ شعر پیش فرمایا ہے ۔

اَلْعَاطِفُوْنَ تَحِيْنَ مَا مِنْ عَاطِفٍ وَالْمُطْعِمُوْنَ زَمَانَ اَيْنَ الْمُطْعِمُ

لیکن اس کا جواب یوں دیا جاتا ہے کہ تَحِيْنَ بمعنی حِيْنَ صرف اسی ایک شعر میں پایا گیا ہے جو شاذ و نادر ہے لہٰذا یہ افصح الکلام کے لئے شاہد نہیں بن سکتا۔

﴿سوال﴾ ابوعبیدؒ کے قول کی تردید تو ہو گئی مگر یہ تو معلوم ہونا چاہیے کہ لَاتَ میں تاء کیسی ہے۔ علماء نحو اس کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

﴿جواب﴾ علماء نحو اس پر متفق ہیں کہ لَا نفی کے لئے اور تاء زائدہ ہے جو تاکید تانیث یا تاکید نفی کے لئے زیادہ کی گئی ہے جس طرح رُبَّ اور ثُمَّ پر تاء زائدہ ہو جاتی ہے فَيُقَالُ رُبَّةَ وَثُمَّةَ قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں وَخُصَّتْ بِلُزُوْمِ الْاَحْيَانِ یعنی تاء اسی وقت لَا پر زائد ہوتی ہے

جب کہ لَا ان کلمات پر داخل ہو جو زمانوں پر دلالت کرتا ہے۔ اس اتفاق کے بعد کہ لَاتَ کا لَا نفی کے لئے ہے اس میں اختلاف ہے کہ یہ کونسا لَا ہے پس سیبویہؒ اور خلیلؒ سے منقول ہے کہ یہ لَا مشبہ بِلَیْسَ ہے ای لیس الحین حین فراءؒ اور اخفشؒ کا قول ہے کہ یہ لائے نفی جنس ہے ای ولا حین مناص لھم اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ لائے نافیہ للفعل ہے ای ولا اری حین مناص۔ جلالین شریف کے حاشیہ میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ لَاتَ اہل یمن کی لغت میں بمعنی لَیْسَ آتا ہے۔ واللہ اعلم

﴿فائدہ﴾ لَاتَ حِیْنَ کے مذکورہ وصل وقطع کے اختلاف کی وجہ سے وقف وابتداء میں بھی اختلاف ہو گیا چنانچہ جملہ علماء وقراء فرماتے ہیں کہ لَا پر وقف کر کے تَحِیْنَ سے ابتداء کرنا درست نہیں ہے کیونکہ لَا پر تاء زائدہ آئی ہے اور دونوں مثل کلمہ واحدہ کے ہیں لہٰذا اگر وقف کریں تو لَاتَ پر کریں لیکن ابو عبیدؒ اپنے اختیار کردہ رسم الخط کی بنا پر کہتے ہیں کہ لَا پر وقف کر کے تَحِیْنَ سے ابتداء کر سکتے ہیں۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ قرأت شاذ ہے کیونکہ مبنی اور معنی کے اعتبار سے قواعد عربیہ کے خلاف ہے۔

﴿فائدہ ثانیہ﴾ اگر ضرورت کی بناء پر لَاتَ پر حسب مذہب جمہور قراء عمل کیا جائے تو تاء کو ہاء سے بدل کر وقف کریں یا تاء کو تاء ہی رہنے دیں؟ اس کے بارے میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ کسائیؒ وقف بالہاء کرتے ہیں اور باقی قراء کرام رسم کے اتباع کرتے ہوئے وقف بالتاء کرتے ہیں (کیونکہ تاء لمبی لکھی ہوئی ہے)

(93)

اَوْ وَّ زَنُوْھُمْ وَکَالُوْھُمْ صِلْ
کَذَا مِنْ اَلْ وَھَا وَ یَا لَا تَفْصِلْ

﴿ت﴾ "اَوْ وَّ زَنُوْھُمْ اور کَالُوْھُمْ کو موصول لکھ اسی طرح اَلْ (الف لام تعریفی) اور ہاء (حرف تنبیہ) اور یا (حرف نداء) ان تینوں کو اپنے مابعد والے کلمہ سے جدا نہ کر۔"

﴿تشریح﴾ وَزَنُوْهُمْ کتابت کے اعتبار سے حکماً کلمہ واحدہ ہے اسی طرح کَالُوْهُمْ بھی حکماً کلمہ واحدہ ہے اور اسی وحدت حکمیہ کی وجہ سے هُمْ ضمیر مذکر غائب کو ماضی کے صیغہ واحد جمع مذکر غائب کے ساتھ ملا کر یعنی موصول لکھا جاتا ہے جس کی علامت یہ ہے کہ صیغہ جمع مذکر غائب کے آخر میں جو الف لکھا جاتا ہے وہ دونوں جگہ نہیں لکھا گیا اور نتیجہ اس کے موصول ہونے کا یہ ہے کہ کَالُوْا اور وَزَنُوا پر وقف کرنا اور هُمْ سے اعادہ اور ابتداء کرنا جملہ قراء کے نزدیک جائز نہیں ہے البتہ عیسیٰ بن عمرؒ ان دونوں جگہ صیغہ جمع مذکر پر وقف کر کے هُمْ سے اعادہ کرنے کو جائز کہتے ہیں لیکن امام ابوعبیدؒ نے فرمایا ہے کہ جمہور کا مذہب ہی مختار ہے۔

سورہ شوریٰ میں جو وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ ہے وہ اس حکم میں نہیں ہے کیونکہ یہ مسئلہ ضمیر منصوب کا ہے اور سورہ شوریٰ کی آیت میں هُمْ ضمیر منصوب نہیں ہے بلکہ مبتدا واقع ہے اور يَغْفِرُونَ اس کی خبر ہے اسی لئے غَضِبُوْا میں واؤ کے بعد الف لکھا ہوا ہے لہٰذا غَضِبُوْا پر وقف کرنا اور هُمْ يَغْفِرُونَ سے ابتدا کرنا درست ہے۔

دوسرے مصرع میں مصنفؒ نے یہ بتایا ہے کہ الف لام تعریفی اور ہاء حرف تنبیہ اور یاء حرف نداء کو اپنے مدخول یعنی بعد والے کلمہ سے جدا نہ کرو خواہ وہ لام قمریہ ہی ہو گو معنوی اعتبار سے یہ تینوں مستقل کلمات ہیں لیکن شدت امتزاج کی وجہ سے اپنے مدخول کے ساتھ مل کر کلمہ واحدہ کا حکم رکھتے ہیں یعنی نہ تو قراءۃً اپنے مدخول سے جدا ہو سکتے ہیں اور نہ کتابۃً علیحدہ کئے جا سکتے ہیں لہٰذا نہ تو ان تینوں پر وقف درست ہے نہ ان کے مدخول سے ابتداء واعادہ جائز ہے جیسا کہ جاہل قراء کرتے ہیں مثلاً اَلْحَمْدُ، اَلنَّاسُ، اَلْقَارِعَةُ، اَلْاَرْضُ، اَلسَّمَاءُ وغیرہ۔ اور يٰبَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اور يٰاٰدَمُ اور يٰبُنَيَّ اور يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ اور هٰاَنْتُمْ اور هٰٓؤُلَآءِ اور هٰذَا وغیرہ۔

﴿فائدہ اولیٰ﴾ اَعْطَيْنَاكَ، اَنْزَلْنَاهُ، رَزَقْنٰهُمْ، اَنُلْزِمُكُمُوْهَا اور ان کی طرح وہ تمام مواقع جن میں ضمیر منصوب متصل ہے اور اس سے پہلے الف لکھا ہوا نہیں ہے وَزَنُوْهُمْ اور کَالُوْهُمْ کے حکم میں ہیں یعنی فعل پر وقف کرنا اور ضمیر سے ابتدا اور اعادہ کرنا درست نہیں ہے۔

﴿فائدہ ثانیہ﴾ وہ جملہ کلمات جو اپنی وضع کے اعتبار سے ایک حرفی ہیں مثلاً لام جارہ اور لام تاکید اور بائے جارہ ان کا حکم بھی یہی ہے کہ نہ تو ان پر وقف کرنا درست ہے نہ ان کے مدخول یعنی بعد

والے کلمہ سے ابتداء اور اعادہ درست ہے اور کتابۃً بھی ان کو علیحدہ لکھنا درست نہیں ہے جیسے بِاللّٰهِ اور لِلّٰهِ اور لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ۔

البتہ ایک حرفی کلمات میں واؤ عطف اور ہمزہ استفہام کتابۃً علیحدہ لکھے جاتے ہیں لیکن قراءۃً متصل ہی ہیں لہٰذا ان پر وقف کرنا اور مابعد سے ابتدا کرنا درست نہیں جیسے اَفَمَنْ كَانَ اور وَلَا الضَّآلِّيْنَ وغیرہ۔

﴿فائدہ ثالثہ﴾ نِعِمَّا هِيَ (بقرہ ع ۳۷) اور نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ (نساء ع ۸) میں نِعِمَّا موصول ہے جو نِعْمَ اور مَا سے مرکب ہے اسی طرح سورۂ حجر کے شروع میں جو رُبَمَا ہے وہ بھی موصول ہے اور مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ (سورۂ اعراف ع ۱۷) میں موصول ہے یعنی مَهْمَا ملا کر لکھا ہوا ہے نیز يَوْمَئِذٍ اور حِيْنَئِذٍ اور مَنَاسِكَكُمْ (بقرہ ع ۲۵) اور يَبْنَؤُمَّ (طٰہٰ ع ۵) یہ سب موصول ہیں آخر الذکر میں دو وصل ہیں ایک تو حرف ندا منادیٰ کے ساتھ موصول ہے دوسرے منادیٰ مضاف اپنے مضاف الیہ کے ساتھ موصول ہے اور سورۂ اعراف میں جو اِبْنَ اُمَّ ہے وہ مفصول یعنی مقطوع ہے اور وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ اور وَيْكَاَنَّهٗ (ہر دو سورۂ قصص میں) ان میں وَيْكَاَنَّ موصول ہے یعنی یاء کاف سے جدا نہیں ہے لیکن ابوعمروؒ کاف پر اور کسائیؒ یاء پر وقف کرتے ہیں اور جمہور رسم کے موافق آخری کلمہ پر وقف کرتے ہیں۔

بَابُ هَآءِ التَّانِيْثِ الَّتِيْ رُسِمَتْ تَآءً

تاء کے رسم خط کا بیان

جو تاء اصل کلمہ کی نہ ہو تانیث وغیرہ کے لئے آخر کلمہ میں زیادہ کی گئی ہو وہ مصاحف میں کہیں اپنی اصل کے مطابق ہاء کی صورت میں لکھی جاتی ہے اور کہیں اصل کے خلاف دراز یعنی لمبی لکھی جاتی ہے ایسی تاء جو بصورت ہاء لکھی جاتی ہے اس کو تاء مربوطہ اور تاء مدورہ کہتے ہیں اور جو تاء دراز لکھی جاتی ہے اس کو تاء مجرورہ اور تاء مطولہ کہتے ہیں۔ جس کلمہ کو قراء عشرہ میں سے بعض نے واحد اور بعض نے جمع پڑھا وہ بالاتفاق تاء مجرورہ کی صورت میں لکھے ہوئے ہیں اور جن کلمات میں اختلاف مذکور نہیں ہے اور وہ

بالاتفاق مفرد کے صیغے ہیں وہ بہت سی جگہ تائے مجرورہ کے ساتھ اور بہت سی جگہ تائے مربوطہ کے ساتھ لکھے ہوئے ہیں۔ مصنفؒ نے خصوصیت کے ساتھ یہاں ان ہی کلمات کی نشاندہی فرمائی ہے اور آخر میں مذکورہ بالا قاعدہ بھی تحریر فرما دیا ہے کہ جن کلمات میں واحد اور جمع کا اختلاف ہے وہ تائے مجرورہ ہی کی صورت میں لکھے ہوئے ہیں۔

مفرد کلمات میں جو تاء مربوطہ لکھی ہوتی ہے بالاتفاق اس پر وقف ہاء ہی کے ساتھ ہوتا ہے جیسے حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ اور ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ وغیرہ۔ اور جو مفرد کلمات تائے مجرورہ کے ساتھ لکھے ہوئے ہیں۔ عاصم (جن کی قرآءت کے راوی حضرت حفصؒ بھی ہیں اور ان کی روایت کے مطابق ہم پڑھتے ہیں) اور حمزہؒ اور خلفؒ اور نافعؒ اور شامیؒ اور ابوجعفرؒ ایسے کلمات پر رسم کی پیروی کرتے ہوئے وقف بالتاء کرتے ہیں جو طے اور حمیر کا لغت ہے اور کسائیؒ، مکیؒ، بصریؒ یعقوبؒ ان پر وقف بالہاء کرتے ہیں جو اصل کے موافق ہے اور قریش کا لغت ہے۔

94 وَرَحْمَتُ الزُّخْرُفِ بِالتَّا زَبَرَهْ
الْاَعْرَافِ رُوْمٍ هُوْدَ كَافِ الْبَقَرَهْ

﴿ت﴾ ''اور حضرت عثمانؓ نے لفظ رَحْمَتُ سورۂ زخرف میں (دراز) تاء کے ساتھ لکھا ہے (نیز) سورۂ اعراف اور سورۂ روم اور سورۂ ہود اور سورۂ مریم اور سورۂ بقرہ میں لفظ رَحْمَتُ دراز تاء کے ساتھ مکتوب ہے۔''

﴿تشریح﴾ مطلب یہ ہے کہ لفظ رَحْمَتُ سات جگہ دراز تاء کے ساتھ حضرت عثمانؓ نے لکھا ہے ان میں دو تو سورۂ زخرف کے تیسرے رکوع میں ہیں۔

(۱) اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ (۲) وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ اور (۳) سورۂ اعراف (ع ۷) میں اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ اور (۴) سورۂ روم (ع ۵) میں فَانْظُرْ اِلٰى اٰثَارِ رَحْمَتِ اللّٰهِ اور (۵) سورۂ ہودؑ (ع ۷) میں رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اور (۶) سورۂ مریمؑ کے بالکل شروع میں ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا (کاف سے مصنفؒ نے سورۂ مریمؑ کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ

اس کے شروع میں جو حروف مقطعات ہیں ان میں پہلا حرف کاف ہے) اور (۷) سورۂ بقرہ (ع ۲۷) میں اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ان سات مواقع میں دراز تاء لکھی ہے اور باقی سب جگہ تاء مربوطہ ہے مصنفؒ نے صرف چھ سورتوں کا نام لے دیا ہے مواقع کی تعیین نہیں کی ہے جس سے متبادر ہوتا ہے کہ ان سورتوں میں لفظ رَحْمَتُ ہر جگہ دراز تاء سے ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ مذکورہ چھ سورتوں میں مواقع مذکورہ کے علاوہ بھی لفظ رَحْمَتُ آیا ہے جو تاء مجرورہ کی صورت میں نہیں لکھا لہٰذا تعیین کے لئے یہ اشارہ کر دینا ضروری تھا کہ ان سورتوں میں جس جگہ لفظ رَحْمَتُ لفظ اللہ یا لفظ رب کی طرف مضاف ہے وہاں دراز تاء سے ہے اور ان سورتوں کے علاوہ ہر جگہ اور ان مذکورہ سات مواقع کے علاوہ ان سورتوں میں بھی لفظ رَحْمَتُ تاء مربوطہ سے لکھا ہے کما فی قولہ تعالیٰ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔

(95)

نِعْمَتُهَا ثَلٰثُ نَحْلِ اِبْرَهَمْ
مَعًا اَخِيْرَاتٌ عُقُوْدُ الثَّانِ هَمْ

﴿ت﴾ ''اور سورۂ بقرہ کا لفظ نِعْمَتْ (بھی) دراز تاء سے لکھا ہے اور تین جگہ سورۂ نحل میں اور دو جگہ سورۂ ابراہیم میں جو اکٹھے آئے ہیں (اور یہ پانچوں ان سورتوں کے آخر والے ہیں) اور دوسرا سورۂ عقود (یعنی سورۂ مائدہ) کا جس کے بعد هَمَّ قَوْمٌ ہے ان سب مواقع میں (بھی) نِعْمَتْ دراز تاء کے ساتھ ہے۔''

﴿تشریح﴾ یعنی لفظ نِعْمَتْ گیارہ جگہ دراز تاء کے ساتھ لکھا ہوا ہے (۱) سورۂ بقرہ (ع ۲۹) میں وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَا اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتَابِ يَعِظُكُمْ۔ (۲) سورۂ نحل میں وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ (ع ۱۰) (۳) يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا (ع ۱۱) (۴) وَاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (ع ۱۵) (۵) سورۂ ابراہیم کے پانچویں رکوع میں بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا (۶) وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (۷) سورۂ مائدہ میں دوسری جگہ جس کے بعد لفظ هَمَّ آیا ہے یعنی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْهَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْا اِلَيْكُمْ۔

مصنفؒ نے لفظِ نِعْمَتْ کو بقرہ کی طرف مضاف کر دیا اور کوئی قید نہیں لگائی جس سے متبادر ہوتا ہے کہ سورۂ بقرہ میں ایک ہی جگہ لفظِ نِعْمَتْ ہے جو دراز تاء سے ہے حالانکہ جائے مذکورہ کے علاوہ اور جگہ بھی لفظ نِعْمَةْ سورۂ بقرہ میں آیا ہے جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہے اور رکوع ۲۶ میں نِعْمَةَ اللّٰهِ بھی وارد ہوا ہے اس اشکال کا حل یہ ہوسکتا ہے کہ مصرع ثانی میں لفظ اَخِيْرَاتٍ ہے وہ بقرہ والے نِعْمَتْ کو بھی شامل ہے یعنی سورۂ بقرہ میں نِعْمَتْ دراز تاء سے ہے جو آخر والا ہے لیکن شیخ زکریا اور ملا علی قاری ہر دو شارحین نے اَخِيْرَاتٍ کا تعلق صرف سورۂ نحل اور سورۂ ابراہیم والے مواقع سے بتایا ہے۔

﴿قوله﴾ نِعْمَتَهَا الخ نِعْمَتَهَا کی ضمیر مضاف الیہ بقرہ کی طرف راجع ہے جو پہلے شعر کے آخر میں مذکور ہے اور اِبْرَهُمْ سے سورۂ ابراہیمؑ مراد ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ بفتح الراء والهاء بلا الف لغة فى ابراهيمؑ كما صرح به صاحب القاموس۔ اور معًا کہہ کر مصنفؒ نے یہ بتایا ہے کہ سورۂ ابراہیمؑ میں لفظِ نِعْمَتْ دراز تاء سے دو جگہ ہے جن میں ایک پانچویں رکوع کے شروع میں اور ایک اس رکوع کے آخر میں ہے۔

اور اَخِيْرَاتٍ کہہ کر مصنفؒ نے یہ بتایا ہے کہ سورۂ نحل میں تین جگہ اور سورۂ ابراہیمؑ میں دو جگہ جو لفظِ نِعْمَتْ دراز تاء کے ساتھ مرسوم ہے یہ جگہیں وہ ہیں جو ان سورتوں کی آخر والی ہیں یعنی سورۂ نحل کی آخری تین جگہوں میں اور سورۂ ابراہیمؑ کی آخری دو جگہوں میں لفظِ نِعْمَتْ تاء مجرورہ سے لکھا ہے ان کے علاوہ ان دونوں سورتوں میں جو لفظِ نِعْمَتْ ہے وہ تائے مربوطہ سے لکھا ہے چنانچہ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ (نحل ع۲) اور اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ (ع۱۰) اور نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ (ابراہیمؑ ع۱) یہ سب تائے مربوطہ یعنی گول تاء سے مرسوم ہیں اور یہ جگہیں ان جگہوں سے قبل آتی ہیں جن میں تاء دراز ہے اور عقود سے مصنفؒ نے سورۂ مائدہ کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ اس کے شروع میں اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ آیا ہے اور عقود کے ساتھ لفظ الثانی بڑھا کر یہ بتایا ہے کہ سورۂ مائدہ میں دوسری جگہ جو لفظِ نِعْمَتْ ہے وہ دراز تاء کے ساتھ ہے مزید توضیح کے لئے لفظ هَمْ بھی بڑھا دیا ہے جس کا

مطلب یہ ہے کہ دوسری جگہ جو لفظ نِعْمَتُ سورۂ مائدہ میں آیا ہے اور وہ دراز تاء سے لکھا ہے اس کے بعد لفظ هَمَّ وارد ہوا ہے یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْهَمَّ قَوْمٌ اَنْ یَّبْسُطُوْا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ اس کے علاوہ باقی دو جگہ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ (مائدہ ع۲) نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ (ع۴) تائے مربوطہ سے ہیں۔

شیخ زکریاؒ فرماتے ہیں کہ بعض نسخوں میں هَمَّ بالہاء کے بجائے ثُمَّ بالثاء المثلثہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ نِعْمَتُ بالتاء المجرورہ وہاں یعنی سورۂ مائدہ ہی میں ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ تصحیف لفظی اور معنوی ہے احقر کے خیال میں ملا علی قاریؒ کی رائے صحیح ہے پھر ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ شارح یمنیؒ فرماتے ہیں کہ بعض نسخوں میں ثم بالثاء المثلثہ ہے جو شعر آئندہ کے لفظ لُقْمٰنَ کو ماقبل پر معطوف کر رہا ہے یہ مطلب بھی صحیح ہے لیکن ملا علی قاری اس کو غریب بتا رہے ہیں۔

(96) لُقْمٰنَ ثُمَّ فَاطِرٌ كَالطُّوْرِ ... عِمْرَانَ لَعْنَتٌ بِهَا وَالنُّوْرِ

﴿ت﴾ "اور سورۂ لقمان میں پھر سورۂ فاطر میں لفظ نِعْمَتُ دراز تاء سے ہے جیسا کہ سورۂ طور (اور) سورۂ آل عمران میں (بھی اسی طرح) ہے اور لفظ لَعْنَتُ سورۂ آل عمران اور سورۂ نور میں دراز تاء سے مرسوم ہے۔"

﴿تشریح﴾ لفظ نِعْمَتُ جو گیارہ جگہ ہے ان میں سے سات جگہیں گزشتہ شعر میں بیان فرمانے کے بعد اس شعر میں باقی چار جگہیں بتائی ہیں مطلب یہ کہ (۸) سورۂ لقمان میں تَجْرِیْ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ (ع۴) اور (۹) سورۂ فاطر میں نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰهِ (ع۱) اور (۱۰) سورۂ طور میں بِنِعْمَتِ رَبِّكَ (ع۲) اور (۱۱) سورۂ آل عمران میں وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ (ع۱۱) ان چار مواضع میں بھی لفظ نِعْمَتُ دراز تاء سے لکھا ہے ان گیارہ مواقع کے علاوہ باقی ہر جگہ لفظ نِعْمَتُ تاء مربوطہ سے لکھا ہے کقولہ تعالیٰ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ

رَبِّكَ فَحَدِّثْ (سورۂ الضحیٰ) اور اُولِی النَّعْمَةِ سورۂ مزمل وغیرہ۔

﴿قولہ﴾ لَعْنَتٌ بِهَا وَالنُّوْرِ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لفظ لَعْنَتْ جو آل عمران (ع ٦) میں ہے یعنی فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ اور جو سورۂ نور (ع ١) میں وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ہے یہ دونوں دراز تاء سے ہیں بِهَا کی ضمیر بتاویل سورت آل عمران کی طرف راجع ہے اور وَالنُّوْرِ ضمیر پر معطوف ہے کمافی قولہ تعالیٰ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامِ (علی قراءۃ حمزۃؒ حیث قرأ بكسرة الميم عطفًا عَلَى الضَّمِيْرِ) ان دونوں جگہوں کے علاوہ باقی سب جگہ لَعْنَةُ تاء مربوطہ سے ہے کمافی قولہ تعالیٰ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ۔

مصنفؒ کی عبارت ادائے مطلب سے قاصر ہے کیونکہ انہوں نے آل عمران اور نور میں بلا کسی قید کے لفظ لَعْنَتْ کو دراز تاء سے بتایا ہے لیکن سورۂ نور کے لئے بلا قید لانا تو صحیح ہے کیونکہ اس میں صرف ایک جگہ لفظ لَعْنَتْ ہے اور آل عمران کے لئے بلا قید لانا صحیح نہیں ہے کیونکہ اس میں دو جگہ لفظ لَعْنَتْ وارد ہوا ہے۔ (اول) فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ (ع ٦) (دوم) اُولٰٓئِكَ جَزَآءُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ (ع ٩) پہلا دراز تاء سے اور دوسرا گول تاء سے ہے مصنفؒ کو کوئی ایسی قید لگانا ضروری تھا کہ جس سے پہلی جگہ کی تعیین ہو جاتی جیسا کہ علامہ شاطبیؒ نے قصیدہ رائیہ میں فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ کہہ کر تعیین کر دی ہے یعنی وہ لفظ لَعْنَتَ جو فَنَجْعَلْ کے ساتھ ہے۔

(97) وَامْرَأَتٌ يُّوْسُفَ عِمْرَانَ الْقَصَصْ
تَحْرِيْمَ مَعْصِيَتْ بِقَدْ سَمِعْ يُخَصْ

﴿ت﴾ ”اور لفظ اِمْرَاَتٌ سورۂ یوسف اور سورۂ آل عمران اور سورۂ قصص میں اور سورۂ تحریم میں دراز تاء سے ہے اور لفظ مَعْصِيَتْ صرف سورۂ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ کے ساتھ مخصوص ہے۔“

﴿تشریح﴾ مطلب یہ ہے کہ سورۂ یوسف میں دو جگہ جو اِمْرَاَتُ الْعَزِيْزِ آیا ہے (ع ٤) و (ع ٦) دونوں جگہ دراز تاء سے ہے اور سورۂ آل عمران (ع ٤) میں جو اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرَانَ

ہے وہ بھی دراز تاء سے ہے اور سورۂ قصص (ع۱) میں قَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ ہے وہ بھی دراز تاء سے ہے اور سورۂ تحریم ع۲ میں جو تین جگہ لفظ اِمْرَاَتْ ہے وہ بھی دراز تاء سے ہے یعنی ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ اور وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ۔

مصنفؒ نے مطلقاً سورۂ یوسف اور سورۂ تحریم کا ذکر کر دیا ہے اور کوئی قید ذکر نہیں کی جس کا مطلب یہ ہے کہ سورۂ یوسف میں دو جگہ اور سورۂ تحریم میں تینوں جگہ لفظ اِمْرَاَتْ دراز تاء سے ہے اور مذکورہ بالا سات مواقع کے علاوہ ہر جگہ لفظ اِمْرَاَةٌ گول تاء سے ہے وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ اور وَامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ وغیرہ۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ لفظ اِمْرَاَتٌ جہاں شوہر کے نام یا لقب کی طرف مضاف ہو کر مذکور ہے وہاں دراز تاء سے ہے جیسے اِمْرَاَتُ الْعَزِيْزِ اور اِمْرَاَتُ لُوْطٍ اور اِمْرَاَتَ نُوْحٍ وغیرہ اور جہاں اس کے خلاف ہے وہ تائے مربوطہ سے مرسوم ہے۔

اور لفظ مَعْصِيَتْ بھی دراز تاء سے ہے جو صرف سورۂ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ (مجادلہ ع۲) کے ساتھ مخصوص ہے یعنی یہ لفظ صرف اسی سورت میں دو جگہ آیا ہے اور دراز تاء سے مرسوم ہے یعنی قولہ تعالیٰ وَيَتَنَاجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ اور فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ۔

98

شَجَرَتَ الدُّخَانِ سُنَّتْ فَاطِرٍ
كُلًّا وَّالْاَنْفَالِ وَاُخْرٰى غَافِرٍ

﴿ت﴾ ''سورۂ دخان کا لفظ شَجَرَتْ اور سورۂ فاطر کا لفظ سُنَّتْ اس کے تمام مواقع والا اور سورۂ انفال کا لفظ سُنَّتْ اور ایک وہ جو لفظ سُنَّتْ غافر کے آخر میں ہے یہ سب الفاظ دراز تاء سے ہیں۔''

﴿تشریح﴾ لفظ شَجَرَتْ جو اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ سورۂ دخان (ع۳) میں ہے وہ دراز تاء سے مرسوم ہے اور اس کے علاوہ ہر جگہ گول تاء سے ہے کما فی قولہ تعالیٰ اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ

اور شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْ اَصْلِ الْجَحِيْمِ اور شَجَرَةً مِّنْ يَقْطِيْنٍ (ہر سہ صافات میں) اور وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ اور عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اور فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ اور عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ ہر چہار سورۂ اعراف میں اور عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ (طٰہٰ میں) وغیرہ وغیرہ۔

اور لفظ سُنَّتْ جو فاطر کے آخری رکوع میں تین جگہ ہے فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ۔ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا یہ سب دراز تاء سے ہیں مصنفؒ نے لفظ كُلًّا سے اسی کو بتایا ہے یعنی لفظ سُنَّتْ سورۂ فاطر میں ہر جگہ دراز تاء سے لکھا ہے نیز لفظ سُنَّتُ جو سورۂ انفال (ع ۵) میں ہے یعنی وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ اور جو سورۂ غافر (یعنی سورۂ مومن (ع ۹) میں ہے یعنی سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ یہ بھی دراز تاء سے ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ پانچ مواقع میں لفظ سُنَّتْ دراز تاء سے ہے اور دیگر تمام مواقع میں تائے مربوط سے ہے کقولہ تعالیٰ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا۔

﴿قولہ﴾ وَاُخْرٰى غَافِرٍ ابن المصنفؒ نے اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے ای اٰخِرُهَا۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ لفظ اُخْرٰى کا یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے اور اُخْرٰى لفظ سُنَّتْ کی صفت ہے اَیْ وَسُنَّتٌ اُخْرٰى هِيَ فِيْ غَافِرٍ اور اس سے یہی بتانا مقصود ہے کہ سورۂ غافر میں جو لفظ سُنَّتْ ہے وہ دراز تاء سے ہے اور اُخْرٰى کہہ کر اول سے احتراز کرنا مقصود نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں یہ لفظ ایک ہی جگہ ہے اور بعض نسخوں میں حَرْفُ غَافِرٍ ہے شیخ زکریا نے اسی نسخہ کو لیا ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ لفظ سُنَّتْ جو غافر کے آخر میں ہے۔

99 قُـرَّتُ عَيْـنٍ جَـنَّـتٌ فِـيْ وَقَـعَـتْ
فِـطْـرَتْ بَـقِـيَّـتْ وَابْـنَـتٌ وَّكَـلِـمَـتْ

﴿ت﴾ "قُرَّتُ عَيْنٍ اور جَنَّتْ جو سورۂ واقعہ میں ہے اور لفظ فِطْرَتْ اور بَقِيَّتْ اور اِبْنَتْ یہ سب دراز تاء سے ہیں اور لفظ كَلِمَتْ۔"

(100) اَوْسَطَ الْاَعْرَافِ وَكُلُّ مَا اخْتُلِفْ
جَمْعًا وَّ فَرْدًا فِيْهِ بِالتَّآءِ عُرِفْ

﴿ت﴾ ''جو سورۂ اعراف کے درمیان میں ہے وہ بھی دراز تاء سے مرسوم ہے اور (قاعدہ یہ ہے کہ) ہر وہ کلمہ جس کی قراءت میں جمع اور واحد کے ساتھ پڑھنے میں اختلاف کیا گیا ہے وہ دراز تاء سے مرسوم ہے۔''

﴿تشریح﴾ مطلب یہ ہے کہ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ جو سورۂ قصص (ع۱) میں ہے یہ دراز تاء سے مرسوم ہے اور لفظ عَيْنٍ کا اضافہ کر کے یہ بتایا ہے کہ جہاں جہاں لفظ عَيْنٌ کے بغیر لفظ قُرَّتٌ آیا ہے یعنی سورۂ قصص کے علاوہ وہ ہر جگہ تائے مربوطہ سے مرسوم ہے کمافی قولہ تعالیٰ مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ (فرقان ع۶) اور مَا اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ (الم سجدہ ع۲) اور لفظ جَنَّتُ جو سورۂ واقعہ کے ختم کے قریب ہے وہ بھی دراز تاء سے ہے فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ وَجَنَّتُ نَعِيْمٍ اس کے علاوہ ہر جگہ لفظ جَنَّةٌ تائے مربوطہ سے ہے کمافی قولہ تعالیٰ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ (بقرہ ع ۳۶) اور مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ (سورۂ محمد ﷺ ع۲) اور اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ (فرقان ع۲) وغیرہ۔

مصنفؒ نے فِيْ وَقَعَتْ کہہ کر سورۂ واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے کیونکہ اس کے شروع میں اِذَا وَقَعَتْ آیا ہے۔

اس کے بعد مصنفؒ فرماتے ہیں کہ لفظ فِطْرَتْ بھی دراز تاء سے مرسوم ہے جو صرف ایک جگہ (سورۂ روم ع۴) میں ہے یعنی فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا اور لفظ بَقِيَّتُ جو سورۂ ہود (رکوع ۸) میں ہے وہ بھی دراز تاء سے مرسوم ہے بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اس کے علاوہ ہر جگہ لفظ بَقِيَّةٌ گول تاء سے مرسوم ہے جیسے فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى (بقرہ ع۳۲) اور اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ (ہود ع۱) سورۂ ہود میں دو جگہ یہ لفظ موجود ہے پہلی جگہ دراز تاء سے اور دوسری جگہ گول تاء سے مرسوم ہے اور سورۂ بقرہ میں بھی ایک اور

جگہ آیا ہے جس کا حوالہ ابھی اوپر گزرا لیکن مصنفؒ نے مطلق لفظ بَقِيَّتُ لکھ دیا ہے نہ سورۂ ہود کا نام لے کر مقید کیا اور نہ ہود کے اول وثانی کی تعیین کی یہ ابہام ہے۔ ممکن ہے کہ شہرت پر اکتفا کرنا مناسب جانا ہو یا وہ لفظ بَقِيَّتُ مراد لیا ہو جو لفظ اللہ کی طرف مضاف ہو۔

اس کے بعد فرمایا کہ لفظ اِبْنَتُ بھی دراز تاء کے ساتھ مرسوم ہے یعنی وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِيْ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (تحریم ع۲) اور لفظ كَلِمَتُ جو سورۂ اعراف کے درمیان (ع۱۶ میں) ہے یہ بھی دراز تاء سے مرسوم ہے وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ۔

﴿قولہ﴾ وَكُلُّ مَا اخْتُلِفَ الخ اس عبارت میں مصنفؒ نے ایک قاعدہ کلیہ بیان فرمایا ہے کہ ہر وہ لفظ جس کو بعض قراء نے واحد اور بعض نے جمع پڑھا ہے وہ لفظ جمع والی قرآءت کا لحاظ کرتے ہوئے دراز تاء سے لکھا ہے ایسے کلمات سات ہیں جو بارہ جگہ قرآن مجید میں آئے ہیں۔

لفظ كَلِمَتُ میں چار جگہ اختلاف ہے۔

(اول) سورۂ انعام (ع۱۴) میں وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا اس کو عاصمؒ حمزہ اور کسائیؒ نے واحد اور باقی حضرات نے جمع پڑھا ہے۔

(دوم) سورۂ یونس (ع۴) وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْا۔ اس کو نافعؒ اور ابن عامرؒ نے جمع اور باقی حضرات نے مفرد پڑھا ہے۔

(سوم) اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ سورۂ یونس (ع۱۰) میں۔

(چہارم) سورۂ مومن (ع۱) میں وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ان دونوں جگہ نافعؒ اور ابن عامرؒ نے جمع اور باقی حضرات نے واحد پڑھا ہے۔

اور ان دونوں جگہ لفظ كَلِمَتُ بعض مصاحف میں تائے مربوطہ سے بھی لکھا گیا ہے مگر قیاس کا تقاضا یہی ہے کہ دراز تاء سے مرسوم ہو کیونکہ جمعاً وفرداً اس کی قرآءت مختلف فیہ ہے۔

(پنجم) اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ سورۂ یوسف (ع۲) میں اس کو ابن کثیرؒ نے واحد اور باقی حضرات

نے جمع پڑھا ہے۔

(ششم) لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ (عنکبوت ع ۵ میں) اس کو ابن کثیرؒ اور شعبہؒ اور حمزہؒ اور کسائیؒ نے مفرد اور باقی حضرات نے جمع پڑھا ہے۔

(ہفتم و ہشتم) غَيٰـبَـتِ الْجُبِّ سورۂ یوسف (ع ۲) اس میں دونوں جگہ نافعؒ جمع اور باقی حضرات واحد پڑھتے ہیں۔

(نہم) وَهُمْ فِى الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ سورۂ سبا (ع ۵) اس کو حمزہؒ نے واحد اور باقی حضرات نے جمع پڑھا ہے۔

(دہم) فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ سورۂ فاطر (ع ۵) ہیں اس کو ابن کثیرؒ، ابو عمروؒ، حفصؒ اور حمزہؒ نے مفرد اور باقی حضرات نے جمع پڑھا ہے۔

(یازدہم) وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا (سورۂ حم سجدہ ع ۶) میں اس کو مکی۔ بصری۔ شعبہ۔ حمزہ اور کسائی نے واحد اور باقی حضرات نے جمع پڑھا ہے۔

(دوازدہم) جِمٰلَتٌ صُفْرٌ (سورۂ مرسلات ع ۱ میں) شیخ زکریاؒ فرماتے ہیں کہ اس کو حفصؒ اور کسائیؒ اور حمزہؒ نے واحد اور باقی حضرات نے جمع پڑھا ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ جن حضرات کی طرف اس کا مفرد پڑھنا منسوب ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حضرات صورۃً واحد پڑھتے ہیں کیونکہ یہ لفظ حقیقتاً جمع ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ چار جگہ لفظ كَلِمَتُ اور دو جگہ لفظ اٰيٰتُ اور دو جگہ لفظ غَيٰبَتُ اور ایک جگہ لفظ ثَمَرٰتُ اور ایک جگہ لفظ اَلْغُرُفٰتُ اور ایک جگہ لفظ بَيِّنَتُ اور ایک جگہ لفظ جِمٰلَتٌ مختلف فیہ ہے اور بشمول مکررات یہ کلمات بارہ مواقع میں آئے ہیں اور اختلاف قراءت (جمعاً وفرداً) کی وجہ سے سب دراز تاء سے لکھے ہیں اور لفظ كَلِمَتُ جو سورۂ اعراف کے درمیان ہے وہ بھی دراز تاء سے مرسوم ہے اور چونکہ اس میں اختلاف قراءت نہیں ہے اس لئے مصنفؒ نے علیحدہ بیان فرمایا ہے جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے۔

﴿فائدہ﴾ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ کلمات مذکورہ کے علاوہ اور بھی بعض کلمات ایسے ہیں جو دراز تاء سے مرسوم ہیں جن کی تعداد چھ ہے۔

(اول) لفظ یٰاَبَتِ آٹھ جگہ (ا تا ۴) سورۂ مریم (ع ۳) میں اور (۵) سورۂ قصص میں یٰاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ (ع ۳) اور (۶) یٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ صافات (ع ۴) میں (۷-۸) یٰاَبَتِ یوسف (ع ۱) و (ع ۱۱) (آٹھوں جگہ شامی ؒ بفتح التاء پڑھتے ہیں اور وقف بالہاء کرتے ہیں اور ابن کثیر ؒ نے بھی ان کی وقف میں موافقت کی ہے۔

(دوم) هَيْهَاتَ دو جگہ مومنون میں اس پر بزی ؒ اور کسائی ؒ وقف بالہاء کرتے ہیں۔

(سوم) مَرْضَاتُ ہر اس موقع پر جہاں یائے متکلم کی طرف مضاف نہ ہو اِبْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ (بقرہ ع ۲۶)

(چہارم) لَاتَ (ص ع ۱) میں۔

(پنجم) اَللّٰتَ سورۂ نجم (ع ۱) میں۔

(ششم) لفظ ذَاتَ سورۂ نمل (ع ۵) میں فَاَنْبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ان میں کسائی ؒ وقف بالہاء کرتے ہیں ان کلمات کو ملا علی قاری ؒ نے اس شعر میں جمع فرمایا ہے ؎

وَاللّٰتُ مَعَ لَاتٍ كَذَا مَرْضَاتٍ . وَيٰـاَبَـتِ وَذَاتِ مَعَ هَيْهَـاتِ

﴿تکمیل﴾ اس میں اختلاف ہے کہ جو تاء وقف میں ہاء ہو جاتی ہے اور وصل میں تاء ہی رہتی ہے ان دونوں میں اصل کون سی ہے سیبویہ اور ان کے ساتھ ایک جماعت کہتی ہے کہ تاء ہی اصل ہے کیونکہ وصل میں تاء رہتی ہے اور وصل ہی اصل ہے کیونکہ وقف عارضی چیز ہے نیز تاء پر اعراب بھی جاری ہوتا ہے۔

اور دوسری جماعت کی رائے یہ ہے کہ ہاء اصل ہے اور اسی لئے ہائے تانیث کہا جاتا ہے اور اس کو وصل میں تاء اس لئے بنا دیتے ہیں کہ ھاء حرف ضعیف ہے جو اپنے خفاء کی وجہ سے حرف علت کے مشابہ ہے اور اپنے اس ضعف کی وجہ سے تعاقب حرکات کی متحمل نہیں ہے لہٰذا ایسے حرف یعنی تاء سے بدل دیتے ہیں جس سے اس کی مناسبت ہے۔

اور سیبویہ ؒ اور ان کے اتباع کرنے والے کہتے ہیں کہ تاء مذکورہ وقف میں اس لئے ہاء ہو جاتی ہے کہ جو تاء تانیث کے لئے ہے اس میں اور عِفْرِيْتٌ اور مَلَكُوْتٌ جیسی تاء میں فرق ہو جائے۔

ابن کیسانؒ کی رائے یہ ہے کہ تاء مذکورہ وقف میں ہاء سے اس لئے بدل جاتی ہے کہ اسم والی تائے تانیث اور اس تائے ساکنہ میں فرق ہو جائے جو فعل کے آخر میں لگی رہتی ہے جیسے ضَرَبْتُ اور خَرَجْتُ وغیرہما۔

بَابُ هَمْزِ الْوَصْلِ

ہمزہ وصل کا بیان

ہمزہ کی دو قسمیں ہیں۔(۱) ہمزہ قطعیہ۔(۲) ہمزہ وصلیہ

(۱) ہمزہ قطعیہ وہ ہے جو وصل وابتداء میں نہیں گرتا ہے جیسے اَنْعَمْتَ۔ اَلَمْ نَشْرَحْ۔ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ۔ اِنَّا اِلَيْكُمْ۔ اُوْحِيَ یہ ہمزہ مضموم ومفتوح اور مکسور (تینوں حرکتوں کے ساتھ) آتا ہے۔

(۲) ہمزہ وصلیہ وہ ہے جو ابتداء میں باقی رہتا ہے اور وصل میں گر جاتا ہے۔ابتداء کلمہ میں جہاں سکون ہو وہاں ابتداء بالسکون متعذر ہونے کے سبب ہمزہ وصل لے آتے ہیں اور اس کے ذریعہ ایسے کلمہ کے تلفظ کا راستہ نکل آتا ہے جس کے اول میں حرف ساکن ہو اور ہمزہ وصل جیسے ابتداء میں باقی رہتا ہے اعادہ میں بھی باقی رہتا ہے یعنی اگر ہمزہ وصل سے اعادہ کریں گے تو ہمزہ کو بھی پڑھیں گے:

(101) وَابْدَأْبِهَمْزِ الْوَصْلِ مِنْ فِعْلٍ بِضَمّ
اِنْ كَانَ ثَالِثٌ مِّنَ الْفِعْلِ يُضَمّ

﴿ت﴾ ''اور تو فعل کے ہمزہ وصل سے ضمہ کے ساتھ ابتدا کر اگر فعل کا تیسرا حرف مضموم ہو۔''

(102) وَاكْسِرْهُ حَالَ الْكَسْرِ وَ الْفَتْحِ وَفِي
الْاَسْمَآءِ غَيْرِ اللَّامِ كَسْرُهَا وَ فِي

﴿ت﴾ ''اور فعل کے تیسرے حرف کے مکسور یا مفتوح ہونے کی حالت میں ہمزہ وصل کو

کسرہ دے اور جن اسماء پر لام تعریفی داخل نہ ہو (اور وہ ہمزہ وصلی والے ہوں) ان کے ہمزہ وصل کا کسرہ پورا ہے۔"

(103) اِبْنٍ مَّعَ ابْنَةِ امْرِیءٍ وَّ اثْنَیْنِ
وَ امْرَأَةٍ وَّ اسْمٍ مَّعَ اثْنَتَیْنِ

﴿ت﴾ "یعنی اِبْنٌ اور اِبْنَةٌ اور اِمْرُؤٌ اور اِثْنَیْنِ اور اِمْرَأَةٌ اور اِسْمٌ اور اِثْنَتَیْنِ کے اول میں جو ہمزہ ہے اسے ابتداء میں مکسور پڑھو۔"

افعال اور ہمزہ وصلیہ

﴿تشریح﴾ مطلب یہ ہے کہ اگر فعل سے ابتداء کرنا ہو اور اس کا پہلا حرف متحرک نہ ہو تو اس کے اول میں ہمزہ وصلیہ لے آؤ اور اس کو حرف ساکن سے ملا کر ابتداء کرو' یہ ہمزہ مضمومہ بھی ہوتا ہے اور مکسورہ بھی البتہ مفتوحہ نہیں ہوتا۔

اس کے مضموم اور مکسور ہونے کا قاعدہ یہ ہے کہ جس فعل کے شروع میں اس کو لانا ہو اگر اس کا تیسرا حرف مضموم ہو تو اس کا ہمزہ وصلیہ مضموم ہوگا جیسے اُقْتُلُوْا۔ اُجْتُثَّتْ۔ اُنْظُرْنَا۔ اُذْكُرُوْا وغیرہ لیکن شرط یہ ہے کہ تیسرے حرف کا ضمہ لازمی ہو (یعنی دوسری حرکت سے بدلا ہوا نہ ہو۔ اگر تیسرا حرف دیکھنے میں مضموم ہو اور واقع میں مکسور ہو تو اس کے اصلی کسرہ کا اعتبار ہوگا جیسے اِمْشُوْا ہے اس میں شین پر ضمہ غیر لازمی ہے کیونکہ یہ اصل میں اِمْشِیُوْا تھا تعلیل صرفی کی وجہ سے اِمْشُوْا ہو گیا لہٰذا شین کے ضمہ کو نہ دیکھیں گے بلکہ اس کے کسرہ اصلیہ کی وجہ سے اول میں ہمزہ مکسور ہی آئے گا اور یہی بات اِيْتُوْا میں ہے ان مثالوں سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ فعل کے جس تیسرے حرف کی حرکت دیکھی جائے گی وہ حرف بشمول ہمزہ تیسرا حرف ہوگا' یہ نہیں کہ ہمزہ وصل کے علاوہ تیسرا ہو' اور اگر فعل کا تیسرا حرف مکسور یا مفتوح ہو تو اس کے اول میں ہمزہ مکسورہ لا کر ابتداء کریں گے جیسے اِنْطَلِقُوْا اور اِصْبِرُوْا اور اِصْلَوْهَا اور اِفْتَحْ بَيْنَنَا اور اِسْتَجِيْبُوْا اور اِعْلَمُوْا اور اِقْرَأْ وغیرہ۔

اور اِتَّقُوْا میں جو ہمزہ وصل مکسور ہے (حالانکہ تیسرا حرف مضموم ہے) اس کی وجہ یہ ہے کہ قاف

کا ضمہ غیر لازمی ہونے کی وجہ سے ضمہ کا اعتبار نہیں کیا گیا بلکہ قاف پر جو کسرہ تھا اس کا اعتبار کر کے ہمزہ مکسور لایا گیا اِتَّقُوْا اصل میں اِتَّقِيُوْا بروزن اِجْتَنِبُوْا تھا تعلیل صرفی کی وجہ سے یاء حذف ہوگئی اور اس کا ضمہ قاف کو دے دیا گیا۔ اور اُغْزِيْ میں ہمزہ مضموم لایا گیا کیونکہ زاء کا کسرہ غیر لازمی ہے اصل میں اس پر ضمہ تھا تعلیل صرفی کی وجہ سے کسرہ آ گیا۔ لیکن یہ مثال قرآن شریف میں نہیں ہے اُغْزِيْ بروزی اُنْصُرِيْ، اُغْزُوِيْ تھا تعلیل کی وجہ سے اُغْزِيْ ہوگیا۔

ثلاثی مجرد کے ابواب میں صرف امر حاضر معروف کے صیغوں کے شروع میں ہمزہ وصلی آتا ہے، جو حسب تفصیل بالا مضموم یا مکسور ہوتا ہے اور ان ابواب کی ماضی و مضارع میں ہمزہ وصلی نہیں آتا ہے اور ثلاثی مزید فیہ کے جن ابواب کے مصادر اور ماضی معروف اور ماضی مجہول اور امر حاضر معروف کے جملہ صیغوں میں ہمزہ وصلی آتا ہے وہ نو ابواب ہیں (۱) اِفْتِعَالٌ (۲) اِسْتِفْعَالٌ (۳) اِنْفِعَالٌ (۴) اِفْعِلَالٌ (۵) اِفْعِيْلَالٌ (۶) اِفْعِيْعَالٌ (۷) اِفْعِوَّالٌ (۸) اِفَّعُّلٌ (۹) اِفَّاعُلٌ (اِفَّعُّلٌ اور اِفَّاعُلٌ مستقل ابواب نہیں ہیں بلکہ تَفَعُّلٌ اور تَفَاعُلٌ کی تاء کو فاء سے بدل کر ادغام کر دیا اور شروع میں ہمزہ وصل لے آتے ہیں) ان میں سے نہ تو سب ابواب قرآن شریف میں آئے ہیں اور نہ یہ بات ہے کہ جو باب ان میں سے قرآن شریف میں آیا ہو وہ ہمزہ وصلیہ والے صیغہ ہی کی صورت میں آیا ہو۔ تاہم ثلاثی مزید فیہ کے ہمزہ وصلی والے جو کلمات قرآن مجید میں پائے جاتے ہیں ان میں سے بعض ذیل میں درج ہیں۔

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ اور وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ اور فَاِذَا الَّذِيْ اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ يَسْتَصْرِخُهٗ اور اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ اور اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ اور فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ اور اِذِ انْبَعَثَ اَشْقٰهَا اور ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا۔ اور فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اور فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اور وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا اور اِثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ اور بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ۔

ثلاثی مزید فیہ کے ہمزہ وصلی والے مصادر جو قرآن مجید میں پائے جاتے ہیں ان میں سے چند یہ

ہیں اِخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ۔ اور وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرَاهِيمَ اور اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ اور اِسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ اور ذُوانْتِقَامٍ۔

ثلاثی مزید فیہ کے ابواب میں باب افعال بھی ہے اس کے مصدر میں اور ماضی معروف و مجہول اور امر حاضر میں جو ہمزہ آتا ہے وہ ہمزہ قطعی ہوتا ہے۔ چند مثالیں یہ ہیں۔ اُنَبِّئُكُمْ اور اُوْحِيَ اور اَنْبِئُوْنِيْ اور اَنْزَلْنَا اور بِمَا اُنْزِلَ اور اَلْقِيَا فِي جَهَنَّمَ اور اَكْبَرْنَهٗ اور اَنْزِلْ عَلَيْنَا اور اَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا اور اَتَّخَذْتُمُوْهُمْ اور اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ وغیرہ۔

ثلاثی مزید فیہ کے ہمزہ وصلی والے ابواب کے علاوہ رباعی مزید فیہ اور ثلاثی مزید فیہ ملحق برباعی کے چند ابواب کے مصادر اور ماضی (معروف و مجہول) اور امر حاضر کے صیغوں میں بھی ہمزہ وصلی آتا ہے وہ ابواب یہ ہیں۔

اِفْعِنْلَالٌ (اِبْرِنْشَاقٌ) اِفْعِلَّالٌ (اِقْشِعْرَارٌ) اِفْعِنْلَالٌ (اِقْعِنْسَاسٌ) اِفْعِنْلَاءُ (اِسْلِنْقَاءٌ) ان چار بابوں میں اول کے دو باب رباعی مزید فیہ کے ہیں۔ اور آخر کے دو باب ثلاثی مزید فیہ ملحق برباعی کے ہیں اور ان چاروں میں سے صرف ایک باب یعنی اِفْعِلَّالٌ قرآن شریف میں آیا ہے قال اللہ تعالیٰ شانہٗ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اور اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ۔

اسماء کا ہمزہ وصلیہ:

اسماء کا ہمزہ وصلیہ سماعی بھی ہوتا ہے اور قیاسی بھی۔

قیاسی کی دو قسمیں ہیں

(اول) اَلْ تعریفی کا ہمزہ جو ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے۔ اسی کو مصنفؒ نے وَفِي الْاَسْمَاءِ غَيْرَ اللَّامِ کہہ کر بتایا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اسماء پر جو اَلْ تعریفی داخل ہوتا ہے اس کا ہمزہ بھی وصلی ہوتا ہے جو وصل میں گر جاتا ہے اور ابتداء میں مفتوح رہتا ہے جیسے اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ اور وَالَّيْلِ اور وَالشَّمْسِ اور بِهٰذَا الْبَلَدِ (یہ ہمزہ گرنے کی مثالیں ہیں) اور اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ اور اَلرَّحْمٰنُ اور اَلنَّارُ اور اَلشَّمْسُ وغیرہ (یہ ابتداء میں ہمزہ باقی رہنے کی مثالیں ہیں)

(دوم) ثلاثی مزید فیہ اور رباعی مزید فیہ کے مصادر معینہ ومخصوصہ کا ہمزہ یہ بھی ہمزہ وصلیہ قیاسی ہے جو ہمیشہ مکسور ہوتا ہے ان ابواب کی تعیین ہم افعال کے ہمزہ وصل کے بیان میں کر چکے ہیں اور مثالیں بھی لکھ چکے ہیں۔

ہمزہ وصلیہ سماعیہ جن اسماء کے شروع میں آتا ہے ایسے اسماء معدود چند ہیں جن میں سے سات اسماء کا ذکر مصنفؒ نے شعر (۱۰۳) میں کیا ہے اور یہ سات اسماء وہ ہیں جو قرآن شریف میں وارد ہوئے ہیں۔

(اول) اِبْنٌ جیسے عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اور اِنَّ ابْنَكَ اور اِنَّ ابْنِىْ مِنْ اَهْلِىْ اور وَاِذْ قَالَ لُقْمَانَ لِابْنِهٖ وغیرہ۔

(دوم) اِبْنَتٌ جیسے وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِىْ۔

(سوم) اِثْنَانِ (جملہ تغیرات کی صورت میں) جیسے لَا تَتَّخِذُوْا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اور مِنْهُمُ اثْنَىْ عَشَرَ نَقِيْبًا اور اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا۔

(چہارم) اِثْنَتَانِ جیسے فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا۔

(پنجم) اِمْرُؤٌ جیسے اِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ۔

(ششم) اِمْرَءَةٌ جیسے اِمْرَءَتُ الْعَزِيْزُ اور اِمْرَءَتَ نُوْحٍ اور اِلَّا امْرَءَتَكَ اور لِامْرَاَتِهٖ وغیرہ۔

کلام عرب میں کبھی کبھی ان دونوں کلمات کا ہمزہ حذف کر کے مَرْءٌ اور مَرْاَةٌ بھی کہا جاتا ہے۔

(ہفتم) اِسْمٌ جیسے اِقْرَءْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِىْ خَلَقَ اور بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ۔

ان سات کے علاوہ جو دیگر اسما (ہمزہ وصلی والے) کلام عرب میں پائے جاتے ہیں ان میں سے ایک اَيْمٌ اور ایک اِسْتٌ اور ایک اِبْنَمٌ ہے لیکن آخر الذکر کوئی علیحدہ کلمہ نہیں ہے اِبْنٌ میں میم کا اضافہ کر دیا گیا۔

جن اسماء کا ہمزہ وصلیہ سماعی ہے وہ ہر حال میں مکسور ہوتا ہے خواہ تیسرے حرف پر کوئی بھی حرکت

ہو۔ تیسرے حرف کی حرکت صرف ماضی اور امر حاضر معروف ہی میں دیکھی جائے گی۔

﴿خلاصہ بحث﴾ (۱) افعال میں ہمزہ وصل مفتوح نہیں ہوتا (۲) ثلاثی مجرد اور رباعی مجرد کی ماضی (معروف ومجہول) میں ہمزہ وصلی نہیں آتا۔ (۳) کسی بھی مضارع میں (خواہ کسی باب سے ہو اور خواہ کوئی صیغہ ہو اور خواہ معروف ہو یا مجہول ہو) ہمزہ وصل نہیں آتا (۴) ثلاثی مجرد کے جملہ ابواب کے امر حاضر معروف کے تمام صیغوں میں ہمزہ وصل آتا ہے جو حسب قاعدہ مکسور یا مضموم ہوتا ہے مفتوح نہیں ہوتا۔ (۵) ثلاثی مزید فیہ اور رباعی مزید فیہ کے جن مصادر میں ہمزہ وصل آتا ہے ان کا ہمزہ وصل ہمیشہ مکسور ہوتا ہے۔ (۶) ان ابواب کی ماضی (معروف ومجہول) اور امر حاضر معروف میں بھی ہمزہ وصل آتا ہے لیکن ان کی ماضی مجہول کا ہمزہ وصل مضموم اور ماضی معروف اور امر حاضر معروف کا ہمزہ وصل مکسور ہوتا ہے (۷) اَلْ تعریفی کا ہمزہ ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے۔ (۸) ثلاثی مزید فیہ اور رباعی مزید فیہ کے جو مصادر ہمزہ وصل کے ساتھ آتے ہیں ان کی ماضی مجہول اور ثلاثی مجرد کے امر حاضر معروف کے صیغوں کے علاوہ کوئی ہمزہ وصل مضموم نہیں ہوتا اور ثلاثی مجرد کے امر کے صیغوں میں ہمزہ وصل مضموم آنے کی وہی شرط ہے کہ تیسرا کلمہ مضموم بضم لازمی ہو۔ (۹) باب افعال کا کوئی ہمزہ وصلیہ نہیں ہوتا خواہ مصدر میں ہو خواہ ماضی میں خواہ امر حاضر میں جیسے اِکْرَامٌ اور اُکْرِمَ (ماضی مجہول) اور اَکْرِمْ (امر حاضر معروف) نیز افعال تعجب کے دونوں صیغوں کا ہمزہ قطعی ہے جیسے فَمَا اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ اور اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ۔ (۱۰) جن اسماء کا ہمزہ وصلی سماعی ہے ان کا ہمزہ ہمیشہ مکسور ہی ہوتا ہے جیسے اِبْنٌ، اِسْمٌ وغیرہ۔

﴿فوائد ضروریہ﴾

(۱) لفظ اَللّٰهُ اور لفظ اَللّٰهُمَّ کا ہمزہ بھی اَلْ تعریفی کے حکم میں ہے جو ابتداء میں مفتوح رہتا ہے جیسے اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ اور اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور وصل میں گر جاتا ہے جیسے قَالَ اللّٰهُ۔ قَالُوا اللّٰهُمَّ اور قُلِ اللّٰهُمَّ اور يَا اَللّٰهُ میں ہمیشہ ہمزہ قطعی ہوتا ہے اور یہ خلاف قیاس ہے۔

(۲) اسمائے موصولہ کے اول میں جو اَلْ ہے اس کا ہمزہ بھی وصلی ہے جو ابتداء میں مفتوح رہتا ہے

اور وصل میں گر جاتا ہے جیسے اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ (یہ مثال ابتداء میں باقی رہنے کی ہے) اور وَالَّذَانِ يَاْتِيَانِهَا اور وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْكُمْ اور وَالّٰئِيْ يَئِسْنَ اور اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ (یہ مثالیں وصل میں گر جانے کی ہیں)

(۳) ہمزہ قطعیہ بحرکات ثلاثہ یعنی مفتوح اور مکسور اور مضموم آتا ہے اور اسماء و افعال اور حرف (ہر سہ اقسام کلمہ) میں آتا ہے جیسے اٰدَمُ۔ اِبْرَاهِيْمُ۔ اُجَاجٌ اور اَنْزَلَ۔ اُنْزِلَ اور اَمْ بِهٖ اور اِنَّا اِلَيْكُمْ۔

(۴) فعل کے تیسرے حرف پر فتحہ ہونے کی صورت میں مناسب تو یہی تھا کہ اس کی حرکت کے مطابق ہمزہ وصل بھی اس کے اول میں مفتوح ہوتا جیسا کہ کسرہ ہونے کی صورت میں مکسور ہوتا ہے لیکن ایسا اس لئے نہیں کیا گیا کہ ہمزہ قطعی مفتوح بھی ہوتا ہے پس اگر ہمزہ وصل کو بھی مفتوح رکھا جاتا تو بہت سے صیغوں میں التباس ہو جاتا۔ مثلاً اِعْلَمْ (صیغہ امر) کو اگر اَعْلَمْ پڑھا جاتا تو صیغہ واحد متکلم مضارع مجزوم کے صیغہ سے التباس ہو جاتا۔

(۵) اس میں اختلاف ہے کہ حرف تعریف صرف لام ہے یا ہمزہ اور لام دونوں کا مجموعہ ہے یا صرف ہمزہ ہے۔ شرح جامی میں تینوں قول نقل کئے ہیں۔ اکثر نحویوں کی رائے یہ ہے کہ حرف تعریف صرف لام ہے اور ہمزہ حرف زائد ہے صاحب کافیہ بھی اسی طرف ہیں اور مصنفؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے اسی لئے غَيْرَ اللَّامِ کہا اور غَيْرَ اَلْ نہیں کہا۔

﴿قولہ﴾ وَفِي الْاَسْمَاءِ غَيْرَ اللَّامِ كَسْرُهَا وَفِيْ۔ اس میں ھا ضمیر مجرور ہمزہ کی طرف راجع ہے اور ترکیب میں كَسْرُهَا مبتداء ہے اور وَفِيْ اس کی خبر ہے جو وَفٰى يَفِيْ سے فعیل کے وزن پر صفت کا صیغہ ہے اور ضرورت شعری کی وجہ سے مخفف کر دیا گیا ہے اور غَيْرَ اللَّامِ استثناء منقطع ہے اَلْاَسْمَاءِ سے اور اِبْنٌ بدل یا عطف بیان ہے اَلْاَسْمَاءِ کا مصنفؒ کے کلام سے واضح طور پر اَلْ تعریفی کے ہمزہ کا مفتوح ہونا معلوم نہیں ہوا اور نہ ثلاثی مزید فیہ اور رباعی مزید کے مصادر کے ہمزہ کی حرکت کا حکم معلوم ہوا۔ اللهم الا ان يقال انها داخلة في عموم قوله الاسماء غير اللام۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

بَابُ الرَّوْمِ وَالْإِشْمَامِ

روم اور اشمام کا بیان

کیفیت وقف کے اعتبار سے وقف کی چند قسمیں ہیں جن کو ہم وقف کے بیان میں لکھ چکے ہیں ان ہی اقسام میں سے وقف بالروم اور وقف بالاشمام بھی ہے یہاں مصنفؒ ان ہی دو قسموں کو بیان فرمار ہے ہیں جو دو شعروں میں مذکور ہیں۔

104 وَحَاذِرِ الْوَقْفَ بِكُلِّ الْحَرَكَهْ
اِلَّا اِذَا رُمْتَ فَبَعْضُ الْحَرَكَهْ

﴿ت﴾ "اور تو پرہیز کر پوری حرکت کے ساتھ وقف کرنے سے مگر جب کہ تو روم (کے ساتھ وقف) کرے تو حرکت کا کچھ حصہ ادا ہوگا۔

105 اِلَّا بِفَتْحٍ اَوْ بِنَصْبٍ وَّاَشِمْ
اِشَارَةً بِالضَّمِّ فِيْ رَفْعٍ وَّضَمْ

﴿ت﴾ "مگر یہ کہ فتح اور نصب ہو (یعنی ان دونوں صورتوں میں وقف بالروم نہ ہوگا) اور ہونٹوں کو ملانے کے ذریعے حرکت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تو رفع اور ضمہ میں اشمام کر۔"

﴿تشریح﴾ اول تو مصنفؒ نے یہ بتایا ہے کہ پوری حرکت کے ساتھ وقف کرنے سے پرہیز کرو یعنی جہاں وقف بالاسکان ہو وہاں لفظ موقوف علیہ کو ساکن کر کے وقف کرو اور ایسا نہ کرو کہ حرکت باقی رکھتے ہوئے سانس توڑ دو۔ اور جس جگہ قاعدہ کے مطابق روم ہو سکتا ہو (جس میں تہائی حرکت ادا کی جاتی ہے) وہاں وقف بالروم کر سکتے ہیں پوری حرکت کو باقی رکھتے ہوئے وقف کرنا وہاں بھی درست نہیں ہے جیسا کہ بہت سے کم علم قاری ایسا کر گزرتے ہیں۔

﴿روم﴾ لغت میں ارادہ کرنے کو کہتے ہیں اور اصطلاح قراء میں روم کا مطلب یہ ہے کہ لفظ

موقوف علیہ پر اس طرح وقف کیا جائے کہ اس کے آخری حرف کی دو تہائی حرکت ختم ہو جائے اور ایک تہائی حرکت باقی رہ جائے اسی کو مصنفؒ نے اس طرح ذکر فرمایا ہے اِلَّا اِذَا رُمْتَ فَبَعْضُ الْحَرَكَةِ بعض حرکت سے ثلث حرکت یعنی تہائی حرکت مراد ہے لیکن روم منصوب اور مفتوح کلمہ پر نہیں ہوتا مرفوع ومضموم اور مجرور ومکسور پر ہوتا ہے۔ اسی کو مصنفؒ نے اِلَّا بِفَتْحٍ اَوْ بِنَصْبٍ کہہ کر بیان کیا ہے۔ روم کی ادائیگی کا احساس اسی شخص کو ہو سکتا ہے جو خوب توجہ سے سن رہا ہو۔ بہرا آدمی اور وہ شخص جو بے توجہی سے سن رہا ہو روم کو معلوم نہیں کر سکتا۔

﴿اختلاس﴾ اس میں بھی حرکت کا بعض حصہ ادا کیا جاتا ہے لیکن روم واختلاس میں تین طرح سے فرق ہے۔

اول: یہ کہ روم فتحہ اور نصب میں نہیں ہوتا اور اختلاس حرکات ثلثہ یعنی تینوں حرکتوں میں ہوتا ہے۔

دوم: یہ کہ روم وقف میں ہوتا ہے وصل میں نہیں ہوتا اور اختلاس ہمیشہ وصل ہی میں ہوتا ہے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ محل وقف یعنی کلمہ کے آخری حرف ہی پر اختلاس ہو بلکہ کلمہ کے درمیان میں بھی اختلاس ہوتا ہے۔

سوم: یہ کہ روم میں حرکت کا زیادہ حصہ چلا جاتا ہے اور اختلاس میں حرکت کا زیادہ حصہ باقی رہ جاتا ہے۔

﴿اشمام﴾ شَمَّ يَشُمُّ سے باب افعال کا مصدر ہے جس کا لغوی معنی سونگھانے کا ہے اور اصطلاح قراء میں کیفیت وقف کے بیان میں جس اشمام کا ذکر آتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ضمہ اور رفع والے حرف کو ساکن کر کے فوراً ہی دونوں ہونٹوں کو ملانے کے قریب کر دیں اور ذرا سی چونچ بنا کر پیش کی طرف اشارہ کریں۔ مثلاً نَسْتَعِيْنُ پر وقف بالاشمام کرنا ہو تو نون ساکن کر کے ہونٹوں کی چونچ اس طرح بنا دو جیسی لفظ بُيُوْتٍ کی یاء کا ضمہ ادا کرتے وقت بن جاتی ہے اس طرح چونچ بنانے سے ضمہ کی طرف اشارہ ہو جائے گا۔

قال الشيخ زكريا شارح المقدمة حقيقة الاشمام ان يضم الشفتين بعد الاسكان اشارة الى الضم و تدع بينهما بعض انفراج ليخرج

النفس فيراهما المخاطب مضمومتين الى اخر ما قال۔

اس کو اشمام اس لئے کہتے ہیں کہ اس طرح وقف کرتے ہوئے حرف ساکن کو حرکت کی بو سونگھا دی جاتی ہے کیونکہ جس عضو سے وہ حرکت ادا ہوتی ہے (یعنی ہونٹ) اس کو ادائیگی کے لئے تیار کر کے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ قالہ الشیخ زکریا وعلی القاری رحمہما اللہ تعالیٰ۔ اشمام کا نابینا کو پتہ نہیں چل سکتا جو قاری کے پاس بیٹھا سن رہا ہو کیونکہ یہ آنکھوں سے دیکھنے پر موقوف ہے۔

﴿روم واشمام کا فائدہ﴾ یہ ہے کہ ان سے حرکت موقوف علیہا کا پتہ چل جاتا ہے کیونکہ دیکھنے والے کو قاری کے اشمام کرنے سے پتہ چل جاتا ہے کہ لفظ موقوف علیہ کے آخری حرف پر ضمہ تھا جسے ساکن کیا گیا ہے اور وقف بالروم سے سننے والے کو لفظ موقوف علیہ کی حرکت کا پتہ چل جاتا ہے کہ کسرہ ہے یا ضمہ ہے کیونکہ تہائی حرکت ادا ہوگی تو وہ پوری حرکت پر دلالت ہو جائے گی۔

روم اجماعاً رفع اور ضمہ اور جر وکسرہ ہی میں ہوتا ہے نصب اور فتح میں نہیں ہوتا اور اشمام صرف رفع اور ضمہ میں درست ہے۔ نصب وفتح اور جر وکسرہ میں درست نہیں اور چونکہ اشمام میں حرف موقوف علیہ بالکلیہ ساکن ہوتا ہے اس لئے اس پر ساکن کے احکام جاری ہوتے ہیں پس راء مضمومہ پر اگر وقف بالاشمام ہو اور اس سے پہلے کسرہ ہو تو وہ مرقق ہوتی ہے جیسا کہ اس صورت میں وقف بالاسکان کرنے سے ترقیق سے پڑھتے ہیں اور جس حرف پر وقف بالروم ہو اس پر حرف متحرک کے احکام جاری ہوتے ہیں لہٰذا اگر راء مضمومہ پر وقف بالروم کریں گے تو مفخم پڑھیں گے اس سے پہلے حرف کی حرکت کو نہ دیکھیں گے اور اگر حرف مضموم پر وقف بالاسکان کریں گے تو ماقبل کی حرکت دیکھ کر تفخیم یا ترقیق ہوگی۔

مصنفؒ نے روم اور اشمام کے بیان میں حرکت کے دو نام ذکر کئے ہیں اولاً فتح اور نصب کو روم سے مستثنیٰ کیا ہے اور ثانیاً اشمام کو رفع اور ضمہ کے ساتھ مقید کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نحویوں کی اصطلاح میں مبنی کی حرکات کو فتح اور کسرہ اور ضمہ کہتے ہیں اور معرب کی حرکات کو رفع' نصب' جر کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ قاریوں کے نزدیک روم واشمام کے جائز ناجائز ہونے میں حرکات اعرابیہ اور حرکات بنائیہ کا ایک ہی حکم ہے اشمام جس طرح رفع میں جائز ہے جو معرب کی حرکت کا نام ہے اس طرح ضمہ میں بھی جائز ہے جو مبنی کی حرکت کا نام ہے اور روم جس طرح نصب میں ناجائز ہے (جو معرب کی حرکت کا نام ہے)

اسی طرح فتح میں بھی جائز نہیں (جو مبنی کی حرکت کا نام ہے) اگر مصنفؒ ایک ہی حرکت کا نام لیتے تو یہ شبہ ہونا ممکن تھا کہ شاید دوسری حرکات کا حکم دوسرا ہو۔

ملا علی قاریؒ نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ **حیث قال والمغائرة بين انواع الاعراب لافادة عموم الحكم بين الحركات البنائية ' الى اخر ما قال۔**

بہر حال فتح ونصب سے زبر اور رفع وضم سے پیش مراد ہے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیے کہ جو کلمہ مبنی بر فتح ہو مگر نحویوں کے نزدیک فاعل یا مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع کہا جاتا ہو اس میں روم جائز ہوگا اور اشمام درست ہوگا۔ خوب سمجھ لو۔

﴿فائدہ﴾ حرکت عارضہ پر روم واشمام کے ساتھ وقف نہیں ہوتا اور جو تاء تانیث بصورت ہاء (یعنی گول تاء) لکھی ہو اس پر بھی روم واشمام کے ساتھ وقف نہیں ہوتا جیسے **رَحْمَةٌ** اور **نِعْمَةٌ** وغیرہ۔ اور جو تائے تانیث دراز تاء کی صورت میں لکھی ہو اس پر ان حضرات کے نزدیک وقف بالروم اور وقف بالاشمام درست ہے جو وقف بالتاء کرتے ہیں اور جو حضرات وقف بالہاء کرتے ہیں ان کے نزدیک اس پر وقف بالسکون ہوگا۔ اور جو ہاء اصلی ہو یعنی تاء سے بدلی ہوئی نہ ہو اس پر حسب قاعدہ روم واشمام دونوں درست ہیں اور وقف بالاسکان بھی جیسے **نَفْقَهُ** کی ہاء پر تینوں طرح وقف درست ہے۔ اور **هٰذِهٖ** کی ہاء پر وقف بالاسکان اور بالروم دونوں درست ہیں۔

اور وہ میم جمع جو ساکن پڑھی جائے جیسے **اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ** اس پر روم واشمام سے وقف نہ ہوگا کیونکہ روم واشمام حرف متحرک پر وقف کرتے وقت ہوسکتا ہے نہ کہ ساکن پر۔ نیز جس میم جمع پر عارضی حرکت آ گئی ہو اس پر بھی روم نہ ہوگا جیسے **اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ** وغیرہ

اور جو میم جمع صلہ کے ساتھ پڑھی جائے علامہ دانیؒ اور علامہ شاطبیؒ کے نزدیک اس پر روم واشمام نہیں ہے اور مکیؒ صاحب فرماتے ہیں کہ روم واشمام ہوسکتا ہے اور ہائے ضمیر واحد مذکر کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس سے پہلے فتح یا الف ہوگا تو روم کے ساتھ وقف ہوسکتا ہے جیسے **لَهٗ** اور **نَادَيْنَاهُ** وغیرہ۔

اور اگر ہائے ضمیر سے پہلے ضمہ یا کسرہ یا واؤ ہو یا یاء ہو جیسے **لَا نُخْلِفُهٗ** اور **بِمُزَحْزِحِهٖ** اور **عَقَلُوْهُ** اور **لَا يَاْتِيْهِ** تو ایسی ہاء پر روم واشمام کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں اختلاف ہے۔

(من شرح الشیخ زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ)

﴿فائدہ ثانیہ﴾ تنوین والے کلمہ پر بھی حسب قاعدہ روم واشمام ہوتا ہے لیکن تنوین حذف ہو جاتی ہے نیز ہائے ضمیر کا صلہ بھی روم میں حذف ہو جاتا ہے۔

خَاتِمَةُ الْكِتَابِ

خاتمہ المتن

106 وَقَدْ تَقَضّٰى نَظْمِيَ الْمُقَدِّمَهْ
مِنِّيْ لِقَارِئِ الْقُرْاٰنِ تَقْدِمَهْ

﴿ت﴾ ''اور تحقیق مقدمہ کو میرا نظم کرنا پورا ہوگیا (یہ مقدمہ) میری طرف سے قرآن پڑھنے والے کے لئے ایک تحفہ ہے۔

107 وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ لَهَا خِتَامُ
ثُمَّ الصَّلٰوةُ بَعْدُ وَالسَّلَامُ

﴿ت﴾ ''اور الحمد للہ اس مقدمہ کے لئے مہر ہے پھر صلوٰۃ اور اس کے بعد سلام (پھر مہر ہے)''

﴿تشریح﴾ یعنی میں جو مقدمہ کو نظم کرنے کا کام کر رہا تھا وہ پورا ہوگیا۔ یہ مقدمہ قرآن مجید کے پڑھنے والوں کے لئے میری جانب سے ایک تحفہ ہے۔ حضرت ملا علی قاری ؒ فرماتے ہیں کہ صحاح میں تَقَضّٰى بمعنی اِنْقَضٰى آیا ہے البتہ دونوں کا باب علیحدہ علیحدہ ہے۔ تَقَضّٰى باب تفعل سے ہے جو تکلف پر دال ہے لیکن یہاں یہ دلالت مقصود نہیں ہے محض ختم ہونا مراد ہے۔ تَقْدِمَهْ اور مُقَدِّمَهْ میں صنعت جناس ہے اور قَارِئِ الْقُرْاٰنِ سے جنس قاری مراد ہے اگر مفرد کا صیغہ مانا جائے اور جمع کا صیغہ بھی لیا جا سکتا ہے اس صورت میں نون جمع بوجہ اضافت محذوف مانا جائے گا۔

تَقْدِمَهْ خبر ہے مبتدا مقدر کی اور مِنِّيْ محذوف سے متعلق ہو کر اس کی صفت ہے ای هِيَ

تَقْدِمَةِ كَائِنَةِ مِنِّیْ لِقَارِئِ الْقُرْاٰنِ۔ شارح یمنی فرماتے ہیں کہ تَقْدِمَهُ حال ہے اس صورت میں مِنِّیْ متعلق ہوگا تَقْدِمَةٌ سے۔ ای اِنْقَضٰی نَظْمُ الْمُقَدِّمَةِ حَالَ كَوْنِهَا تَقْدِمَةٌ مِنِّیْ لِمَنْ يَّقْرَءُ الْقُرْاٰنُ۔

(108) عَلَى النَّبِيِّ الْمُصْطَفٰى وَ اٰلِهٖ
وَصَحْبِهٖ وَتَابِعِیْ مِنْوَالِهٖ

﴿ت﴾ ”(وہ صلوٰۃ وسلام جو) برگزیدہ نبی پر اور آپ ﷺ کی آل واصحابؓ پر اور آپ ﷺ کے طریق کا اتباع کرنے والوں پر نازل ہوں۔“

وَفِیْ نسخة

عَلَى النَّبِيِّ الْمُصْطَفَى الْمُخْتَارِ
وَاٰلِهٖ وَصَحْبِهِ الْاَطْهَارِ

(اور دوسرے نسخہ کے مطابق شعر نمبر ۱۰۸ کا ترجمہ یوں ہے)

﴿ت﴾ ”برگزیدہ نبی پر جو چنے ہوئے ہیں اور آپ ﷺ کی آل پر اور پاکیزہ اصحابؓ پر۔“

﴿تشریح﴾ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور درود وسلام اس مقدمہ کی مہر ہے یعنی مقدمہ کو ختم کر کے ان چیزوں کی مہر لگا دیتا ہوں اس کی ابتداء بھی حمد وصلوٰۃ سے تھی اور ختم بھی حمد وصلوٰۃ پر کر رہا ہوں۔

خِتَامْ: اصل میں اس مٹی کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ برتن پر حفاظت کے لئے مہر لگائی جاتی ہے۔ پھر یہ لفظ مہر اور آخر کے معنی میں مستعمل ہونے لگا یہاں دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں۔

بعض نسخوں میں شعر نمبر (۱۰۸) کا مصرع اول اس طرح ہے عَلَى النَّبِيِّ اَحْمَدًا وَّاٰلِهٖ اور بعض نسخوں میں پورا شعر ہی دوسری طرح ہے جیسا کہ ہم نے متن میں علیحدہ نسخہ کر کے لکھ دیا ہے اور اس کا ترجمہ بھی درج کر چکے ہیں۔

یہاں مِنْوَالْ سے طریق مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر اور آپ ﷺ کے آل و

اصحاب پر اوران بزرگوں پر درود وسلام نازل ہوں جو آنحضرت ﷺ کے طریق کا اتباع کرنے والے ہیں اور آپ ﷺ کے احوال واقوال اور افعال کو اپنے لئے مشغل راہ بناتے ہیں خواہ گزر گئے ہوں یا آئندہ آنے والے ہوں کما فی التشہد السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین مقدمہ کا متن یہاں تمام ہوا' آگے دعائیہ واختتامیہ اشعار ہیں۔

109 أَبْيَاتُهَا قَافٌ وَّ زَايٌ فِي الْعَدَدْ
مَنْ يُّحْسِنِ التَّجْوِيْدَ يَظْفَرْ بِالرَّشَدْ

﴿ت﴾ ''اس مقدمہ کے اشعار گنتی میں ایک سو سات ہیں جو شخص تجوید کو عمدہ کرے گا وہ ہدایت کے ساتھ کامیاب ہوگا۔''

﴿تشریح﴾ یہ شعر ملا علی قاریؒ کی شرح میں نہیں ہے۔ شیخ زکریاؒ نے اس کو لیا تو ہے لیکن نہ اس کی شرح میں کوئی کلمہ لکھا نہ تعداد پر کوئی کلام کیا۔ مصنفؒ نے اس شعر میں اپنی کتاب کے اشعار کی تعداد بتائی ہے اور تعداد کی بجائے ابجد کے حساب سے دو حرف یعنی قاف اور زاء لکھ دیئے ہیں قاف کے سو اور زاء کے سات عدد ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ مقدمہ ایک سو سات اشعار پر مشتمل ہے۔

یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ يَقُوْلُ رَاجِيْ الخ سے لے کر آخری شعر تک یعنی أَبْيَاتُهَا تک کل اشعار ایک سو نو ہیں مصنف نے ایک سو سات کیونکر فرمایا؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ سب سے آخری اور سب سے اول شعر اصل مقصود سے زائد ہیں اس لیے شمار میں نہیں لئے گئے ہیں۔ اور ایک جواب یہ ہے کہ آخری دو شعر بعض نسخوں میں نہیں ہیں چنانچہ حضرت ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ بعض نسخوں میں عَلَى النَّبِيِّ الخ نہیں ہے اور انہوں نے أَبْيَاتُهَا الخ لیا ہی نہیں پھر انہوں نے ثُمَّ الصَّلٰوةُ بَعْدَ وَالسَّلَامُ کی تقریر اس طرح کی ہے کہ جس سے مابعد کی ضرورت لفظاً باقی نہ رہے اور جب شعر أَبْيَاتُهَا الخ ہی ختم ہو جائے تو اشکال بھی ختم ہو جائے گا کیونکہ اس شعر میں ہی تو ایک سو سات اشعار بنائے ہیں جب یہ شعر ہی نہیں تو یہ اشکال بھی نہیں ہے۔

''فافہم''

خاتمۃ الشرح

الحمد للہ بروز عاشوراء ۱۳۸۴ ہجری احقر اس شرح کی تسوید سے فارغ ہوا۔ خیال تو یہ تھا کہ یہ شرح صرف ایک ماہ میں ختم ہو جائے گی لیکن دیگر مشاغل کی وجہ سے دیر ہوتی چلی گئی اور ۱۳ ماہ خرچ ہو گئے۔

مقدمہ جزریہ میں اشعار کتنے ہیں؟ اس کا جواب تو ابھی اوپر مذکور ہوا لیکن عنوانات کتنے ہیں اس کو حل کرنا بھی مشکل ہے کیونکہ مقدمہ کے نسخے اس بارے میں مختلف ہیں کسی نسخہ میں کوئی عنوان ہی نہیں، شیخ زکریاؒ کے نسخہ میں اسی طرح ہے اور ملا علی قاریؒ کی شرح میں صرف چار عنوانات موجود ہیں (یعنی باب اللّامات۔ باب التحذیرات۔ باب حکم النون الساکنۃ والتنوین۔ باب المدات) اور ہندوستانی نسخوں میں بہت سے عنوانات پائے جاتے ہیں، ہم نے اپنے اساتذہ کرام (صاحب فوائد مرضیہ اور صاحب القلائد الجوہریہ) کا اتباع کرتے ہوئے حسب موقعہ و مقام متعدد عنوانات قائم کئے ہیں جو تعداد میں اٹھارہ ہیں اور ان کے بعد خاتمہ کا عنوان قائم کر کے کتاب ختم کر دی ہے۔ ہمارا غالب گمان یہی ہے کہ مصنفؒ نے کوئی عنوان قائم نہیں کیا بلکہ سہولت نظم کے اعتبار سے مضامین بیان کرتے چلے گئے اور ہمارے اس گمان کا باعث یہ ہے کہ درمیان کے جو مضامین ہیں ان میں کافی انتشار ہے کسی خاص عنوان کی لڑی میں ان کو پرونا بہت مشکل ہے گو "باب استعمال الحروف" کا عنوان قائم کر کے شعر نمبر (۳۴) سے لے کر نمبر (۴۰) تک سات اشعار کو ایک عنوان کے ذیل میں مرتبط کرنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن حق یہ ہے کہ اس طرح بھی ارتباط صحیح طور پر قائم نہیں ہوتا کیونکہ بعض حروف کی ترقیق پر تنبیہ کرتے کرتے مصنفؒ باء اور جیم کی شدت پر زور دینے لگتے ہیں اور اس کے بعد حروف مقلقلہ کی ادائیگی پر متنبہ کر کے پھر بعض حروف کی ترقیق کا ذکر شروع کر دیتے ہیں (دیکھو شعر ۳۷ تا ۴۰) پھر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ باء اور جیم کی شدت پر شعر نمبر (۳۷) اور (۳۸) میں تنبیہ کی اور درمیان میں راء اور لام کی تفخیم و ترقیق اور اطباق و استعلاء بیان کر کے شعر (۴۹) میں کاف اور تاء کی شدت کی رعایت کرنے کو فرمایا۔

شعر (۴۵) اور (۴۶) میں استعلاء اور اطباق کو بیان فرمادیا اور پھر ۴۷ میں جَعَلْنَا، ضَلَلْنَا کے سکون کی ادائیگی پر تنبیہ فرمادی اور نمبر (۴۸) میں انفتاح کو بیان فرمادیا حالانکہ انفتاح اطباق کے ساتھ بلا فصل مذکور ہونا چاہیے تھا اور ضاد وظاء کے بیان کے ختم پر جِبَاهُهُمْ اور عَلَيْهِم کی یاء کے ظاہر کرنے پر تنبیہ فرمادی حالانکہ یہاں اس کا جوڑ نہ تھا۔

ان امور کی بناء پر ہماری رائے یہی ہے کہ مصنفؒ نے عنوانات قائم نہیں کئے اور نہ ترتیب کے ذمہ دار

ہے بلکہ سہولت کے مطابق اشعار لکھتے چلے گئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مقدمہ جزریہ بحر رجز کا ایک ارجوزہ ہے جس کے دو مصرع میں چھ بار مُسْتَفْعِلُنْ دہرانے سے شعر پورا ہوجاتا ہے اس میں زحاف بھی بہت ہوا ہے جس کیوجہ سے مُسْتَفْعِلُنْ کی بجائے مَفَاعِلُنْ فُعُوْلُنْ مَفَاعِيْلُنْ اور مَسْفُعُوْلُنْ وغیرہ کے اوزان بھی پائے جاتے ہیں۔ آخری شعر میں کوئی زحاف نہیں اس میں چھ بار مُسْتَفْعِلُنْ ہے۔

اَبْيَاتُهَا	قَافٌ وَّزَا	یٌ فِي الْعَدَدْ
مُسْتَفْعِلُنْ	مُسْتَفْعِلُنْ	مُسْتَفْعِلُنْ
مَنْ يُّحْسِنِ	التَّجْوِيْدَ يَظْ	فَرْ بِالرَّشَدْ
مُسْتَفْعِلُنْ	مُسْتَفْعِلُنْ	مُسْتَفْعِلُنْ

اور مندرجہ ذیل شعر میں پانچ جگہ مُسْتَفْعِلُنْ اور ایک جگہ مُفَاعِلُنْ ہے۔

مِنْ كُلِّ مَقْطُوْعٍ وَّمَوْصُوْلٍ بِهَا وَتَاءِ اُنْثٰى لَمْ تَكُنْ تُكْتَبْ بِهَا

اور ذیل کے شعر میں تین جگہ مُسْتَفْعِلُنْ اور تین جگہ مُفَاعِلُنْ ہے

اِذْوَاجِبٌ عَلَيْهِمُ مُحَتَّمُ قَبْلَ الشُّرُوْعِ اَوَّلاً اَنْ يَّعْلَمُوْا

چونکہ علم عروض ایک مستقل فن ہے اس کو جاننے والے خود تقطیع کر سکتے ہیں اور جن کو اس علم سے مس نہیں وہ زیادہ لکھنے سے بھی نہ سمجھ سکیں گے اس لئے ہم اسی قدر پر بس کرتے ہیں۔

احقر کی سند:

اَلْاِسْنَادُ مِنَ الدِّيْنِ وَلَوْلَا الْاِسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَاءَ مَاشَاءَ۔

''سند دین کا جزو ہے اگر سند بیان کرنے کی پابندی نہ ہوتو جس کا جو جی چاہے کہہ دے۔''

احقر تھوڑا سا اپنا تعارف لکھتا ہے اور جن اساتذہ سے علم حاصل کیا ان کا ذکر بھی کرتا ہے احقر نے اپنے وطن بسی ضلع بلند شہر (یو۔پی) میں استاذ محترم الحاج الحافظ محمد صادق صاحب (پنجابی) ثم سنبھلیؒ سے قرآن مجید حفظ کیا پھر جناب قاری عبدالباری صاحب بگراسوی سے مدرسہ امدادیہ مرادآباد میں ابتدائی مشق کی۔ پھر دو تین سال کے بعد ۱۳۶۰ ہجری میں جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا۔ اس وقت عمر تقریباً ۱۷ سال تھی۔ تین سال تک جامعہ مظاہر علوم میں مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھتا رہا۔ اور ۱۳۶۳ ہجری میں دورۂ حدیث شریف بھی وہیں پڑھا۔ قرآءت وتجوید کی تحصیل کے لئے حضرت اقدس استاذ محترم مولانا الحافظ القاری المقری سید

محمد سلیمان الدیوبندیؒ شیخ التجوید والقرآءت جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کی خدمت میں مسلسل تین سال تک حاضر ہوتا رہا۔ زمانہ طالب علمی میں احقر نے خلاصۃ البیان کا عربی حاشیہ اور مقدمہ جزریہ کی اردو شرح لکھی تھی، یہ دونوں مسودے ضائع ہوگئے اب دوبارہ مقدمہ جزریہ کی شرح لکھنی پڑی جس زمانہ میں احقر حضرت الاستاذ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اس وقت آپ شاطبیہ کی اردو شرح لکھ رہے تھے احقر کو بھی اس کام میں شریک رکھتے تھے، احقر پر خاص شفقت تھی۔ احقر قاری اور مجود تو نہ بنا البتہ فن سے تھوڑی بہت مناسبت پیدا ہوگئی۔ حضرت الاستاذؒ نے نہ صرف پڑھنے پڑھانے اور اجازت دینے کی اجازت دی بلکہ قلمی سند جو احقر کو عنایت فرمائی اس میں **اجزته بان يقرء ويقرى في اى مكان حل ويدرس ويصنف في اى قطر نزل** لکھ کر تصنیف و تالیف کے ذریعہ بھی اس فن کی خدمت کرنے کی اجازت دی گو میں نا اہل ہی رہا۔ مگر حضرت الاستاذؒ کو احقر سے بہت حسن ظن تھا جو احقر کے لئے ذخیرہ آخرت ہے۔ **احب القارئين ولست منهم** کا مصداق ہوں۔ اللہ جل شانہ سے امید ہے کہ حضرات قراء کرام سلف و خلف کی برکات سے ضرور بہرہ ور فرمائیں گے **لعل الله يرزقني صلاحًا**۔

یہ شرح احقر نے حضرت الاستاذؒ کی حیات ہی میں لکھ لی تھی اور کچھ دکھائی بھی تھی مگر آپ نے اس کی طباعت سے قبل ہی ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۸۵ ہجری کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ **تغمده الله برحمته**۔ جو حضرات اس شرح سے مستفید ہوں وہ حضرت الاستاذ اور حضرت والد ماجد جناب صوفی محمد صدیق صاحب رحمۃ اللہ علیہما کے لئے رفع درجات کی ضرور دعا کریں۔ احقر ان دونوں بزرگوں کی توجہ سے یہ کتاب لکھنے کے قابل ہوا۔ اور احقر کو بھی دعاؤں میں فراموش نہ فرمائیں۔ اللہ جل شانہ حاملین قرآن اور عاملین بالقرآن کے زمرہ میں شامل فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

حضرت الاستاذؒ کی سند ملاحظہ فرمائیں۔

يقول العبد الحقير محمد عاشق الهى البرنى بن الشيخ الصوفى محمد صديق المرحوم انى اخذت التجويد و القراءة عن شيخ القراء والمجودين المقرى السيد محمد سليمان الديوبندى شيخ التجويد والقراءات بالجامعة العلية مظاهر العلوم بسهارنفور واخذ هو عن مقرى زمانه ومرجع اساتذة او انه الشيخ ضياء الدين الا له آبادى عن استاذ الاساتذة الشيخ عبدالرحمن المكي عن اخيه الشيخ المقرى عبدالله بن بشير خان الا له آبادى عن الشيخ ابراهيم سعد بن على عن الشيخ حسن بدير عن الشيخ محمد ن المتولى عن الشيخ السيد

احمد التهامی عن الشیخ احمد سلمونہ عن السید ابراھیم العبیدی عن الشیخ عبدالرحمن الاجھوری عن الشیخ احمد البقری عن الشیخ محمد ن البقری عن الشیخ عبدالرحمن الیمنی عن والدہ الشیخ شحاذۃ الیمنی عن الشیخ عبدالحق السنباطی والشیخ الناصر الطبلاوی کلاھما عن شیخ الاسلام زکریا الانصاری عن الشیخ رضوان العقبی عن الشیخ محمد ن النویری عن محرر الفن المحقق شمس الدین ابی الخیر الجزری عن الشیخ الامام محمد بن احمد بن علی بن الحسن بن اللبان الدمشقی (عن الشیخ اسمعیل بن ابراھیم الکردی البکاری عن محمد بن احمد بن عبدالخالق المعروف بالتقی الصائغ عن علی بن شجاع العباسی) صہر الشاطبی عن ابی القاسم بن فیرۃ الشاطبی عن الشیخ ابی الحسن علی بن ھذیل عن ابی داؤد سلیمان بن نجاح عن مرجع المقرئین صاحب التیسیر والمقنع وغیرھما ابی عمرو عثمان الدانی عن الشیخ ابی الحسن طاھر ابن غلبون المقری عن الشیخ ابی الحسن علی بن محمد ابن صالح الھاشمی عن الشیخ ابی العباس احمد بن سھیل الاشنانی عن الشیخ ابی محمد عبید بن الصباح عن صاحب الروایۃ الذی نصب الرایۃ الشیخ الاجل المقری ابی عمرو حفص بن سلیمان الاسدی الغاضری عن امام الائمۃ الشیخ الابجل ابی بکر عاصم ابن ابی النجود الکوفی عن الشیخ ابی مریم زر بن حبیش ن الاسدی السلمی و ابی عبدالرحمن عبداللّٰہ بن حبیب بن ربیعۃ السلمی الضریر کلاھما عن امیر المومنین ابی عبداللّٰہ عثمان بن عفان القرشی وامیرالمومنین ابی الحسن علی بن ابی طالب القرشی الھاشمی وعن صاحب الوسادۃ والمطھرۃ ابن ام عبد ابی عبدالرحمن عبداللّٰہ بن مسعود الھذلی رضی اللّٰہ عنھم وقرا عبداللّٰہ بن حبیب ن السلمی علی ابی بن کعب وزید بن ثابت رضی اللّٰہ عنھم ایضا و تلقی ھولاء عن مھبط الوحی الالھی سید الخلا ئق و خاتم الانبیاء و الرسل النبی الامی محمد بن عبداللّٰہ العربی الھاشمی المکی المدنی صلوت اللّٰہ وسلامہ علیہ عن الروح الامین سیدنا جبرئیل علیہ السلام عن اللوح المحفوظ عن رب العلمین عز اسمہ وجل مجدہ الذی انزل علی عبدہ الکتاب

ولم يجعل له عوجا ويسر حفظه وتلاوته على الامة المرحومة اخر الامم صلى الله صاحبها وبارك وسلم۔

﴿تکملہ﴾ مقدمہ جزریہ کی شرح ختم کرنے کے بعد خیال آیا کہ حضرت امام عاصمؒ اور ان کے دونوں راوی حضرت ابوبکر شعبہ اور حضرت حفص رحمہم اللہ تعالیٰ کے احوال بھی درج کئے جائیں چونکہ ہم سب حضرت عاصمؒ کی قراءت بروایت حفصؒ پڑھتے ہیں اس لئے ان دونوں حضرات کا تعارف کرانا تو ضروری ہی ہے لیکن ساتھ ہی استطراداً حضرت شعبہؒ کا ذکر بھی کر دیا تا کہ ایک قاری اور ان کے دو راویوں کا تذکرہ مکمل ہو جائے۔

نیز علامہ شاطبیؒ اور علامہ شمس الدین جزریؒ کا تعارف کرانا بھی ضروری ہوا کیونکہ حضرت حفصؒ کی روایت بطریق جزریؒ و شاطبیؒ ہم تک پہنچی ہے لہٰذا ان پانچ حضرات کا تذکرہ لکھتا ہوں اس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ کتاب ختم ہو جائے گی۔

حضرت امام عاصم الکوفی اور ان کے دو راوی

قال الامام الشاطبیؒ

فَــأَمَّــا أَبُـوْبَـكْـرٍ وَ عَـاصِـمٌ نِ اسْـمُـهُ ۔۔۔ فَشُـعْبَةُ رَاوِيْـــهِ الْـمُبَـرِّزُ أَفْـضَلَا

وَذَاكَ ابْـنُ عَيَّـاشٍ أَبُـوْبَـكْـرِ نِ الـرِّضَـى ۔۔۔ وَحَـفْـصٌ وَ بِـالْإِتْـقَـانِ كَـانَ مُـفَـضَّلَا

حضرت امام عاصمؒ

حضرت امام عاصمؒ کا نام نامی عاصم تھا اور کنیت ابوبکر تھی جیسا کہ حضرت امام شاطبی کے شعر بالا سے معلوم ہوا۔ ابوبکر کے علاوہ ان کو ابن بہدلہ اور ابن ابی النجود بھی کہا جاتا ہے۔ یہ بہدلہ کون تھے اور ابوالنجود کس کی کنیت تھی اس بارے میں واضح طور پر کوئی یقینی بات حضرات قراء یا محدثین کے کلام سے معلوم نہیں ہوتی۔ متفرق اقوال کتابوں میں ملتے ہیں۔

علامہ جزریؒ غایۃ النہایہ میں لکھتے ہیں:

ويقال ابو النجود اسم ابيه لا يعرف له اسم غير ذلك وبهدلة اسم امه وقيل اسم ابى النجود عبدالله یعنی بیان کیا جاتا ہے کہ ابوالنجود ان کے والد کا نام ہے اس کے علاوہ ان کا کوئی نام معروف نہیں ہے اور بہدلہ ان کی والدہ کا نام ہے اور بعض حضرات نے ابوالنجود کا نام عبداللہ بتایا ہے۔

حافظ ذہبیؒ نے معرفۃ القراء الکبار میں عاصم بن ابی النجود الاسدی کا عنوان قائم کر کے ان کا تذکرہ شروع

کیا ہے اور لکھا ہے کہ اسم ابیه بهدلة علی الصحیح یعنی صحیح قول کی بناء پر بہدلہ ان کے والد کا نام ہے پھر تقریباً ۱۵ سطروں کے بعد لکھا ہے کہ وقال ابو خیثمة وغیرہ اسم ابی النجود بهدلة وقال الفلاس اسم امه بهدلة۔ یعنی ابوخیثمہ وغیرہ کا قول ہے کہ ابوالنجود کا نام بہدلہ ہے اور فلاس کا قول ہے کہ ان کی والدہ کا نام بہدلہ ہے حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب میں امام احمد وغیرہ کا قول نقل کیا ہے کہ ابوالنجود اور بہدلہ ایک ہی شخصیت ہے اور ابوبکر بن ابی داؤد سے نقل کیا ہے کہ بہدلہ کو والدہ بتانا خطا ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

کوفہ میں حضرات قراء سبعہ میں سے تین قاری گزرے ہیں۔ حضرت امام شاطبیؒ نے سب سے پہلے ان میں سے حضرت امام عاصمؒ ہی کا تذکرہ کیا ہے۔ ملا علی قاریؒ نے اس تقدیم کی وجہ لکھتے ہوئے فرمایا ہے قدمه علی الکوفیین لعلو سنده یعنی کوفہ کے قراء کرام میں سب سے پہلے حضرت امام عاصمؒ کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ ان کی سند سب سے اعلیٰ ہے اس کے بعد لکھتے ہیں وکان اماماً فی الکتاب والسنة لغویا نحویا فقیها تابعیًا لحق الحارث بن حسانؓ وافد بنی بکر وکانت له صحبة وکان العاصم کثیر الصلوة یلازم الجامع یوم الجمعة حتی یصلی العصر وکان حسن الصوت غایةً وفی الفصاحة نهایة۔ یعنی حضرت امام عاصمؒ قرآن وحدیث کے امام تھے لغت، نحو، فقہ میں کمال رکھتے تھے تابعی تھے کیونکہ حضرت حارث بن حسانؓ سے ملاقات کی تھی جو بنو بکر کے وفد کے ساتھ بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے تھے۔ حضرت امام عاصمؒ بہت بڑے عابد بھی تھے نماز میں بہت زیادہ مشغول رہتے تھے جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر جامع مسجد ہی میں رہتے اور نماز عصر سے فارغ ہو کر نکلتے تھے آپ بے انتہا خوش آواز اور فصیح اللسان تھے۔

حافظ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت امام عاصم کے ذوق عبادت کا یہ عالم تھا کہ جب کسی ضرورت سے کہیں جاتے ہوئے راستہ میں مسجد پڑ جاتی تھی تو ساتھیوں سے کہتے کہ آؤ دو چار رکعت نفل نماز پڑھ لیں (کام کاج تو لگا ہی رہتا ہے) اگر یہاں ٹھہر کر نماز میں کچھ وقت لگ گیا تب بھی دنیا کا کام ہو ہی جائے گا۔

حضرت امام عاصمؒ تابعی تھے۔ حضرت حارث بن حسانؓ بکری اور حضرت رفاعہ تمیمیؓ سے آپ نے ملاقات کی تھی جیسا کہ حافظ ذہبیؒ اور شیخ جزریؒ نے ذکر کیا ہے۔ آپ قاری ومقری ہونے کے ساتھ ساتھ محدث بھی تھے۔ شیخ جزری نے لکھا ہے کہ ان کی روایات صحاح ستہ میں موجود ہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے ان کے بارے میں فرمایا رَجُلٌ صَالِحٌ خَیْرٌ ثِقَةٌ یعنی عاصمؒ مرد صالح اور بہترین آدمی اور ثقہ ہیں۔ نیز امام المحدثین حضرت ابوزرعہؒ نے بھی ان کی توثیق کی ہے ایسے جلیل القدر

حضرات کی شخصیت کو کسی کی توثیق کی محتاج نہیں ہوتی لیکن ہم نے یہ بتانے کے لئے کہ حضرت امام عاصمؒ صرف قاری ہی نہیں محدث بھی تھے اور ائمہ حدیث نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے یہ بات لکھ دی ہے۔

حضرت امام عاصمؒ نے ابوعبدالرحمٰن السلمیؒ اور زر بن حبیش الاسدیؒ سے قرآءت حاصل کی ان دونوں حضرات نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عثمان بن عفان اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم سے قرآن مجید حاصل کیا۔ حضرت امام عاصمؒ زمانہ تحصیل میں پہلے حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ سے قرآن مجید پڑھتے تھے پھر حضرت زر بن حبیشؒ کے پاس آکر سناتے تھے۔ حضرت حفصؒ کا بیان ہے کہ حضرت امام عاصمؒ نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے تمہیں جو قرآءت پڑھائی یہ وہ ہے جو میں نے حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ سے اور انہوں نے حضرت علیؓ سے حاصل کی تھی اور جو قرآءت میں نے شعبہؒ کو پڑھائی ہے یہ وہ ہے جو میں نے زر بن حبیش سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے حاصل کی تھی۔

حضرت امام عاصمؒ کوفہ میں اپنے وقت کے شیخ القراء تھے آپ حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ کی وفات کے بعد تدریس کے لئے بیٹھے اور شیخ کی جگہ درس دینے لگے موت آنے تک برابر یہ شغل رہا۔ بڑے بڑے ائمہ حدیث اور ائمہ قرآءت ان کے شاگرد ہیں۔ قراء سبعہ میں حضرت حمزہؒ اور حضرت ابوعمرو بن العلاءؒ اور دیگر حضرات میں حضرت ابوامام ابوحنیفہؒ حضرت سلیمان الاعمش، خلیل بن احمد نحوی، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، شعبہ، حماد رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم ان کے شاگرد ہیں۔ آپ کے دو شاگرد یعنی شعبہؒ اور حفصؒ زیادہ مشہور ہوئے اور یہ دونوں ان کی قرآءت کے راوی ہیں۔

حضرت امام عاصمؒ کا حافظہ بھی بہت اچھا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ دو سال تک بیمار رہا (اور اس عرصہ میں تلاوت کا موقعہ نہ ملا) پھر جب حق تعالیٰ شانہ نے صحت بخشی تو پورا قرآن مجید اس طرح پڑھ دیا کہ ذرا بھی کوئی غلطی نہیں آئی۔

حضرت امام عاصمؒ بڑے بردبار اور صابر بھی تھے چونکہ آپ نابینا تھے اس لئے جب کہیں جاتے تو کوئی شخص ہاتھ پکڑ کر لے جاتا تھا حضرت شعبہؒ نے فرمایا کہ حضرت اعمشؒ اور حضرت عاصمؒ اور حضرت ابوحصینؒ تینوں کو نظر نہیں آتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک شخص حضرت عاصمؒ کا ہاتھ پکڑے ہوئے لا رہا تھا کہ اس کی غفلت سے آپ بری طرح گر پڑے آپ نے ذرا بھی ناگواری کا اظہار نہ فرمایا اور نہ اس شخص سے کچھ کہا (یہ سب حالات معرفۃ القراء الکبار للذہبیؒ اور غایۃ النہایۃ للجزریؒ اور شرح شاطبیہ (لملا علی قاریؒ سے ماخوذ ہیں)

امام عاصمؒ کا سن ولادت کسی کتاب میں نہیں ملا اور ان کے سن ولادت کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں۔ علامہ جزریؒ نے غایۃ النہایہ میں فرمایا ہے کہ توفی اخر سنة سبع وعشرين ومائة وقبل سنة

ثمان و عشرين فلعله فی اَوَّلھا۔ یعنی حضرت امام عاصمؒ نے ۱۲۷ھ کے آخر میں وفات پائی بعض حضرات نے ۱۲۸ھ کو سن وفات بتایا ہے۔ شیخ جزریؒ نے ان کے سن وفات کے سلسلہ میں دیگر اقوال بھی نقل کئے ہیں مگر صحیح ۱۲۷ھ کو بتایا ہے حافظ ذہبیؒ نے بھی سن وفات ۱۲۷ ہجری ہی لکھا ہے۔

وفات کہاں ہوئی اس کے بارے میں بھی دو روایتیں ہیں ایک روایت ہے کہ کوفہ میں وفات پائی اس کو شیخ جزریؒ نے غایۃ النہایۃ میں اختیار کیا ہے پھر اہوازیؒ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے شام کو جاتے ہوئے مقام سماوہ میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ سماوہ شام اور عراق کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔ واللہ اعلم

حضرت شعبہؒ نے فرمایا کہ میں حضرت امام عاصمؒ کی خدمت میں ان کی جان کنی کے وقت حاضر ہوا وہ بار بار سورۂ انعام کی آیت ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ٥ پڑھ رہے تھے اور خوب اچھی طرح ٹھیک کر کے تلاوت فرما رہے تھے تاکہ حروف صاف ادا ہوں اور کوئی لحن نہ ہو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے نماز میں تلاوت کر رہے ہیں یہ ماجرا دیکھ کر بے ساختہ میرے دل میں آیا کہ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے قرآءت صحیحہ ان کی طبیعت بن چکی ہے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

ابو بکر شعبہ بن عیاش کوفیؒ

علامہ جزریؒ نے غایۃ النہایہ میں ان کا ذکر ان الفاظ سے شروع کیا ہے شعبة بن عياش بن سالم ابو بكر الحناط (بالنون) الاسدى النهشلى الكوفى الامام العلم راوى عاصم۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ان کی کنیت ابو بکر ہے اپنے استاد عاصم کے ہم وطن یعنی کوفی تھے اور ہم کنیت بھی تھے۔

علامہ موصوف عبارت بالا کے بعد لکھتے ہیں کہ ان کے نام میں تیرہ اقوال ہیں کسی نے احمد اور کسی نے عبداللہ اور کسی نے عنترہ کسی نے سالم کسی نے قاسم اور کسی نے محمد بتایا ہے (غایۃ النہایہ) حافظ ابن حجرؒ نے بھی ان کے نام میں چند اقوال نقل کئے ہیں اور مذکورہ ناموں کے علاوہ روبہ' مسلم' خداش' مطرف' حماد' حبیب۔ بھی ان کے ناموں میں نقل کیا ہے اور شعبہ کو ملا کر تعداد تیرہ کی پوری ہو جاتی ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب میں ابن حبانؒ سے نقل کیا ہے کہ ان کی کنیت ہی ان کا نام ہے اور حضرت شعبہؒ کے صاحبزادہ ابراہیمؒ سے بھی یہی بات نقل کی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ فضل بن موسیٰؒ نے خود ان سے دریافت کیا تو (مزاحاً) فرمایا کہ جب میں پیدا ہوا تو نام تقسیم ہو چکے تھے۔ لیکن حضرات قراء کرام ان کا نام شعبہؒ ہی بتاتے ہیں اور امام شاطبیؒ نے بھی اسی کو لیا ہے اور علامہ جزریؒ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے اور فرمایا کہ

اصحها شعبة یعنی ان کے نام کے بارے میں جو اقوال ہیں ان میں صحیح ترین قول یہی ہے کہ ان کا نام شعبہ تھا۔ حافظ ابن عبدالبر اور ابوزرعہ کا بھی رجحان یہی ہے چنانچہ حافظ ابن حجرؒ تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں کہ:

قال ابو عمر ابن عبدالبر ان صح له' اسم فهو شعبة وهو الذى صحح ابو زرعة۔

حضرت شعبہ کی دوسری کنیت ابن عیاش ہے۔ حضرت قراء کرام چونکہ حضرات قراء سبعہ اور ان کے رواۃ کی سیرت اہتمام کے ساتھ نقل کرتے آئے ہیں اور ہر ایک کا نام اور حال بھی سلفاً عن خلف ایک دوسرے تک پہنچاتے رہے ہیں اس لئے ان کی رائے ہی معتبر ہونی چاہیے۔ (والعلم عند اللہ الکریم)

حضرت شعبہؒ تین سال تک برابر امام عاصمؒ سے تحصیل کرتے رہے' گرمی اور سردی میں ان کی خدمت میں اہتمام کے ساتھ حاضر ہوتے تھے بعض اوقات کمر تک یا اس سے بھی زیادہ پانی کو عبور کر کے ان کے پاس پہنچنا پڑتا تھا ان کے مبارک سینہ سے ایک نور ظاہر ہوتا تھا جس کو پہلے تو بادی النظر میں دیکھ کر برص بتا دیا گیا لیکن بعد میں سمجھ میں آیا کہ یہ برص کا داغ نہیں ہے بلکہ نور کی چمک ہے پچاس سال تک بستر پر نہیں سوئے۔

حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب میں چار صفحات کے اندر حضرت شعبہ کا تذکرہ لکھا ہے اور بڑے بڑے محدثین کرام مثلاً حضرت سفیان ثوری' عبداللہ بن المبارک' ابوداؤد طیالسی' علی بن المدینی' امام احمد بن حنبل' یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم کو ان کے تلامذہ میں شمار کیا ہے۔

حضرت شعبہؒ قاری و مقری ہونے کے ساتھ ساتھ فقیہ اور محدث بھی تھے کتب حدیث میں بکثرت ان کی روایات ملتی ہیں ان میں وہ روایات بھی ہیں جو ان کے استاذ حضرت امام عاصمؒ کے واسطے سے مروی ہیں (پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت امام عاصمؒ بھی محدث تھے) اور وہ روایات بھی ہیں جو انہوں نے دیگر شیوخ سے لی ہیں۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ ثقة وربما غلط یعنی شعبہ ثقہ ہیں (مگر) بعض مرتبہ روایت حدیث میں ان سے غلطی ہو جاتی تھی (تہذیب)

حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب میں یعقوب ابن ابی شیبہؒ سے نقل کیا ہے کہ شيخ قديم معروف بالصلاح البارع وكان له فقه كثير وعلم باخبار الناس و رواية للحديث ويعرف له صنة فضل وفى حديثه اضطراب۔ یعنی حضرت شعبہؒ شیخ قدیم ہیں ان کا صالح ہونا معروف و مشہور ہے بڑے فقیہ بھی تھے اور تواریخ کے عالم اور حدیث کے راوی تھے اتباع سنت میں ان کی شہرت تھی ان کی روایت کردہ حدیث میں اضطراب ہے (جس کی وجہ یہ تھی کہ بڑھاپے میں حافظہ اچھا نہ رہا تھا) لیکن ان کی تدریس قرآءت کے بارے میں کسی نے بھی کوئی کلام نہیں کیا اور روایت حدیث کے بارے میں جنہوں نے کلام کیا ہے ان کی بات پر بھی تنقید کی گئی ہے چنانچہ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے وكان من العباد الحفاظ

المتقنين وكان يحيى القطان وعلي بن المديني يسيئان الرأى فيه وذلك لانه لما كبر ساء حفظه فكان يهم اذا روى' والخطاء والوهم شيئان لا ينفك عنهما البشر فمن كان لا يكثر ذلك منه فلا يستحق ترك حديثه بعد تقدم عدالته۔ حضرت شعبہؒ نہایت پابند شریعت متبع سنت عابد و زاہد تھے۔علامہ جزریؒ نے النشر میں لکھا ہے وكان اماما علما كبيرا عالما عاملا حجة من كبار اهل السنة۔ حضرت شعبہؒ امام تھے ان کی بڑی شخصیت تھی عالم با عمل تھے ان کی ذات حجت تھی ائمہ سنت میں سے تھے۔

حضرت عبداللہ بن المبارکؒ نے فرمایا کہ ما رأيتُ احدًا اسرع الى السنة من ابى بكر بن عياش 'یعنی میں نے سنت کی طرف تیزی سے بڑھنے میں ابوبکر بن عیاش (شعبہؒ) سے بڑھ کر کوئی شخص نہیں دیکھا۔

تہذیب التہذیب میں ہے وكان قد صام سبعين سنة وقامها وكان لا يعلم له بالليل نوم یعنی حضرت شعبہؒ نے ستر سال روزے رکھے اور راتوں کو نماز میں قیام کرتے رہے (یعنی رات بھر نفل نماز پڑھتے تھے رات کو نہیں سوتے تھے) محدث ابن حبانؒ نے فرمایا وكان من العباد الحفاظ المتقنين یعنی حضرت شعبہؒ عبادت گزاروں اور متقن حافظوں میں شمار ہوتے تھے' حضرت شعبہؒ نماز بہت زیادہ پڑھتے تھے اور بہت اچھے نماز پڑھتے تھے احمسیؒ کا قول ہے کہ ما رايت احدا احسن صلوة من ابى بكر بن عياش میں نے ابی بکر بن عیاشؒ سے بڑھ کر اچھی نماز پڑھنے والا کوئی شخص نہیں دیکھا۔

تہذیب التہذیب میں حضرت شعبہؒ کے بیٹے ابراہیمؒ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے موت کے وقت اپنے والد سے پوچھا کہ آپ کا نام کیا ہے اس پر (مزاحاً) فرمایا کہ اے بیٹے تیرے باپ کا کوئی نام نہیں اور تیرا باپ حضرت سفیان ثوریؒ سے چار سال بڑا ہے اور تیرے باپ نے کبھی کوئی گناہ نہیں کیا اور تیس سال تک روزانہ ایک قرآن ختم کیا ہے۔

غایۃ النہایہ میں ہے کہ حضرت شعبہؒ کی وفات کے وقت جب ان کی بہن رونے لگیں تو فرمایا کیوں روتی ہو گھر کے اس گوشہ کی طرف دیکھو میں نے اس میں اٹھارہ ہزار مرتبہ قرآن مجید ختم کیا ہے۔(انشاء اللہ میری مغفرت ضرور ہوگی)

ملا علی قاریؒ شرح شاطبیہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت شعبہؒ نے ۲۴ ہزار مرتبہ قرآن مجید کا ختم کیا۔ پھر لکھا ہے کہ حضرت شعبہؒ نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ اے بیٹے گھر کے اس کونہ میں گناہ نہ کرنا کیونکہ میں نے اس میں اٹھارہ ہزار مرتبہ قرآن مجید ختم کیا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ کل ختم ۲۴ ہزار ہوں گے جن میں سے اٹھارہ ہزار صرف ایک گوشہ میں کئے ہوں گے۔

علامہ جزریؒ نے غایۃ النہایۃ میں لکھا ہے کہ حضرت شعبہؒ کی وفات جمادی الاولیٰ ۱۹۳ ہجری میں ہوئی اور ایک قول ۱۹۴ ہجری کا بھی ہے۔

حفص بن سلیمان کوفی الغاضریؒ:

حضرت امام عاصمؒ کے دوسرے راوی حضرت حفصؒ بن سلیمان بن ابی داؤد الاسدی الکوفی الغاضری البزاز ہیں۔ آپ حضرت امام عاصمؒ کے ربیب تھے یعنی ان کی بیوی کے صاحبزادے تھے جو پہلے شوہر سے تھے۔ امام عاصمؒ نے ان کو اولاد کی طرح پالا اور خوب علم سکھایا۔ ابن المناویؒ کا قول ہے کہ حضرت حفصؒ نے امام عاصم کو بارہا قرآن مجید سنایا' قراء کرام ان کو ابوبکر بن عیاشؒ (یعنی حضرت شعبہؒ) سے بڑھ کر احفظ مانتے تھے ابو ہشام رفاعیؒ کا قول ہے کہ **وکان اعلمهم بقراءة عاصم** یعنی حفص رحمۃ اللہ امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ کی قراءت کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ اسی کو امام شاطبیؒ نے فرمایا ہے کہ **وحفص بالاتقان كان مفضلا**۔ مفتاح السعادۃ میں لکھا ہے کہ **كان مرجحا على شعبة بضبط القراءة** یعنی حضرت حفصؒ کو ضبط قرآءت میں شعبہ پر ترجیح دی جاتی تھی۔

حضرت حفصؒ نے امام عاصمؒ سے عرض کیا کہ ابوبکر یعنی شعبہؒ (بعض جگہ) اس کے خلاف پڑھتے ہیں جو میں نے آپ سے پڑھا ہے اس کے جواب میں حضرت امام عاصمؒ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں وہ قرآءت پڑھائی ہے جو مجھے بواسطہ ابوعبدالرحمٰن السلمیؒ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہنچی ہے اور ابوبکرؒ کو میں نے وہ قرآءت پڑھائی ہے جو مجھے بواسطہ زر بن حبیشؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پہنچی ہے۔

ابن مجاہدؒ کا بیان ہے کہ حضرت حفصؒ اور حضرت ابوبکر (شعبہؒ) کے درمیان پانچ سو بیس (۵۲۰) اختلافات قرآءت ہیں۔ حضرت حفصؒ نے فرمایا کہ میں نے صرف ایک جگہ امام عاصم کے پڑھائے ہوئے سے اختلاف اختیار کیا ہے اور وہ سورۂ روم کے لفظ "ضُعْفٍ" میں ہے۔

حضرت امام عاصمؒ سورۂ روم میں اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ میں ضاد کا فتح پڑھتے تھے انہوں نے حضرت حفصؒ اور حضرت شعبہؒ کو اسی طرح پڑھایا حضرت شعبہؒ تو ایسے ہی پڑھتے تھے یعنی بالفتح لیکن حضرت حفصؒ بالضم (پیش کے ساتھ) بھی پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ **ما خالفت عاصما في شيء من القران الا في هذا الحرف**۔ ضُعْفٍ بالضم کی قراءت حضرت حفصؒ نے امام عاصم کے علاوہ دیگر مشائخ سے اخذ کی تھی۔

حضرت حفصؒ زمانہ دراز تک درس دیتے رہے جلیل القدر قراء ان کے شاگرد ہیں بغداد میں قیام کیا۔ وہاں بھی درس دیا مکہ معظمہ میں رہے اور وہاں بھی فیض جاری رکھا۔ النشر وغایۃ النہایہ ج ا ص ۲۵۴۔

حافظ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت حفصؒ کی پیدائش ۹۰ ہجری میں اور وفات ۱۸۰ ہجری میں ہوئی اس طرح سے نوے سال کی عمر پائی اور مستفیدین و محصلین کو خوب سیراب کیا۔

کتب حدیث میں حضرت حفصؒ کی روایت کردہ چند احادیث بھی ملتی ہیں مگر محدثین کے نزدیک حدیث میں ان کا وہ مرتبہ نہیں ہے جو قرآءت میں محدثین و قراء کے نزدیک مسلم ہے حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں **قال ابن عدی عامة احادیثه غیر محفوظة قلت اما فی القراءة فثقة ثبت ضابط لها بخلاف حاله فی الحدیث**" (طبقات القراء للذہبی ص ۱۱۷ ج ۱)

امام ترمذیؒ نے حدیث ذیل حضرت حفصؒ سے روایت کی ہے **قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من قرء القران فاستظهره فاحل حلاله وحرم حرامه ادخله الله به الجنة وشفعه فی عشرة من اهل بیته کلهم قد وجبت له النار۔**

"یعنی حضور اقدس ﷺ نے ارشد فرمایا کہ جس نے قرآن پڑھا اور خوب اچھی طرح سے یاد کیا اور جن چیزوں کو اس نے حلال قرار دیا ہے ان کو اپنے عمل سے حلال سمجھتا رہا یعنی ان پر عمل کرتا رہا اور جن چیزوں کو اس نے حرام قرار دیا ہے ان کو اپنے عمل میں حرام سمجھتا رہا یعنی ان کو چھوڑے رکھا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا اور اس کے گھر والوں میں سے ایسے دس آدمیوں کے بارے میں سفارش قبول فرمائے گا جن کے لئے ان کے اپنے اعمال کی وجہ سے دوزخ واجب ہو چکی تھی۔"

اس حدیث کی سند میں حضرت حفصؒ امام ترمذی کے شیخ الشیخ ہیں اخیر میں امام ترمذیؒ نے فرمایا **ولیس له اسناد صحیح و حفص ابن سلیمان ابو عمر بزاز الکوفی یضعف فی الحدیث۔**

حضرت حفصؒ بزاز یعنی بائع البز تھے (کپڑا فروخت کرنے کا کاروبار کرتے تھے) (مفتاح السعادۃ ج ا ص ۳۷۷)

قاری محی الاسلامؒ پانی پتی شرح سبعہ قرآءت میں لکھتے ہیں کہ یہ قبولیت خداداد ہے کہ صدیوں سے مکاتب و مدارس میں صرف روایت حفصؒ پڑھائی جاتی ہے اور روئے زمین پر ایک ہزار حفاظت میں سے تقریبا نوسو ننانوے آدمیوں کو صرف یہی روایت یاد ہے اور ایسا شاید کوئی ہو جس نے یہ روایت نہ پڑھی ہو ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

﴿فائدہ﴾ امام عاصمؒ کے دوسرے راوی کا نام حفصؒ ہے اور کنیت ابوعمر ہے اور امام ابوعمرو بصریؒ کے بھی ایک راوی ابوعمر ہیں جن کو ابوعمر دوریؒ کہا جاتا ہے ان کا نام بھی حفصؒ تھا۔ نام اور کنیت دونوں کے مشترک ہیں البتہ والد کے نام میں اور نسبت میں اختلاف ہے راوی امام عاصمؒ حفص بن سلیمان الاسدی الغاضری ہیں اور راوی ابوعمرو بصریؒ حفص بن عمر الدوری الازدیؒ ہیں لیکن علی الاطلاق جب حفص بولا جاتا ہے تو حفص بن سلیمانؒ (امام عاصم کے راوی) ہی مراد ہوتے ہیں۔ ابوعمر دوریؒ جو امام ابوعمرو بصریؒ کے راوی ہیں یہی امام کسائیؒ کے بھی راوی ہیں۔ رحمہم اللہ تعالی

حضرت ابوعمر دوریؒ حضرت حفص بن سلیمان الاسدیؒ سے متاخر ہیں ان کی ولادت ۱۵۰ ہجری میں اور وفات ۲۴۶ ہجری میں ہوئی۔

الامام الہمام قدوۃ الانام زبدۃ المقرئین عمدۃ المحدثین
ابو محمد القاسم الولی الشاطبیؒ

﴿نام، کنیت، مولد اور تاریخ پیدائش:﴾ مورخ ابن خلکانؒ نے امام شاطبیؒ کا نام اور کنیت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔ **ابو محمد القاسم بن فیرہ بن ابی القاسم خلف بن احمد الرعینی الشاطبی الضریر المقری**۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت امام شاطبی کا نام قاسم اور کنیت ابو محمد تھی۔ پھر امام موصوف کا تذکرہ ختم کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ **وقیل ان اسم الشیخ المذکور ابو القاسم و کنیته اسمه لکن وجدت فی اجازات اشیاخه له ابو محمد القاسم کما ذکرته ههنا**۔ یعنی ایک قول یہ بھی ہے کہ شیخ شاطبیؒ کا نام ابوالقاسمؒ ہے اور جو کنیت ہے وہی ان کا نام ہے لیکن میں نے ان کے اساتذہ کی تحریرات میں ابو محمد القاسمؒ ہی لکھا دیکھا ہے جیسا کہ میں نے یہاں لکھا ہے یہ تحریرات اجازت اقراء سے متعلق ہیں۔ حسن المحاضرہ اور مفتاح السعادۃ میں بھی نام قاسم بتایا ہے اور کنیت ابو محمد اور ابوالقاسم لکھی ہے۔ شرح سبعہ قرآءت میں قاری محی الاسلامؒ صاحب نے بھی اس کو ترجیح دی ہے کہ علامہ شاطبیؒ کا نام قاسمؒ تھا اور اس بارے میں جزریؒ ابن خلکانؒ اور علامہ ذہبیؒ کا حوالہ دیا ہے۔

نیز ابن خلکانؒ نے لفظ "فیـــرہ" وغیرہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فیرہ (فاء کے زیر کے ساتھ) لاطینی زبان میں حدید یعنی لوہے کو کہتے ہیں اور **الرعینی** (راء کے ضمہ اور عین کے فتح کے ساتھ) **ذی رعین** کی طرف منسوب ہے جو یمن کا ایک قبیلہ ہے بہت سے حضرات اس کی طرف منسوب ہوئے ہیں۔ الشاطبی یہ

شہر شاطبہ کی طرف منسوب ہے جو اندلس کے مشرق میں واقع ہے۔ اس میں ایک مضبوط قلعہ ہے اس شہر میں بہت سے علماء پیدا ہوئے۔ (ج ا ص ۱۴۳)

﴿تحصیل علوم﴾ امام شاطبیؒ ۵۳۸ ہجری کے آخر میں شاطبہ میں پیدا ہوئے۔ ہوش سنبھالا تو تحصیل علوم میں لگ گئے۔ اپنے شہر میں قراءات پڑھیں۔ المقری ابوعبداللہ محمد بن ابی العاص النفزیؒ کی خدمت میں رہ کر باکمال ہوئے۔ پھر بلنسیہ پہنچے جو شاطبہ کے قریب ہے یہاں حافظ ابن ہذیل کو التیسیر (للامام الدانیؒ) اور قراءات سنائیں نیز ابن ہذیلؒ سے حدیث کا بھی سماع کیا اور ان سے حدیث کی روایت بھی کی۔ محمد بن عبیدؒ سے کتاب سیبویہ اور کامل (للمبردؒ) اور ادب الکاتب (لابن قتیبہؒ) پڑھی اور دیگر اکابر سے بھی علم حاصل کیا۔ اس کے بعد حج کے لئے روانہ ہوئے اور اسکندریہ میں حافظ ابو طاہر سلفیؒ سے حدیث کا سماع کیا (مفتاح السعادۃ ج ا ص ۳۸۷)

ابن خلکانؒ نے ان کے اساتذہ حدیث میں ابوعبداللہ محمد بن یوسف بن سعادہؒ اور ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحیم الخزرجیؒ اور حافظ ابوالحسن بن النعمہؒ کے اسماء گرامی بھی لکھے ہیں۔

﴿قراءت اور تفسیر وحدیث' نیز عربیت میں مہارت اور بے مثال حافظہ:﴾ حضرت امام شاطبیؒ صرف امام القرآءت ہی نہ تھے بلکہ باکمال مفسر اور محدث بھی تھے نحو وصرف اور لغات میں بھی خدائے پاک نے مہارت عطا فرمائی تھی۔ مورخ ابن خلکانؒ لکھتے ہیں کہ:

> ''قرآءت کی مہارت کے ساتھ تفسیر قرآن میں بھی باکمال تھے اور حدیث نبوی کے علوم میں ممتاز تھے جب ان کو صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور موطا پڑھ کر سنائی جاتی تھیں تو اپنے حافظہ سے نسخوں کی تصحیح کراتے جاتے تھے اور اسی ذیل میں ضرورت کے مواقع پر (سند اور متن سے متعلقہ) نکات بھی املاء کراتے تھے علم نحو اور لغت میں یکتائے زمانہ تھے۔ تعبیر خواب میں باکمال تھے اپنے قول وفعل میں بہترین مقاصد (یعنی رضائے الٰہی اور نجات آخرت) کو سامنے رکھتے تھے۔'' (ابن خلکان ج ا ص ۴۲۲)

﴿اقراء وافادہ:﴾ علامہ سیوطیؒ حسن المحاضرہ (ص ۲۳۶ ج ا) میں لکھتے ہیں:

> ''علامہ شاطبیؒ کا نام بہت مشہور ہوا دور دور تک ان کی شہرت ہوئی اطراف عالم سے طلبہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے آپ امام تھے علامہ تھے بہت سے فنون میں باکمال تھے۔ علوم وفنون میں کوئی آپ کا ہمسر نہ تھا۔ آپ قرآءت میں بہت ماہر تھے۔ حدیث کے حافظ تھے عربیت میں

گہری نظر رکھتے تھے وسیع العلم تھے۔"

علامہ شاطبیؒ نہایت ذہین وفطین اور ذکی تھے اللہ تعالیٰ نے علوم سے مالا مال فرمایا تھا۔ حافظہ میں بے مثال اور نظم لکھنے میں یکتا تھے۔ شیخ ابن حاجبؒ صاحب کافیہ جیسے علامہ آپ کے شاگرد تھے۔ آپ کچھ عرصہ شاطبہ کے خطیب رہے اور ۵۷۲ھ ہجری میں آپ مصر تشریف لے گئے اور قاضی فاضل کے مہمان ہوئے انہوں نے آپ کو مدرسہ فاضلیہ کا شیخ الاقراء مقرر کیا۔ آپ تا زیست یہاں تدریس واقراء کی خدمت سرانجام دیتے رہے البتہ درمیان میں کچھ عرصہ کے لئے بیت المقدس میں بھی قیام کیا۔ ابن خلکانؒ لکھتے ہیں۔

انتفع به خلق كثير وادركت من اصحابه جمعًا كثيرًا بالديار المصرية۔ یعنی حضرت امام شاطبیؒ سے کثیر تعداد میں مخلوق خدا کو نفع پہنچا میں نے دیار مصر میں ان کے شاگردوں کی جماعت کثیرہ کو پایا ہے۔

﴿تقویٰ، طہارت اور زہد وعبادت ودیگر خصائل حمیدہ:﴾ حضرت امام شاطبیؒ محدث ومفسر اور القاری المقری ہوتے ہوئے عبادت وریاضت میں بھی یکتائے زمانہ تھے آپ خاشع وخاضع تھے۔ ولی اللہ کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے فضول کاموں سے احتراز فرماتے تھے اور اپنے اصحاب واحباب کو بھی لایعنی باتوں سے باز رکھتے تھے آپ اتباع سنت کا خاص اہتمام فرماتے تھے، مزاج میں تواضع بہت تھی امراء کے درباروں سے دور رہتے تھے۔ ایک مرتبہ امیر عزالدین نے آپ کو طلب کیا (شیخ ابن حاجبؒ صاحب کافیہ کے والد اسی امیر کے یہاں حاجب کی خدمت انجام دیتے تھے) جب امیر مذکور کا قاصد آپ کے پاس آیا تو آپ نے اپنے بعض تلامذہ سے فرمایا کہ جواب میں یہ شعر لکھ دو۔

قل للامير مقالة   من ناصح، فطن، نبيه
ان الفقيه اذا اتى   ابوابكم لا خير فيه

"امیر سے کہہ دو، خیر خواہ، سمجھدار، ہوش مند آدمی کی طرف سے (کہ) بے شک دینی علم رکھنے والا جب تمہارے دروازہ پر آجائے تو اس میں کوئی خیر نہیں۔" (التاج المکلل)

حسن المحاضرہ میں بھی علامہ شاطبیؒ کے یہ دونوں شعر نقل کئے ہیں مگر اس میں شعر اول یوں ہے:

قل للامير نصيحة   لا تركنن الى فقيه

آپ نہایت خشوع کے ساتھ درس کے لئے بیٹھتے تھے گو نابینا تھے لیکن اللہ پاک نے آپ کو نابیناؤں والی حرکات سے محفوظ رکھا تھا۔ نہایت صابر، شاکر آدمی تھے سخت بیماری میں آہ بھی نہ کہتے تھے جب کوئی شخص عیادت کرتا اور حال پوچھتا تو صرف یہ فرماتے کہ عافیت ہے۔

﴿کشف وکرامت﴾ حضرت امام شاطبیؒ صاحب کشف وکرامت تھے بارہا کرامات ظاہر ہوتی رہتی تھیں، اپنے شاگردوں کو ایسی باتوں پر مطلع کر دیتے تھے جن کی اطلاع دینے والا کوئی نہ تھا (محض کشف سے معلوم ہو جاتا کہ فلاں نے فلاں کام کیا ہے) آپ کی عادت شریفہ تھی کہ مدرسہ فاضلیہ میں فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھ کر درس کے لئے بیٹھ جاتے جس کی وجہ سے تلامذہ رات کے اندھیرے میں چل کر آتے تھے اور چونکہ ان کی عادت تھی کہ درس کے لئے بیٹھنے کے ساتھ ہی فرماتے تھے کہ مَنْ جَاءَ اَوَّلًا فَلْیَقْرَأْ (جو پہلے آیا ہو وہ پڑھنا شروع کرے) اس لئے مستفیدین ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ ترتیب وار حاضرین مجلس کو پڑھنے کی اجازت دیتے تھے اور یہ ترتیب مجلس میں حاضر ہونے کی ترتیب کے مطابق ہوتی تھی۔

ایک دن درس کے لئے تشریف فرما ہوئے تو فرمایا کہ مَنْ جَاءَ ثَانِیًا فَلْیَقْرَأْ (جو صاحب دوم نمبر پر آئے ہوں وہ پڑھنا شروع کریں) یہ سن کر نمبر اول پر آنے والے شاگرد کو بڑی حیرانی ہوئی اور غور کرنا شروع کیا کہ مجھ سے کیا خطا ہوئی بالآخر یاد آیا کہ رات کو غسل فرض ہو گیا تھا لیکن جلدی حاضری دینے کے شوق میں غسل کرنا یاد نہ رہا یوں ہی بلا غسل آ بیٹھا ہوں، فوراً ہی مجلس سے اٹھ کر مدرسہ کے قریب ہی ایک حمام میں غسل کر کے اتنی جلدی واپس ہوئے کہ جن صاحب سے قرآءت شروع کرادی گئی تھی وہ ابھی فارغ نہ ہوئے تھے۔ ان کے فارغ ہوتے ہی امام شاطبیؒ نے فرمایا کہ مَنْ جَاءَ اَوَّلًا فَلْیَقْرَأْ (جو صاحب سب سے اول آئے تھے وہ پڑھیں) حالانکہ آپ نابینا تھے اور کسی نے بتایا بھی نہ تھا کہ نمبر اول پر جو صاحب آئے تھے وہ غسل کر کے آ گئے ہیں۔

﴿تالیفات﴾ حضرت امام شاطبیؒ کی کوئی تالیف نثر میں ہے یا نہیں؟ اس کا پتہ نہ چل سکا۔

﴿حرز الامانی ووجہ التہانی المعروف قصیدہ شاطبیہ﴾ ان کی چار کتابیں نظم کی صورت میں امت کے سامنے آئی ہیں جن میں سب سے زیادہ مشہور قصیدہ لامیہ ہے اس قصیدہ کے لکھنے کا مقصد اور اس کا نام قصیدہ کے شعر (۶۸، ۶۹، ۷۰) میں اس طرح ذکر فرمایا ہے ۔

وَفِیْ یُسْرِهَا التَّیْسِیْرُ رُمْتُ اخْتِصَارَهُ ۔۔۔ فَاَجْنَتْ بِعَوْنِ اللّٰهِ مِنْهُ مُؤَمَّلَا

وَاَلْفَافُهَا زَادَتْ بِنَشْرِ فَوَائِدٍ ۔۔۔ فَلَفَّتْ حَیَاءً وَجْهَهَا اَنْ تُفَضَّلَا

وَسَمَّیْتُهَا حِرْزَ الْاَمَانِیْ تَیَمُّنًا ۔۔۔ وَوَجْهَ التَّهَانِیْ فَاهْنِهِ مُتَقَبَّلَا

یعنی اس قصیدہ کی آسانی میں (علامہ ابوعمرو دانیؒ متوفی ۴۴۴ھ کی کتاب) تیسیر (کا سب مضمون)

موجود ہے۔ میں نے تیسیر کے اختصار کی نیت کی تھی (مگر) یہ قصیدہ اللہ جل شانہ کی مدد سے پھل لے آیا اور اس قصیدہ کے گنجان درخت بہت سے فوائد کے نشر کرنے کے سبب تیسیر سے بڑھ گئے پس اس قصیدہ نے شرم سے منہ لپیٹ لیا کہ کہیں تجھے تیسیر پر فضیلت نہ دے دی جائے (اور یہ منہ لپیٹ لینا ادب کی وجہ سے ہے کہ جیسے تلمیذ استاذ کے سامنے اپنے کمالات ظاہر کرنے سے شرماتا ہے) اور میں نے اس قصیدہ کا نام برکت حاصل کرنے کے لئے حرز الامانی ووجہ التہانی رکھ دیا ہے (پس اے مخاطب) تو اس نظم کو قبول کرنے والا بن کر بشاشت اور خوشی کے ساتھ لے لے۔

ان اشعار سے معلوم ہوا کہ علامہ شاطبیؒ نے علامہ دانیؒ کی کتاب التیسیر کو مختصر کرنے کا ارادہ فرمایا لیکن بہت سے مزید فوائد بھی اس میں آ گئے اور اس کی افادیت دوبالا ہوگئی اور تیسیر کے اس اختصار کو آسان اس لئے فرمایا کہ پوری کتاب فوائد مزیدہ کے اضافہ کے ساتھ چند اشعار میں آ گئی گوفی نفسہ قصیدہ کا سمجھنا اور اس کے لغات کا یاد رکھنا اور رموز واشارات کے ذریعہ مقصد تک پہنچنا مشکل کام ہے۔

حرز الامانی کا ترجمہ ہے آرزوؤں کی حفاظت کی جگہ اور **وَجْهُ التَّهَانِيْ** کا ترجمہ ہے لذت حاصل کرنے کی چیزوں میں عمدہ چیز قصیدہ کا پورا نام "**حِرْزُ الْأَمَانِيْ وَوَجْهُ التَّهَانِيْ**" ہے جب علی الاطلاق شاطبیہ بولتے ہیں تو یہی قصیدہ مراد ہوتا ہے اس قصیدہ کے اشعار کی تعداد کتاب کے ختم پر خود ناظم قصیدہؒ نے اس طرح بیان فرمائی ہے۔

وَأَبْيَاتُهَا أَلْفٌ تَزِيْدُ ثَلَاثَةً ۔۔۔ وَمَعْ مِائَةٍ سَبْعِيْنَ زُهْرًا وَكُمَّلَا

"یعنی اس کے اشعار ایک ہزار ایک سو تہتر ہیں جو الفاظ کے اعتبار سے روشن اور معانی کے اعتبار سے کامل ہیں۔"

﴿قصیدہ لامیہ کی مقبولیت عام﴾ قصیدہ لامیہ بہت زیادہ مقبول ومشہور ہوا۔ مورخ ابن خلکانؒ کہتے ہیں کہ **فقل من یشتغل بالقراء ات الاو یقدم حفظها و معرفتها وهی مشتملة علی رموز عجیبة و اشارات خفیة لطیفة**۔ یعنی شاید ہی کوئی شخص ایسا ہوگا جس نے علوم قرآءت میں مشغول ہونے کا ارادہ کیا ہو اور اس نے اس قصیدہ کو پہلے حفظ نہ کیا ہو یہ قصیدہ عجیب رموز اور خفی ولطیف اشارات پر مشتمل ہے امام شاطبیؒ کے بعد جتنے اصحاب فن قاری مقری پیدا ہوئے ہیں کسی کے بارے میں یہ نہیں سنا گیا کہ علامہ شاطبیؒ کے قصیدہ لامیہ کے پڑھے بغیر فضل وکمال کے اعلیٰ مرتبہ کو پہنچا ہو حضرت قاری محی الاسلام پانی پتیؒ لکھتے ہیں کہ:

"اگرچہ قرآءت کو نظم میں بیان کرنے کے موجد علامہ حصریؒ ہیں مگر پوری سبعہ نظم کرنے والے آپ (یعنی علامہ شاطبیؒ) پہلے شخص ہیں۔"

اس قصیدہ کی مقبولیت عامہ کی سب سے بڑی وجہ ناظم قصیدہ کا اخلاص اور بارگاہ خداوندی میں مقبولیت کی دعا ہے۔

ملا علی قاریؒ نے اپنی شرح کے ختم پر علامہ قرطبیؒ سے نقل کیا ہے کہ امام شاطبیؒ نے اپنا یہ قصیدہ ختم کر کے بیت اللہ شریف کے ۱۲ ہزار طواف کئے اور دوران طواف اس دعا کا اہتمام والتزام کیا۔

اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الْعَظِيْمِ اِنْفَعْ بِهَا كُلَّ مَنْ قَرَءَ هَا۔

''اے اللہ! اے عالم الغیب والشہادۃ جو اس بیت عظیم کا رب ہے اس کتاب کے ذریعہ ہر اس شخص کو نفع دیتا جو اسے پڑھے۔''

یہ بھی روایت ہے کہ امام شاطبیؒ نے حضرت سرور کونین ﷺ کو خواب میں دیکھا اور سامنے کھڑے ہو کر آپ کو سلام کیا اور عرض کیا اے میرے آقا اے اللہ کے رسول (ﷺ) اس قصیدہ کو ملاحظہ فرمایئے یہ سن کر آپ نے اپنے مبارک ہاتھ میں قصیدہ لیا اور فرمایا کہ یہ قصیدہ مبارک ہے جو اسے یاد کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

اول تو ناظم قصیدہ کا اخلاص' پھر اس کے نافع ہونے کے لئے بارہ ہزار طوافوں میں دل کی گہرائی کے ساتھ دعا کرنا اور پھر سرور عالم ﷺ کا اس کو مبارک فرمانا اور اس کے پڑھنے والے کے لئے دعا دینا یہ ایسی چیزیں جمع ہوگئیں جن کی وجہ سے ان کے اس قصیدہ کی مقبولیت میں ہمیشہ اضافہ ہی ہوتا رہا۔

مورخ ابن خلکانؒ لکھتے ہیں: **وقد روی عنه انه كان يقول لا يقرا احد قصيدتي الا وينفعه الله عزوجل بها لاني نظمتها لله تعالى مخلصا في ذلك۔**

یعنی امام شاطبیؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جو بھی کوئی شخص اس قصیدہ کو پڑھے گا اللہ تعالیٰ ضرور اسے اس کے ذریعہ نفع دے گا کیونکہ میں نے اس کو اخلاص کے ساتھ صرف اللہ کے لئے منظوم کیا ہے۔

اس قصیدہ کے اشعار کا حل کرنا بہت مشکل ہے' طرز بیان بالکل اچھوتا ہے' قصیدہ کیا ہے مجموعہ چیستان ہے مگر پھر بھی بہت زیادہ مقبول ہے۔ صاحب مفتاح السعادۃ (ج ۱ ص ۴۲۹) علامہ جزریؒ سے نقل فرماتے ہیں:

''جو شخص علامہ شاطبیؒ کے دونوں قصیدوں (لامیہ ورائیہ) سے واقف ہوگا وہ جان لے گا کہ اللہ جل شانہٗ نے علامہ شاطبیؒ کو کس قدر علم وفضل سے نوازا تھا' خصوصاً قصیدہ لامیہ تو ایسی چیز ہے کہ علامہ شاطبیؒ کے بعد بلغاء اس کے مقابلہ سے عاجز ہوگئے' کیونکہ اس قصیدہ کا جو مقام طرز بیان اور

قدرت علی الکلام کے اعتبار سے ہے اسے وہی سمجھ سکتا ہے جو اس کے طرز پر لکھنے کا ارادہ کرے' یا اس قصیدہ کے اور دوسرے کسی ایسے قصیدہ کے درمیان مقابلہ کرے جو اس کے طرز پر لکھا گیا ہو' اس قصیدہ لامیہ کو اللہ جل شانہ' نے جو شہرت اور مقبولیت عطا فرمائی اس فن کی کسی کتاب کو نصیب نہ ہوئی بلکہ میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ کسی دوسرے فن کی کسی کتاب کو بھی ایسی قبولیت حاصل نہیں ہوئی میں سمجھتا ہوں کہ اسلامی شہروں میں سے کوئی شہر اس سے خالی نہ ہوگا۔ بلکہ ہر طالب علم کے گھر میں اس کا ایک نسخہ ضرور ہوگا۔ اس قصیدہ کے نسخوں کے حاصل کرنے میں لوگوں میں بے حد رغبت اور تنافس ہے' میرا خود اپنا واقعہ ہے کہ میرے پاس قصیدہ لامیہ اور رائیہ دونوں ایک جلد میں مجلد تھے جو سخاویؒ کے شاگرد جعبریؒ کے ہاتھ سے لکھے ہوئے تھے مجھ سے ان کے حاصل کرنے کے لئے ان کے وزن کے برابر چاندی پیش کی گئی جو میں نے نامنظور کردی۔''

علامہ جزریؒ نے یہ بھی فرمایا:

''قصیدہ لامیہ کے بارے میں لوگوں کی عقیدت بہت زیادہ غلو کو پہنچی ہوئی ہے حتیٰ کہ اس کے اقوال والفاظ کو ایسا سمجھتے ہیں کہ جیسے کسی معصوم کا کلام ہو اور بعض لوگوں نے حد سے اس قدر تجاوز کیا کہ یہ گمان کر بیٹھے کہ اس میں جو کچھ ہے صرف وہی قرآءت سبعہ کا مجموعہ ہے اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے شاذ ہے جس کی قرآءت جائز نہیں۔'' (مفتاح السعادۃ)

﴿قصیدہ لامیہ کی شروح:﴾ حضرت الامام الہمام علامہ شاطبیؒ کے قصیدہ لامیہ کی بہت سی شروح لکھی گئی ہیں سب سے پہلی شرح امام شاطبیؒ کے بلا واسطہ شاگرد علامہ ابوالحسن علی بن محمد سخاویؒ (المتوفی ۶۴۳ھ) نے لکھی جس کا نام الفتح الوصید فی شرح القصید ہے۔ علامہ موصوف امام شاطبیؒ کے اجل تلامذہ میں سے تھے' انہوں نے بھی علوم قرآءت کی بہت خدمت کی اور تلامذہ کی کثیر تعداد کو فیضیاب کیا' ان کی خدمت میں مستفیدین اور محصلین کا جمگھٹا رہتا تھا۔ قرآءت کے علاوہ تفسیر وادب اور عربیت میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے' علم نحو میں بھی کتابیں تصنیف فرمائیں اور چار جلدوں میں ایک تفسیر بھی لکھی جو سورۂ کہف تک ہو سکی۔ علامہ جزریؒ نے لکھا ہے کہ ہم کو علامہ سخاویؒ کی ولایت میں کوئی شک نہیں ان سے بعض جنات بھی قرآءت پڑھتے تھے۔ (مفتاح السعادہ)

قصیدہ لامیہ کی دوسری شرح شیخ ابوشامہ عبدالرحمٰن بن اسماعیل دمشقیؒ (المتوفی ۶۶۵ھ) نے لکھی جس کا نام ابراز المعانی من حرز الامانی ہے۔ تیسری شرح شیخ برہان الدین ابراہیم بن عمر والجعبریؒ (المتوفی

۷۳۲ھ) کی ہے۔ اس کے بارے میں صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں کہ احسنها و ادقها یعنی تمام شروح میں یہ سب سے بہتر ہے اور ادق ہے۔

علامہ جعبری ؒ کی اس شرح کا نام صاحب مفتاح السعادۃ نے (کنز المعانی) بتایا ہے اور اس کی بہت تعریف کی ہے۔

شیخ علاء الدین علی بن عثمان المعروف بابن القاصح ؒ (المتوفی ۸۰۱ ہجری) نے بھی اس کی شرح لکھی تھی جو سراج القاری کے نام سے مشہور ہے اور مصر و حجاز میں ملتی ہے۔

ہمارے دیار میں سب سے زیادہ معروف و مشہور ملا علی قاری حنفیؒ (المتوفی ۱۰۱۴ ہجری) کی شرح ہے' موصوف بڑے محدث بھی تھے' حدیث و فقہ میں آپ کی تالیفات کثیر تعداد میں معروف و مشہور ہیں سب سے زیادہ مشکوٰۃ المصابیح کی شرح مشہور و مقبول ہوئی جس کا نام مرقاۃ المفاتیح ہے' جو نسخہ ملا علی قاری کی شرح کا اس وقت ہمارے پیش نظر ہے دیوبند میں ۱۳۴۸ ہجری میں چھپا ہے جس کی تصحیح دار العلوم دیوبند کے شیخ التجوید قاری محمد یامین صاحبؒ نے کی تھی' اس کی کتابت اچھی نہیں ہے اور کرم خوردہ نسخے سے نقل کرنے کی وجہ سے تصحیح بھی خاطر خواہ نہ ہوسکی تھی تاہم کتاب کا وجود میں آ جانا ہی بہت غنیمت تھا۔

عنایات رحمانی کا مقدمہ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ملا علی قاری ؒ کی یہ شرح پشاور میں بھی طبع ہوئی تھی۔ جس کے ساتھ شاطبیہ کا فارسی ترجمہ بھی تھا۔ احقر نے اس کا ایک نسخہ قاری محمد عباس صاحب بخاریؒ نزیل المدینۃ المنورہ کے پاس دیکھا ہے جو بہت صحیح ہے اس کے ساتھ دوسری دو شروح اور ہیں کوئی صاحب طبع کریں تو وہ نسخہ ضرور حاصل کریں۔

حضرت الاستاذ مولانا القاری المقری محمد سلیمان صاحب دیوبندیؒ شیخ التجوید والقراءت جامعہ مظاہر علوم سہارنپور نے بھی اردو زبان میں قصیدہ لامیہ کی شرح لکھی جو صرف اصول کے ختم تک لکھی جاسکی تھی۔ حضرتؒ کی خواہش تھی کہ طبع ہونا شروع ہو تو فروش بھی لکھنا شروع فرمائیں گے مگر ان کی حیات میں نہ مکتوبہ حصہ کی طباعت ہوسکی نہ فروش کا حصہ لکھا جاسکا اس کا نام جواہر ضیائیہ رکھا تھا۔ (الحمد للہ قریب زمانہ میں چھپ کر یہ بھی منظر عام پر آ گئی ہے۔ تصحیح و تکمیل حضرت شارح کے صاحبزادے جناب حضرت قاری رضوان نسیم صاحب مدظلہ العالی شیخ التجوید مظاہر علوم سہارنپور نے کی ہے۔ نجم الصبیح التھانوی عفی عنہ)

شیخ القراء شاطبی وقت' حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحبؒ کی مکمل شرح بنام عنایات رحمانی شرح قصیدہ لامیہ حرز الامانی ووجہ التہانی سالہا سال ہوئے چھپ کر عام ہو چکی ہے۔ (دیدہ زیب اور جاذب نظر۔ تین جلد مکمل مطبوعہ قراءت اکیڈمی لاہور) ہندو پاک کے قراء کرام اس سے برابر مستفید ہو رہے ہیں' درحقیقت

قاری صاحب ممدوح نے شرح کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس کا مقدمہ ایسا جامع لکھا ہے جس کی نظیر نہیں ملتی' اللہ جل شانہ' موصوف کو مستفیدین کے سروں پر تادیر قائم رکھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ عرب وعجم میں قرآءت کا ماہر اس وقت ان جیسا کوئی نہیں ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ آپ عالم باعمل' عابد وزاہد اور متوکل علی اللہ ہیں حرمین شریفین میں مقیم ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جنت البقیع میں دفن ہونے کے امیدوار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی آرزو پوری فرمائے اور احقر کو بھی اسی قبرستان کی آغوش میں جگہ دے۔ (دونوں بزرگ حضرات کی یہ خواہش پوری ہوئی اور دونوں جنت البقیع میں آرام فرما ہیں۔ نجم الصبیح التھانوی عفی عنہ)

صاحب کشف الظنون نے اپنی اطلاع کے مطابق قصیدہ لامیہ کی تمیں کے قریب شروح کا تذکرہ کیا ہے۔ شروح کی صحیح تعداد تو اللہ ہی کو معلوم ہے جب سے یہ قصیدہ لکھا گیا ہے صدیاں گزر چکی ہیں اور برابر شروح لکھی جا رہی ہیں۔ قاری محی الاسلام پانی پتی" شرح سبعہ قراءت میں لکھتے ہیں کہ پچاس کے قریب شروح وحاشیے نکات وتکملے اس پر لکھے گئے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

صاحب کشف الظنون نے چند ایسے حضرات کے نام بھی لکھے ہیں جنہوں نے قصیدہ لامیہ کا اختصار کیا یا تکملہ لکھا۔ اختصار کرنے والوں میں مشہور نحوی علامہ جمال الدین ابن مالک" (التوفی ۶۷۲ ہجری) صاحب الفیہ بھی ہیں۔ انہوں نے اس بارے میں قصیدہ دالیہ لکھا ان کے اس مختصر کا نام حرز المعانی ہے۔

(شاطبیہ کی شروح لکھنے والوں میں قبلہ والد صاحب مرحوم حضرت استاذ القراء والمجودین قاری المقری اظہار احمد التھانوی نور اللہ مرقدہ (م ۱۴۱۲ھ) کا نام نامی بھی شامل ہے۔ حضرت قبلہ والد صاحب نور اللہ مرقدہ نے اول شرح شاطبیہ تقریباً پونے آٹھ سو صفحات بڑے سائز والی لکھی اور اس کے بعد پھر ایک دوسری شرح مختصر مگر نہایت مفید اور حل متن میں آسان ترین ''امانیہ شرح شاطبیہ'' لکھی جو تقریباً تین سو پینتیس صفحات پر مشتمل ہے۔ دونوں شروح مطبوع ہیں اور دستیاب ہیں۔ ایک ہی صاحب سے دو شروح کا ظہور بہت انوکھا واقعہ ہے جس میں غالباً قبلہ والد صاحب نور اللہ مرقدہ کے علاوہ شیخ ابوشامہ دمشقی" مؤلف ''ابراز المعانی شرح حرز الامانی'' کا نام نامی ہی سامنے آتا ہے۔ شیخ دمشقی" کی ایک شرح کبیر کا نام ابراز المعانی میں ملتا ہے مگر وہ دستیاب نہیں ہے۔ نجم الصبیح التھانوی عفی عنہ)

﴿ قصیدہ رائیہ اور اس کی شروح: ﴾ حضرت امام شاطبی" کی دوسری تصنیف قصیدہ رائیہ ہے جو "عَقِيْلَةُ أَتْرَابِ الْقَصَائِدِ" کے نام سے بھی مشہور ہے حضرت العلامہ مضامین ختم کرنے کے بعد قصیدہ مذکورہ کے خاتمہ میں فرماتے ہیں ۔

تَمَّتْ عَقِيْلَةُ اَتْرَابُ الْقَصَائِدِ فِيْ ... اَسْنَى الْمَقَاصِدِ لِلرَّسْمِ الَّذِيْ بَهَرَا

تِسْعُوْنَ مَعْ مِائَتَيْنِ مَعْ ثَمَانِيَةٍ ... اَبْيَاتُهَا يَنْتَظِمْنَ الدُّرَّ وَالدِّرَرَا

''اپنے ہم مثل قصائد میں سب سے عمدہ قصیدہ مکمل ہوگیا جو اعلیٰ ترین مقصد (یعنی) رسم قرآن کے لئے لکھا گیا اور وہ رسم قرآنی سب رسموں پر غالب ہے اس قصیدہ کے اشعار دوسو اٹھانوے ہیں جو موتیوں کو اور بارش کے قطروں کو پروئے ہوئے ہیں۔''

عقیلہ عربی زبان میں عمدہ مال کو کہتے ہیں۔ امام شاطبیؒ نے اس قصیدہ کو عَقِيْلَةُ اَتْرَابِ الْقَصَائِدِ فرمایا تو عقیلہ ہی کے نام سے مشہور ہوگیا۔ قصیدہ لامیہ میں امام شاطبیؒ نے شیخ ابوعمرو دانیؒ کی کتاب التیسیر کو منظوم اور مختصر کیا اور قصیدہ رائیہ میں ان کی کتاب المقنع کو منظوم کیا۔ المقنع رسم قرآنی سے متعلق ہے۔ امام شاطبیؒ فرماتے ہیں:

وَهَاكَ نَظْمُ الَّذِيْ فِيْ مُقْنِعٍ عَنْ اَبِيْ ... عَمْرٍو وَفِيْهِ زِيَادَاتٌ فَطِبْ عُمُرَا

''اور تو اس مضمون کی نظم کو لے لے جو مقنع میں ابوعمروؒ کی جانب سے ہے اور اس میں کچھ زیادہ باتیں آ گئی ہیں۔ پس تو عمر کے اعتبار سے خوش ہو جا (قرآن کی خدمت میں مشغول ہوگا تو پاکیزہ طریقہ پر عمر گزرے گی)''

قصیدہ رائیہ کی بھی بہت سی شروح لکھی گئی ہیں۔ علامہ سخاویؒ نے بھی اس کی شرح لکھی جس کا نام الوسیلة الی کشف العقیلہ رکھا۔ نیز علامہ جعبریؒ نے بھی اس کی شرح لکھی جس کا نام جمیلة ارباب المراصد تجویز فرمایا۔ ملا علی قاریؒ نے بھی عقیلہ کی شرح لکھی اور اس کا نام الهبات السنية العلية على ابيات الشاطبية الرائية رکھا۔ صاحب کشف الظنون نے ان شروح کے علاوہ اور بھی چند شروح کا تذکرہ کیا ہے۔

شاطبی وقت حضرت الفاضل الاجل شیخ المقرئین القاری فتح محمد صاحب دامت برکاتہم نے بھی اردو زبان میں اس کی شرح لکھی ہے جو اسهل الموارد کے نام سے چھپ چکی ہے' (مطبوعہ قرآءت اکیڈمی لاہور) قاری صاحب موصوف نے اپنی شرح کے دیباچہ میں مزید تین شروح کا ذکر کیا ہے۔

(۱) افضل الدرر۔ مصنفہ خاتمۃ القراء فی الہند شیخ القراء حضرت مولانا قاری المقری عبدالرحمٰن مکی ثم الہ آبادی۔ (مطبوعہ قرآءت اکیڈمی لاہور)

(۲) المعانی الجلیلة۔ مولفہ حضرت القاری المقری عبداللہ صاحب تھانوی ثم مرادآبادیؒ (جو سالہا سال تک مدرسہ الغرباء المعروف مدرسہ شاہی مرادآباد میں شیخ التجوید رہے)

(۳) شرح موسیٰ بن جار اللہ القازانی دوستوفدونی ؒ۔

((۴) نیز علامہ قاصح ؒ (صاحب سراج القاری) کی شرح ''تلخیص الفوائد وتقریب المتباعد'' بھی بہت مشہور ہے۔ اس کے علاوہ قبلہ والد صاحب استاذ القراء والمجودین القاری المقری اظہار احمد التھانوی نور اللہ مرقدہ نے بھی ایک نہایت مفصل شرح لکھی جو اردو زبان میں سب سے زیادہ رسم اور تاریخ قرآن کے متعلق مواد کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اس کا نام ہے (۵) ایضاح المقاصد شرح عقیلۃ اتراب القصائد۔ مطبوعہ قرآءت اکیڈمی لاہور۔ قاری نجم الصبیح التھانوی عفی عنہ)

قصیدہ رائیہ اور اس کی اصل یعنی المقنع اور اس کی شروح اور رسم قرآنی پر لکھی جانے والی تمام کتب کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی ضرورت ہے۔ ملحدین اس کوشش میں ہیں کہ رسم قرآنی کے خلاف قرآن کو لکھا کریں یہ ان لوگوں کی سخت جہالت ہے امت کا اس پر اجماع ہے کہ مقررہ رسم کے خلاف قرآن مجید کا لکھنا اور طبع کرنا جائز نہیں۔

﴿ناظمۃ الزہر:﴾ یہ قصیدہ بھی رائیہ ہے جو ۲۹۷ اشعار پر مشتمل ہے حضرت امام شاطبی ؒ نے علامہ ابو عمرو دانی ؒ کی کتاب البیان کو منظوم کیا ہے جس میں ان آیات کی نشاندہی کی ہے جن کو سب ائمہ نے بالاجماع شمار کیا ہے اور وہ مواقع بھی بتائے ہیں جہاں بعض قراء نے وسط آیت مانا ہے اور بعض دیگر قراء نے وہاں آیت کا ختم ہونا تسلیم کیا ہے۔

شاطبی وقت حضرت مولانا قاری المقری الشیخ فتح محمد صاحب ؒ نے اس کی بھی شرح لکھی ہے جس کا نام کاشف العسر ہے اور دیباچہ میں اس کی چند شروح کا تذکرہ فرمایا ہے جن کے نام یہ ہیں (۱) لوامع البدر' (۲) بشیر الیسیر' (۳) معالم الیسر۔

﴿قصیدہ دالیہ:﴾ اس میں پانچ سو اشعار ہیں یہ علامہ ابن عبدالبر ؒ کی کتاب التمہید کا منظوم خلاصہ ہے۔ اس کی کسی شرح کا علم نہ ہو سکا اور یہ بھی پتہ نہ چل سکا کہ یہ طبع ہوئی یا نہیں۔ (''التمہید لما فی الموطا من المعانی و الاسانید'' مؤلفہ حافظ ابن عبدالبر القرطبی الاندلسی ؒ م ۴۶۳ھ کی کتاب ہے۔ یہ دراصل موطاء کی شرح اور اس کی اسانید حدیث کی تحقیق اور اس ضمن میں فقہ وحدیث کی بے شمار معلومات پر مبنی ہے اس کی ترتیب رواۃ کے نام پر ہے بعد ازاں حافظ ابن عبدالبر ؒ نے ہی ''التمہید'' کا اختصار کیا جس کا نام ''الاستذکار'' رکھا۔ پھر اسی کتاب ''التمہید'' کا اختصار ابن رشیق قیروانی ؒ التوفی ۴۵۶ھ نے کیا۔ کتاب کا نام معلوم نہیں۔ بعد ازاں شیخ زین الدین عمر حلبی ؒ نے بھی ''التمہید'' کا اختصار کیا جس کا نام ''الاتقاء'' ہے۔

علامہ ابن عبدالبر القرطبیؒ کی اسی کتاب کو امام القاسم بن فیرہ شاطبیؒ نے منظوم کیا یہ قصیدہ صرف پانچ سو اشعار پر مشتمل ہے اور قصیدہ دالیہ کے نام سے معروف ہے یعنی قصیدہ دالیہ کی اساس امام مالکؒ کی ''المؤطا'' ہے۔ قاری نجم الصبیح التھانوی عفی عنہ)

﴿وفات:﴾ حضرت امام شاطبیؒ نے بتاریخ ۲۸ جمادی الثانی ۵۹۰ ہجری بروز یکشنبہ قاہرہ میں وفات پائی۔ اور قرافہ کے قبرستان میں مدفون ہوئے اور خطیب جامع مصر ابواسحٰق عراقیؒ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

علامہ جزریؒ نے فرمایا کہ میں نے بارہا ان کی قبر کی زیارت کی اور میں نے وہاں قبولیت دعا کی برکت دیکھی۔ (مفتاح السعادۃ' وابن خلکان)

﴿اولاد:﴾ حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے حسن المحاضرہ میں لکھا ہے کہ حضرت امام شاطبیؒ نے چند عدد اولاد چھوڑی جن میں الکمال الضریر المقریؒ کی زوجہ بھی ہیں' پھر دو صفحات کے بعد الکمال الضریرؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

یعنی شیخ القراء علی بن الشجاع جو الکمال الضریر کے لقب سے مشہور تھے حضرت امام شاطبیؒ کے داماد اور شاگرد اور ان کی صاحبزادی کے شوہر تھے انہوں نے زمانہ دراز تک قرآءت کی تدریس کی (ان کے زمانہ میں) قرآءت کی سرداری ان پر ختم تھی وہ امام تھے' دیگر علوم میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ (تاریخ وفات ۷ ذی الحجہ ۶۶۲ھ) علامہ جزریؒ نے النشر میں الشاطبیہ کے روایت کرنے والے حضرات کے ناموں میں ناظم قصیدہ کے صاحبزادہ محمدؒ اور ان کے داماد علی بن شجاعؒ کا بھی ذکر کیا ہے۔ رحمھم اللہ تعالی وامطر علیھم شابیب رضوانہ۔ (نوٹ: نیز علامہ جزریؒ نے غایۃ النھایہ میں شیخ شجاع الکمال الضریرؒ کے بیٹے اور امام شاطبیؒ کے نواسے کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ قاری نجم الصبیح التھانوی عفی عنہ)

قدوۃ المحققین عمدۃ المقرئین الشیخ الاجل شمس الدین ابو الخیر

محمد بن محمد بن محمد الجزریؒ

﴿پیدائش' نام' کنیت' لقب اور وطن﴾ حضرت العلامہ امام القراءات والتجوید صاحب المقدمۃ الجزریہ کا نام نامی اور اسم گرامی محمد ہے آپ کے باپ دادا کا بھی یہی نام تھا۔ آپ کی کنیت ابوالخیر اور لقب شمس الدین ہے آپ کو الجزری اور ابن الجزری سے زیادہ یاد کیا جاتا ہے۔ الجزری جزیرہ ابن عمر کی طرف منسوب ہے جو شہر موصل کے شمال میں واقع ہے اس کو نہر دجلہ بصورت ہلال تین جانب سے گھیرے ہوئے ہے بظاہر

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے آباء واجداد اس جزیرہ کے باشندے تھے (مگر اس کی تصریح نہیں ملی) جن کی طرف یہ جزیرہ منسوب ہے عبداللہ بن عمرؓ (مشہور صحابیؓ) نہیں ہیں بلکہ یہ عبدالعزیز بن عمر برقعیدی ہیں جنہوں نے یہ جزیرہ آباد کیا تھا (المنح الفکریہ وغیرہ)

آپ کی ولادت ۲۵ رمضان المبارک ۷۵۱ ہجری کی شب میں دمشق میں ہوئی اور وہیں پرورش پائی۔

والد کی دعا۔ ماہرین سے استفادہ اور تجوید وقرآءت میں کمال اور مقبولیت عامہ

علامہ جزریؒ کے والد کو شادی کیے چالیس سال گزر گئے تھے کوئی اولاد نہیں ہوئی جب انہوں نے حج کیا تو چاہ زمزم پر آئے اور آب زمزم پی کر دعا کی یا اللہ مجھے ایک ولد صالح عطا فرما جو عالم بھی ہو اللہ جل شانہ نے دعا قبول فرمائی اور علامہ جزریؒ جیسا صالح، عالم باعمل، مفتی، فقیہ، محدث، قاضی نیز قاری ومقری عنایت فرمایا۔

بارہ سال کی عمر میں علامہ جزریؒ حفظ قرآن سے فارغ ہوئے پھر اپنے دور کے ماہر اساتذہ سے تجوید و قرآءت کی تحصیل کی اور قرآءت وتجوید میں ایسے لگے کہ اس کے امام ہوگئے، آپ جدھر کو نکل جاتے پروانوں کی طرح مستفیدین گھیر لیتے اور جہاں قیام فرماتے وہیں تجوید وقرآءت کے محصلین اور حدیث کے طلباء کا تانتا بندھ جاتا۔ آپ کی شخصیت علوم القراءات کا مرکز بنی ہوئی تھی اور آپ کی ذات گرامی ایک چلتا پھرتا مدرسہ تھی گو آپ اپنے زمانہ کے مشہور مدارس قرآءت کے شیخ القراء بھی رہے اور کئی جگہ خود بھی مدارس قائم کئے مگر ایسے باکمال حضرات کے فیضان کے لئے مدرسوں کے درودیوار کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ شیخ جزریؒ کے تذکرہ نگاروں نے آپؒ کو بڑے بڑے القاب سے یاد کیا ہے۔ آپ کے بارے میں کسی نے الحافظ الامام المقری اور کسی نے شیخ الاقراء فی زمانہ کہا ہے شیراز میں آپ کو الامام الاعظم کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔

حافظ ابن حجرؒ انباء الغمر میں لکھتے ہیں۔ **انتهت اليه رياسة علم القراء ات فى الممالك** یعنی ممالک اسلامیہ میں شیخ جزریؒ پر علوم قرآءت کی ریاست (یعنی سرداری) ختم ہوگئی، اس فن میں اور اس فن کی خدمت میں ان کے زمانہ میں بلکہ ان کے بعد بھی کوئی ان سے آگے نہیں بڑھ سکا اور اب تک یہ سرداری ان ہی پر ختم ہے۔

علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں:

قد تفرد بعلم القراء ات فى جميع الدنيا ونشره فى كثير من البلاد و كان اعظم فنونه واجل ما عنده۔ (البدر الطالع ج ۲ ص ۲۸۹)

"شیخ جزریؒ علم قرآءت میں ساری دنیا میں یکتا تھے اس علم کو بہت سے شہروں میں پھیلایا یہ علم

ان کے فنون میں سب سے زیادہ بزرگ تر اور ان کے علوم میں سب سے زیادہ نمایاں تھا۔"

حافظ سیوطیؒ ذیل طبقات الحفاظ میں لکھتے ہیں:

لا نظیر له فی القراء ات فی الدنیا فی زمانه حافظا للحدیث وغیره۔

"علوم قرآءت میں پوری دنیا کے اندر اپنے زمانہ میں آپ کا کوئی نظیر نہ تھا نیز حدیث اور دیگر علوم کے بھی حافظ تھے۔"

﴿اساتذہ کرام:﴾ علامہ جزریؒ قرآن کریم حفظ کر کے تحصیل علوم میں لگ گئے اور شیخ وقت القاری المقری عبدالوہاب بن السلارؒ سے افراداً قراءات پڑھیں۔ شیخ ابن السلارؒ کے بارے میں خود لکھتے ہیں کہ:

"یہ اپنے وقت کے امام تھے اور بہت صاحب خیر اور متدین آدمی تھے۔ ان کا کوئی ہمسر نہ تھا علوم و فنون مثلاً نحو وفقہ وتفسیر کے جامع تھے یہ سب سے پہلے شیخ ہیں جن سے میں متمتع ہوا میں پابندی کے ساتھ برابر ان کی خدمت میں حاضر دیتا رہا ان سے شاطبیہ کی تصحیح کی مجھے انہوں نے شاطبیہ درساً بھی پڑھائی اور عرضاً بھی میں نے ان کو سنائی۔ میں نے امام ابوعمروؒ کی قرآءت میں ان کو پورا ایک ختم سنایا لہٰذا انہوں نے مجھے ایسے وقت میں اجازت دی جب کہ میرے بالغ ہونے میں کافی دیر تھی۔" (غایۃ النہایۃ ج۱ص۴۸۳)

اور بطریق الجمع الکبیر شیخ ابوالمعالی ابن اللبانؒ سے قراءات پڑھیں۔ نیز شیخ ابن اللبانؒ سے دیگر کتابیں بھی پڑھیں۔

۷۶۸ ہجری میں حج کیا اور مدینہ منورہ کے امام وخطیب شیخ ابوعبداللہؒ سے قراءات پڑھیں' ۷۶۹ ہجری میں قاہرہ پہنچے وہاں ابوعبداللہ بن الصائغ" اور تقی بغدادی" وغیرہما سے قرآءات کی تحصیل کی' پہلے القراءة العشرہ پھر اثنا عشرہ پھر ثلثہ عشرہ پڑھیں۔

قاری ابومحمد محی الاسلام صاحب پانی پتی" نے شرح سبعہ قراءات میں لکھا ہے کہ صرف قراءات میں علامہ جزریؒ کے اساتذہ کرام چالیس کے قریب ہیں' اس کے بعد پھر دمشق میں آ گئے اور محدث دمیاطیؒ اور محدث ابرقوہیؒ کے تلامذہ سے حدیث پڑھی۔ آپ کے اساتذہ حدیث میں مشہور محدث ومفسر حافظ ابن کثیرؒ (صاحب البدایہ والنہایہ) اور محدث محمد بن المحب المقدسیؒ اور شیخ المحدثین حافظ عراقیؒ بھی ہیں۔ فقہ علامہ جمال الدین اسنویؒ سے اور شیخ الاسلام بلقینیؒ سے حاصل کی' علمی تشنگی نے اسکندریہ بھی پہنچایا اور وہاں کے اساتذہ سے بھی کسب فیض کیا۔ علم اصول اور معانی اور بیان کی تحصیل شیخ ضیاء الدین قرمیؒ سے کی۔ بڑے بڑے اکابر نے آپ کو تدریس اور اقراء کی اجازت دی۔ حافظ ابن کثیرؒ نے ۷۷۴ ہجری میں اور شیخ ضیاء الدینؒ نے ۷۷۸

ہجری میں اور شیخ الاسلام بلقینیؒ نے ۷۸۵ ہجری میں فتویٰ لکھنے کی اجازت دی۔

﴿درس وافادہ اور مختلف ممالک میں قیام اور اسفار حج کی تفصیلات:﴾ قراءات اور حدیث وفقہ کے اساتذہ کی اجازت کے بعد تدریس وتحدیث اور اقراء وافتاء کے مشاغل میں منہمک ہوگئے' چند سال جامع بنو امیہ میں تدریس قراءات کی خدمت انجام دی پھر دارالعلوم عادلیہ کے شیخ الاقراء مقرر ہوئے پھر دارالحدیث اشرفیہ کے شیخ بنا دیئے گئے پھر اپنے استاد شیخ عبدالوہاب ابن السلارؒ (متوفی ۷۸۲ ہجری) کی جگہ مدرسہ تربت ام الصالح کے شیخ الاقراء مقرر ہوئے اور اس مدرسہ میں اکابر اہل علم کی موجودگی میں درس دیا۔ ان ہی ایام میں الملک الظاہر برقوقؒ نے آپ کو جامع تونہ کا خطیب مقرر کیا اور دمشق میں آپ نے ایک مدرسہ بھی قائم کیا ۷۹۵ھ میں بیت المقدس میں مدرسہ صلاحیہ کی خدمت قبول فرمائی۔ اور ۷۹۷ ہجری تک اس خدمت کو انجام دیتے رہے ان سب مشاغل کے ساتھ ساتھ مملکت شام کی قضاء کا عہدہ بھی قبول فرمایا اور ۷۹۳ ہجری سے لے کر ۷۹۷ ہجری تک یہ خدمت انجام دی۔ پھر حکومت سے بگاڑ ہوگیا جس کی وجہ سے ۷۹۸ ہجری میں براہ اسکندریہ بلاد روم کا سفر اختیار کیا۔ یہاں شاہ ابویزید سے ملاقات ہوئی اس نے دارالسلطنت بروصا میں نہایت اکرام واعزاز کے ساتھ اپنے پاس ٹھہرایا' یہاں چند سال قیام کیا اور علوم القراءات اور حدیث کی خوب اشاعت کی اور ان کی ذات گرامی سے یہاں محصلین ومستفدین خوب متمتع ہوئے' پھر جب تیمور (۸۰۵ ہجری میں) بلاد روم میں داخل ہوا اور اس علاقہ پر قبضہ کرلیا تو شیخ جزریؒ کو اپنے ساتھ سمرقند لے گیا اور آپ تیمور کی وفات ہونے تک (جو ۸۰۷ ہجری میں ہوئی) وہیں رہے۔

تیمور کی وفات کے بعد ماوراء النہر کے علاقہ کو خیرباد کہا اور وہاں سے روانہ ہوگئے' پہلے خراسان پھر ہراۃ پہنچے اس کے بعد یزد اور پھر اصبہان آئے اور ہر جگہ درس دیتے اور فیض پہنچاتے ہوئے ۸۰۸ ہجری میں شیراز پہنچے اور یہ سفر ایک سال میں طے ہوا' شیراز کا حاکم اس وقت تیمور کا پوتا پیر محمد تھا اس نے آپ کو شیراز اور اس کے اطراف کا قاضی بنا دیا آپ اس سے پہلے شام میں بھی قاضی رہ چکے تھے' یہاں پر یہ عہدہ آپ نے بادل نخواستہ قبول کیا مگر طویل مدت تک خدمت قضاء انجام دیتے رہے۔

امور قضاء کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ تدریس وتحدیث اور اقراء کا سلسلہ برابر جاری رہا' یہاں بھی خوب فیض پہنچایا اور تشنگان علوم کو سیراب کیا ۸۲۲ ہجری میں حج کے لئے روانہ ہوئے راستہ میں بصرہ سے گزرے مگر اس سال حج نہ پاسکے کیونکہ رہزنوں نے آپ کو لوٹ لیا تھا۔ البتہ اس سے قبل طالب علمی کے دوران حج کرچکے تھے۔ رہزنوں کے لوٹ لینے کی وجہ سے مجبوراً چند ماہ ینبوع میں قیام کر کے ربیع الاول ۸۲۳ ہجری میں مدینہ

منورہ پہنچے۔ پھر اس سال رجب میں مکہ معظمہ آئے اور حرم میں مقیم ہو گئے' مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے دوران قیام بہت سے حضرات نے آپ سے کسب فیض کیا اور مدینہ کے زمانہ اقامت میں شیخ الحرم نے بھی آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ اس سال حج کر کے عراق کی طرف نکل گئے وہاں تجارت کی پھر ۸۲۶ ہجری میں اور اس کے بعد ۸۲۷ ہجری میں میں حج کیا۔ اس سال حج کر کے دمشق آئے (جو ان کا وطن تھا) پھر قاہرہ پہنچے وہاں سلطان اشرف سے ملاقات ہوئی وہ بڑی تعظیم و تکریم سے پیش آیا یہاں بھی تشنگان علوم کا تانتا بندھ گیا اور استفادہ کی غرض سے قرآءت و حدیث کے طالبین جوق در جوق حاضر خدمت ہو گئے۔ یہاں جب تک قیام رہا سلسلہ تدریس جاری رہا۔

مفتاح السعادۃ میں لکھا ہے:

''شیخ جزری جب قاہرہ آئے اور مستفیدین کا اژدہام ہوا تو اتنا وقت نہ ملتا تھا کہ ہر ایک کو الگ الگ وقت دیتے اور سب سے علیحدہ علیحدہ سنتے لہٰذا آپ ایک آیت سب کے سامنے پڑھ دیتے تھے پھر یکبارگی وہ حضرات اس کا اعادہ کرتے تھے آپ نے محض اپنے سنانے پر اکتفا نہیں کیا (بلکہ خود سنا کر حاضرین سے بھی سنا) (ج ۲ ص ۲۶۰)

قاہرہ میں کچھ قیام کرنے کے بعد بحری راستہ سے یمن کا سفر کیا گو یہ سفر تجارت تھا مگر محصلین و مستفدین کا جمگھٹا ہو گیا خود والی یمن نے آپ سے حدیث کا سماع کیا اور حدیث کی اجازت لی۔ یمن میں آپ کی کتاب الحصن والحصین کا بہت چرچا تھا جن حضرات نے اس سے پہلے آپ سے اس کتاب کا سماع کیا تھا ان میں سے بہت سے آدمی وفات پا چکے تھے' اس موقع پر بعض حضرات نے آپ سے دوبارہ سماع کیا اور وفات پا جانے والے حضرات کی اولاد نے موقعہ غنیمت جان کر بلا واسطہ صاحب کتاب سے کتاب سنی۔ اہل یمن اس کتاب کی تحصیل اور روایت میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔

یمن سے مکہ معظمہ آئے اور بہت سے اموال ہمراہ لائے۔ ۸۲۸ ہجری میں پھر حج کیا' حج کے بعد قاہرہ کا سفر کیا اور اوائل ۸۲۹ ہجری میں قاہرہ پہنچے پھر شام اور بصرہ سے ہوتے ہوئے شیراز پہنچے یہاں چند سال قیام کرنے کے بعد وفات پائی۔

(الضوء اللامع۔ الشقائق النعمانیہ۔ شذرات الذہب۔ غایۃ النہایہ۔ شرح سبعہ قراءات)

﴿ مجددین کی فہرست میں: ﴾ دینی خدمات اور قرآن و حدیث کی تعلیم و تدریس اور سنت کی تبلیغ و ترویج کی وجہ سے بعض حضرات نے علامہ جزریؒ کو آٹھویں صدی ہجری کے مجددین میں شمار کیا ہے جس کی تفصیل

مجموعہ فتاویٰ عبدالحیٔ" میں مذکور ہے۔ اور درحقیقت آپ کو مجدد کہنا صحیح اور درست ہے۔

﴿علامہ جزریؒ امراء اور ملوک کی نظر میں:﴾ امام جزریؒ کو اللہ تعالیٰ نے مقبولیت عامہ سے نوازا تھا۔ علماء قراء محدثین، امراء اور ملوک سب ہی ان سے محبت کرتے اور اکرام واحترام سے پیش آتے تھے۔ الملک الظاہر برقوق" نے فضل وکمال دیکھ کر آپ کو جامع زیتونہ کا خطیب مقرر کیا۔ امیر شطلبک نے آپ کو قاضی بنایا پھر جب روم کے دارالسلطنت بروصا پہنچے تو وہاں کا فرنرواشاہ ابو یزید بن عثمان" بہت تعظیم وتکریم سے پیش آیا اور اپنے پاس قیام کرایا۔ پھر جب تیمور نے شاہ مذکور کو قید کر لیا تو تیمور نے آپ کو اپنے پاس بلا لیا اور تادم آخر ساتھ رکھا اور برابر تعظیم وتکریم سے پیش آتا رہا۔ شیراز پہنچے تو وہاں کے حاکم پیر محمدؒ نے اپنی سلطنت کا قاضی القضاۃ مقرر کیا اور بہت عزت سے رکھا۔ یمن پہنچے تو وہاں کے حاکم نے بھی بہت قدر دانی کی اور اپنے زیر اہتمام ان سے حدیث کا درس دلایا۔ قاہرہ پہنچے تو سلطان اشرف نے بہت تعظیم وتکریم کی۔ (الضوء اللامع، الشقاق النعمانیہ)

تیمور کے بہت سے کام مورخین نے ایسے نقل کیے ہیں جو بہت زیادہ قابل اعتراض ہیں لیکن ان کے باوجود علماء اور اکابر دین سے خاص عقیدت رکھتا تھا ان حضرات کی خدمت و پرورش کرنا اور ان کو اپنے پاس رکھ کر کسب معاش سے بے فکر کر دینا یہ اس کا لائق تحسین کارنامہ ہے۔ خدا جانے کتنے حضرات اس کے پاس رہے اور بے فکری سے تالیف وتصنیف کرتے رہے، میر سید شریف جرجانی" ۔ علامہ تفتازانیؒ۔ علامہ جزریؒ ان حضرات میں سے ہیں جو تیمور کے پاس رہے ہیں۔ تیمور علماء ومشائخ کی نہ صرف تعظیم وتکریم کرتا تھا بلکہ اپنی سمجھ کے مطابق ان میں فرق مراتب کا بھی خیال رکھتا تھا چنانچہ میر سید شریف جرجانی" کو علامہ تفتازانی" پر ترجیح دیتا تھا اور کہتا تھا کہ فرضنا انهما سيان في الاصل والعرفان فلسيد شرف النسب (الفوائد البھیہ ص ۱۲۵) یعنی اگر ہم فرض کر لیں کہ یہ دونوں علم وعرفان میں برابر ہیں پھر بھی سید شریف" کو نسبی شرف کی وجہ سے ترجیح ہے لیکن سید شریف" سے ایسی بھرپور عقیدت کے باوجود علامہ جزریؒ کو میر سید شریف" پر ترجیح دیتا تھا۔ اس کا ایک واقعہ صاحب الشقائق النعمانیہ نے علامہ جزریؒ کے صاحبزادہ محمد بن الجزری کے تذکرہ میں نقل کیا ہے کہ جب تیمور علامہ جزریؒ کو ماوراء النہر لے گیا اور وہ وہاں رہنے لگے تو ایک موقعہ پر اس نے ایک عظیم الشان دعوت ولیمہ کا انتظام کیا اس میں اپنی داہنی جانب علماء کو بٹھایا اور بائیں جانب امراء مملکت کو جگہ دی اور بیٹھنے کی ترتیب میں علامہ جزری" کو سید شریف جرجانیؒ پر فوقیت دی اور اس بارے میں جب لوگوں نے کچھ کہا تو جواب دیا کیف لا اقدم رجلا عارفا بالكتاب والسنة ويشاور ما اشكل منهما النبي صلى الله عليه

وسلم بالذات فيحل۔ یعنی میں ایسے شخص کو کیوں ترجیح نہ دوں جسے کتاب وسنت کا بھرپور علم ہے اور جو کتاب وسنت میں پیش آمدہ اشکال کو براہ راست نبی اکرم ﷺ سے حل کر لیتا ہے۔ (الشقائق النعمانیہ برہامش ابن خلکان ج ا ص ۴۷)

﴿حافظ ابن حجر عسقلانیؒ سے ملاقات:﴾ صاحب فتح الباری شہاب الملۃ والدین حافظ ابن حجر عسقلانیؒ المولود ۷۷۳ ہجری والمتوفی ۸۵۲ ہجری بھی علامہ جزریؒ کے زمانہ میں تھے۔ عمر میں علامہ جزریؒ سے ۲۲ سال چھوٹے تھے دونوں کی ذات بابرکات تھی۔ علامہ جزریؒ تجوید وقراءت کے امام اعظم تھے اور حافظ ابن حجرؒ حدیث اور اصول حدیث میں مرجع خلائق تھے۔

جیسا کہ علامہ جزریؒ کے بعد کوئی ایسا شخص پیدا نہیں ہوا جس کی کتب کو بعد والوں نے سرمایہ علم بنا کر مدار تحقیق قرار دیا ہو۔ ایسے ہی حافظ ابن حجرؒ کے بعد حدیث اور اس کے متعلقہ علوم میں مہارت رکھنے والا کوئی ایسا شخص پیدا نہیں ہوا جس کی کتابوں نے دیگر کتب سے بے نیاز کر دیا ہو۔

ہمارے استاذ اور مرشد محدث العصر حضرۃ العلامہ محمد زکریا صاحبؒ نے فرمایا کہ حافظ ابن حجرؒ کے بعد کوئی شخص محدث نہیں بن سکتا جب تک کہ ان کی جوتیاں اپنے سر پر نہ رکھے (یعنی ان کی کتب سے استفادہ کئے بغیر محدث نہیں بن سکتا) ولقد صدق

حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ میں نے علامہ جزریؒ سے ۷۹۷ ہجری میں ملاقات کی تھی انہوں نے مجھے دمشق جانے کی ترغیب دی اس سے قبل بطور وجادہ ان کی کتاب الحصن حصین کی روایت کرتا تھا۔ نیز لکھا ہے کہ مکہ مکرمہ کے دوران قیام انہوں نے اپنے ہاتھ سے میری شرح بخاری کے مقدمہ کے شروع کا حصہ لکھا اور چند آدمیوں کو لگا کر تکمیل کرائی اور پورا مقدمہ حاصل کر لیا۔ علامہ جزریؒ نے حافظ ابن حجرؒ اور ان کی اولاد کو مندرجہ ذیل اشعار میں اپنی روایات اور اپنی تالیفات کی اجازت دی ۔

انی اجزت لهم رواية كل ما ... ارويه من سنن الحديث ومسند
وكذا الصحاح الخمس ثم معاجم ... والمشيخات وكل جزء مفرد
وجميع نظم لى ونثر والذى ... الفت كالنشر الذكى ومنجد
فالله يحفظهم ويبسط فى حيا ... ة الحافظ الحبر المحقق احمد
وانا المقصر فى الورى العبد الفقى ... ر محمد بن محمد بن محمد

علامہ جزریؒ نے شیراز سے حافظ صاحب موصوف کے لئے اپنی کتاب النشر ہدیۃً بھیجی اور دونوں

جلدوں پر حافظ صاحب کے لئے اجازت تحریر فرمائی اور لکھا کہ اس کتاب کو مصر میں پھیلانے کی کوشش کریں۔ (الضوء اللامع)

﴿فصاحت وسخاوت:﴾ حافظ ابن حجرؒ ابناء الغمر میں لکھتے ہیں:

كان مثريا شكلا حسنا وفصيحًا بليغًا كثير الاحسان لاهل الحجاز انتهت اليه رياسة علم القراء ات في الممالك۔

''آپ دولت مند تھے شکیل وحسین تھے، فصیح و بلیغ تھے۔ اہل حجاز کے ساتھ بہت زیادہ سلوک کرتے تھے قراءات میں سارے ممالک میں ان پر سرداری ختم ہوگئی۔''

﴿عبادت:﴾ علامہ جزریؒ کو عبادت کا بھی خاص ذوق تھا۔ تحدیث حدیث اور تدریس قراءات اور تصنیف وتالیف سراپا عبادت ہیں۔ علامہ جزریؒ جیسا شخص اگر فرائض اور سنن پر بس کر کے اشاعت دین میں باقی وقت لگائے اور نوافل میں مشغول نہ ہو تو یہ جائز ہی نہیں بلکہ بہتر ہے لیکن جس کا باطن اخلاص وللّٰہیت سے معمور ہو اس سے صبر ہوتا ہی نہیں جب تک کہ کثیر نوافل اور اذکار واوراد میں وقت نہ لگائے۔ من احب شيئا اكثر ذكره جسے کسی سے محبت ہوتی ہے تو اس کا ذکر بہت کرتا ہے جب اللہ جل شانہ سے قلبی تعلق ہو تو اس کے ذکر کا ذوق کیونکر نہ ہوگا اور عبادت وریاضت کے بغیر کیسے تسلی ہوگی؟

خاصان خدا تعلیم وتدریس کے ساتھ ساتھ کثرت عبادت وذکر کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ قاضی القضاۃ امام ابو یوسفؒ جیسے کثیر المشاغل فقیہ ومحدث ساری علمی مشغولیتوں اور عہدہ کی ذمہ داریوں کے باوجود روزانہ دو سو رکعت نوافل پڑھا کرتے تھے۔ علامہ جزریؒ بھی خاصان خدا میں سے تھے۔ ذکر وعبادت کا خاص ذوق رکھتے تھے اس کی وجہ سے تدریس وتحدیث اور تالیف وتصنیف میں بھی برکت ہوتی ہے اور ذکر وعبادت کے انوار سے علمی کاموں میں نورانیت وللّٰہیت آ جاتی ہے۔ صاحب اتحاف النبلاء لکھتے ہیں:

''باوجودیکہ ان کے پاس ان دو علوم (قرآءت وحدیث) کے طلباء کا ہجوم رہتا تھا اوراد اور عبادت میں اوقات خرچ کرتے تھے اور (تدریس وعبادت کے شغل کے علاوہ) روزانہ اس قدر تصنیف کرتے تھے کہ زود نویس کاتب ہی اس کو نقل کر سکتا تھا سفر وحضر میں شب بیدار رہتے تھے اور رات کے نوافل پابندی سے پڑھتے تھے پیر اور جمعرات کا روزہ کبھی ناغہ نہ ہوتا اور ان کے علاوہ ہر ماہ کے تین روزے بھی رکھتے تھے۔''

﴿امام جزریؒ کی تالیفات:﴾ علامہ جزریؒ تدریس وافتاء اور تحدیث واقراء کے مشاغل کے ساتھ تالیف

وتصنیف کا شغل بھی برابر رکھتے تھے سفر وحضر میں یہ سلسلہ جاری رہتا تھا' نوعمری ہی میں انہوں نے کتابیں لکھنا شروع کر دی تھیں بعض کتب سے سترہ سال کی عمر میں لکھنے کا تذکرہ ملتا ہے ابھی بحوالہ اتحاف النبلاء گزرا ہے کہ روزانہ اس قدر تصنیف کرتے تھے جس قدر ایک جیدز ودنویس کاتب لکھ سکتا ہے اللہ جل مجدہ کی توفیق سے بڑی بلند پایہ کتابیں لکھیں جو ان کی زندگی ہی میں معروف ومشہور ہو گئیں اور عوام وخواص ان سے بہت فیضیاب ہوئے اور آج تک مستفیض ہو رہے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ آپ کے بعد کوئی شخص آپ کی کتابوں سے بے نیاز ہو کر مجود و قاری نہ بنا تو ایسا کہنا بے جا نہ ہوگا۔ بعض بندوں کی کتابوں کو اللہ جل شانہ ایسی مقبولیت سے نوازتے ہیں کہ صدیوں تک ان سے فیض ہوتا رہتا ہے۔ علامہ جزریؒ کی کتابوں کو بھی خداوند عالم جل مجدہ نے یہی شرف بخشا۔ عہد اول سے جو مقبولیت عامہ نصیب ہوئی آج تک اس میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ مورخ ابن العمادؒ لکھتے ہیں۔

فانه كان عديم النظير طائر الصيت انتفع الناس بكتبه وسارت في الافاق مسير الشمس۔ (شذرات الذهب ج ۷ ص ۲۰۶)

''آپ اپنی نظیر نہ رکھتے تھے' مشہور خلائق تھے لوگ ان کی کتب سے منتفع ہوئے' ان کی تالیفات اطراف عالم میں ایسی تیزی سے چلیں جیسے آفتاب کی رفتار ہوتی ہے۔

قاری محی الاسلام پانی پتیؒ شرح سبعہ قراءت میں لکھتے ہیں کہ آپ کی تمام تصانیف محققانہ ہیں۔ نشر کبیر میں تو کمال کیا ہے۔ ہر اختلافی مسئلہ کی ایسی چھان بین کی ہے کہ اس سے فوق ممکن نہیں' تیسری صدی سے آٹھویں صدی تک کی تمام تصانیف کے حوالے نقل کئے ہیں اور مذہب منصور بتایا ہے اور ہر جگہ قُلْتُ کہہ کر رائے دی ہے جو تقریباً حق وصواب اور درست ہوتی ہے۔ سب سے زیادہ یہ کہ دو صدیوں سے جو مقلدانہ رنگ چڑھا ہوا تھا اس کو دور کیا اور شاطبیہ کے متاخرین شارحوں نے عربیت اور رسم کی بناء پر بلا مساعدت نقل جو وجوہ ضعیفہ بیان کر دی تھیں ان کی تردید کر دی۔ خود فرماتے ہیں ''یہ کتاب ... اءات عشرہ کے لئے نشر ہے جو شخص یہ کہتا ہے کہ یہ علم مر گیا ہے اس سے کہہ دو کہ نشر سے زندہ ہو گیا۔'' یہ مبالغہ نہیں واقعہ ہے۔ کاش آپ کے بعد کوئی اور ایسا ماہر پیدا ہوتا۔ بعد کے تمام مؤلفین ومصنفین کا بڑا ماخذ نشر ہے اور اس کی تحقیق پر ہر شخص کا اعتماد ہے (شرح سبعہ قراءات ص ۱۰۳)

﴿مقدمۃ الجزری:﴾ علامہ جزریؒ کی متعدد تالیفات متعلقہ تجوید وقراءت مشہور ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور مقدمۃ الجزری ہے جو سو سے کچھ اوپر اشعار پر مشتمل ہے' تالیف کے بعد ہی سے اس کی

مقبولیت عام ہوگئی اور صدیاں گزر جانے پر بھی کوئی طالب العلم اس کی تعلیم سے بے نیاز نہیں ہے اور گو اس کے بعض اشعار چیستاں کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس کے بعد اور بھی بہت سی سہل الحصول کتابیں لکھی جا چکی ہیں جو مبتدیوں کے لئے آسان ہیں مگر پھر بھی ان کی طرف مدرسین اور محصلین کا التفات بہت زیادہ نہیں ہے' مقبولیت عامہ کی وجہ سے علامہ جزریؒ کی یہ کتاب مرکز تجوید بنی ہوئی ہے تجوید کے تقریباً تمام ہی مدارس میں داخل درس ہے اور سند لینے کے لئے اس کا پڑھنا اور یاد کرنا شرط ہے' مقدمۃ الجزری پڑھ کر لاکھوں آدمی مجود بن گئے اور برابر اس کا فیض جاری ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

﴿مقدمۃ الجزری کی عربی اور ترکی شروح:﴾ جس کتاب کی مقبولیت عام ہو جاتی ہے اس کی شروح وحواشی بھی کثیر تعداد میں لکھے جاتے ہیں۔ صاحب کشف الظنون نے ان کی گیارہ شروح ذکر کی ہیں۔

علامہ جزریؒ کے بیٹے ابوبکر احمد الجزریؒ نے باپ کی زندگی میں اس کی شرح لکھی جس کا نام کشف الظنون میں **الحواشي المفهمه شرح المقدمه** بتایا ہے اور غالباً اس کتاب کی یہ پہلی شرح ہے (مطبوعہ قرآءت اکیڈمی لاہور) دوسری شرح شیخ الاسلام زکریا الانصاریؒ کی ہے۔ جس کا نام **الدقائق المحكمه في شرح المقدمه** ہے' تیسری شرح شیخ احمد بن محمد قسطلانیؒ صاحب مواہب اللدنیہ کی ہے جس کا نام **العقود السنيه** ہے' چوتھی شرح رضی الدین محمد بن ابراہیم حلبیؒ کی ہے اور اس کا نام **الفوائد الدريه** ہے۔ پانچویں شرح شارح شفاء شیخ شمس الدین محمد بن محمد دلجی کی ہے اور چھٹی شرح احمد بن مصطفےٰ طاش کبریٰ زادہؒ کی ہے۔ ساتویں اور آٹھویں شرح شیخ زین الدین عبد الدائم ازہریؒ کی ہے۔ (انہوں نے دو شرحیں لکھی ہیں) نویں شرح شیخ خالد بن عبد اللہ ازہری کی ہے۔ (یہ شروح عربی میں ہیں)

دسویں شرح شیخ محمد بن عمر قودر آفندیؒ کی ہے۔ جو ترکی زبان میں ہے ان شروح کے علاوہ ایک اور شرح کا ذکر صاحب کشف الظنون نے کیا ہے مگر شارح کا نام نہیں بتایا۔ بارہویں شرح ملا علی قاریؒ کی ہے جس کا نام المنح الفکریہ ہے جو سب شروح سے زیادہ مشہور اور معروف ومتداول ہے' (المنح الفکریہ مطبوعہ قرآءت اکیڈمی لاہور) تیرہویں شرح علامہ مقدسیؒ کی ہے اور چودہویں شرح شیخ ابن غازیؒ کی ہے اور پندرہویں شرح شیخ حجازیؒ کی ہے ان شروح کا تذکرہ شیخ محمد مکی نصرؒ نے نہایۃ القول المفید کے دیباچہ میں کیا ہے اور ملا علی قاریؒ نے اپنی شرح میں بعض جگہ شارح یمنیؒ کا کلام ذکر کر کے رد کیا ہے اور شارح مصریؒ پر لے دے کی ہے' یہ شارح مصری کشف الظنون میں مذکورہ شراح کے علاوہ ہیں یا ان ہی میں سے کوئی شارح ہیں اس کی تحقیق نہ ہو سکی۔

﴿اردو فارسی شروح:﴾ فارسی میں مولانا کرامت علی جونپوریؒ نے ایک شرح لکھی تھی پھر اس کے بعد انہوں نے اردو میں شرح لکھی جو شرح جزری ہندی کے نام سے مشہور ہے۔ (مطبوعہ قرآءت اکیڈمی لاہور۔ اس کی تصحیح زبان اور بعض مسائل کے حل کے لیے راقم الحروف نے حواشی لگائے ہیں۔ دیدہ زیب اور عمدہ طریقہ پر چھپ گئی ہے قاری نجم الصبیح التھانوی عفی عنہ) احقر کے استاذ حضرت العلامہ مولانا الفقیہ المحدث المجود القاری المقری سعید احمد اجراڑویؒ نے بھی اس کی شرح لکھی تھی جس کا نام **القلائد الجوهریه فی جید المقدمة الجزرية** ہے۔ یہ شرح آپ نے اس وقت لکھی تھی جب جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں شیخ التجوید تھے بعد میں جامعہ مذکورہ میں مفتی اعظم کے عہدہ پر فائز ہو گئے۔ احقر نے اسی زمانہ میں آپ سے مشکوٰۃ المصابیح پڑھی تھی۔ پھر جب حضرت استاذی العلامہ مولانا القاری المقری محمد سلیمان الدیوبندیؒ جامعہ مذکورہ کے شیخ التجوید مقرر ہوئے تو انہوں نے بھی سلسلہ تالیف جاری رکھا آپ نے **فوائد مرضیہ شرح مقدمہ جزریہ** لکھی یہ شرح ۱۳۵۳ ہجری میں لکھی گئی حضرت الاستاذ الاجل المحدث الادیب اللغوی مولانا محمد اسعد اللہ صاحب نفعنا اللہ بعلومہ ناظم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور نے اس کی تاریخ تالیف ظاہر کرنے کے لئے ایک شعر اردو میں اور ایک قطعہ فارسی میں کہا اردو شعر یہ ہے ۔

سامان آخرت ہے حقیقت میں یہ کتاب تاریخ بھی ہے اس لئے سامان آخرت ۱۳۵۳ھ

قطعہ:

چوں سلیمان مجود بہر حق کرد تالیف ایں کتاب خوب و بہ
سال ہجری بے تکلف نظم شد یک الف و سہ صد و پنجاہ وسہ

حضرت الاستاذ مولانا القاری المقری محمد سلیمان صاحب اعلی اللہ درجاتہ نے فوائد مرضیہ کے علاوہ بھی دیگر کتب لکھیں جن میں ضیاء التجوید اور رہنمائے تجوید زیادہ معروف ہیں۔ ضیاء التجوید اپنے استاذ حضرت العلامہ القاری المقری ضیاء الدین صاحب الہ آبادیؒ کے نام پر نام رکھا۔ جواہر ضیائیہ کا تذکرہ شاطبیہ کے شروح کی فہرست میں ہو چکا ہے (فوائد مرضیہ مطبوعہ قرآءت اکیڈمی لاہور) علامہ زمان حضرت مولانا القاری المقری رحیم بخش صاحبؒ سابقہ شیخ الاقراء والتحفیظ خیر المدارس ملتان نے بھی مقدمۃ الجزری کی شرح لکھی ہے جس کا نام **العطایا الوهبیه** ہے یہ شرح بہت مفصل اور جامع ہے بڑی تحقیق اور تدقیق کے ساتھ لکھی گئی ہے اساتذہ کے مطالعہ کے قابل ہے احقر نے اپنی پیش نظر شرح **التحفة المرضيه** تقریباً ایک ثلث لکھ لیا تھا کہ **العطایا الوهبیه** نظر سے گزری اس کو دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا در حقیقت اس کے ہوتے ہوئے اردو میں کسی شرح کی ضرورت نہیں مگر چونکہ احقر معتد بہ مقدار لکھ چکا تھا اور سہل عبارت میں لکھ رہا تھا اس لئے انجام تک

پہنچانا مناسب جانا۔ اگر اساتذہ کرام کے لائق نہ ہو تو طلباء کو تو انشاء اللہ تعالیٰ ضرور فائدہ ہوگا۔ اس کے بعد اردو میں دو شرح اور نظر سے گزریں۔ اول شرح قاری شریف احمد صاحبؒ کی اور دوسری قاری اظہار احمد تھانوی کی۔ (قبلہ والد صاحب مرحوم حضرت استاذ القراء والمجودین قاری المقری اظہار احمد التھانوی نور اللہ مرقدہ کی شرح ''الجواہر النقیہ فی شرح المقدمۃ الجزریہ'' بڑے سائز کے تین سو صفحات پر مشتمل ہے۔ میرے قابل احترام استاذ الشیخ القاری المقری سیدی ومولائی محمد ادریس العاصم دامت برکاتھم العالیہ اس شرح کے متعلق اپنی کتاب ''تدریب المعلمین'' میں فرماتے ہیں ''الجواہر النقیہ میں میرے استاذ محترم نے المقدمۃ الجزریہ کے حل وتوضیح کا حق ادا کر دیا ہے ایسی مفصل پُر مغز اور عام فہم تشریح فرمائی ہے کہ اس سے زیادہ بہتر مفصل اور عمدہ تشریح ممکن نہیں ہے'' علماء مظاہر علوم کے حالات پر جو کتاب محمد شاہد سہارنپوری نے لکھی ہے اس میں الجواہر النقیہ کے متعلق لکھا ہے کہ یہ ''مظاہر علوم کے لیے سرمایہ افتخار ہے''۔

یاد رہے کہ قبلہ والد صاحبؒ نے المقدمۃ الجزریہ کی اولین شرح جو علامہ جزریؒ کے بیٹے علامہ احمد الجزریؒ نے کی ہے اس کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے جو شرح مذکور کے ہمراہ چھپ رہا ہے۔ العارض قاری نجم الصبیح التھانوی عفی عنہ) اللہ تعالیٰ سب کو قبول فرمائے۔

﴿تجوید وقراءات میں علامہ جزریؒ کی دیگر تالیفات:﴾ (۲) النشر فی القراءات العشر' یہ کتاب دو جلدوں میں ہے اور بڑی محققانہ کتاب ہے اس کے بارے میں امام فن حضرت قاری محی الاسلام پانی پتیؒ کا ارشاد ان ہی اوراق میں گزر چکا ہے شیخ جزریؒ کے بعد آنے والے قراء ومجودین نے اس پر اعتماد کیا ہے صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں وھو الجامع لجمیع طرق العشرۃ لم یسبق الی مثلہ۔ یعنی النشر تمام طرق عشرہ کو جامع ہے اور اس جیسی کتاب اس سے پہلے نہیں لکھی گئی۔ حافظ ابن حجرؒ نے شیخ جزریؒ کی کتابوں کا ذکر کرتے ہوئے طبقات القراء کے بارے میں فرمایا ہے اجاد فیہ (اس میں کمال کیا ہے) اور النشر کے بارے میں فرمایا کہ جودہ (یعنی بہت عمدہ کتاب لکھی)

(۳) تقریب النشر پھر علامہ جزریؒ نے خود ہی النشر کا اختصار کیا اور اس کا نام التقریب رکھا۔ قاضی ابوالفضل محمد بن الشحنہؒ اور شیخ مصطفیٰ ازمیریؒ نے بھی النشر کا اختصار کیا جیسا کہ کشف الظنون میں مرقوم ہے۔

(۴) ﴿طیبۃ النشر﴾ التقریب کے علاوہ علامہ جزریؒ نے اس کو ایک اور طریقہ پر مختصر کیا یعنی صرف ایک ہزار اشعار میں اس کے اصل مقصد یعنی قراءات عشرہ کو منظوم کر دیا اور اس منظوم کا نام طیبۃ النشر رکھا۔ اس کے

دیباچہ میں لکھتے ہیں۔

وَهٰذِهٖ اُرْجُوْزَةٌ وَجِيْزَهْ   جَمَعْتُ فِيْهَا طُرُقًا عَزِيْزَهْ
ضَمَّنْتُهَا كِتَابَ نَشْرِ الْعَشْرِ   فَهْيَ بِهٖ طَيِّبَةُ النَّشْرِ

پھر خاتمہ پر فرماتے ہیں ۔

وَهٰهُنَا تَمَّ نِظَامُ الطَّيِّبَهْ   اَلْفِيَّةٌ سَعِيْدَةٌ مُهَذَّبَهْ
بِالرُّوْمِ مِنْ شَعْبَانَ وَسْطَ سَنَةِ   تِسْعٍ وَتِسْعِيْنَ وَسَبْعِمِائَةِ

النشر کی طرح طیبۃ النشر بھی بہت مقبول ہوئی اور قراء و مجودین اس سے بہت فیضیاب ہوئے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ کتاب کا نام کشف الظنون میں طہارۃ العشر فی القراءات النشر لکھا ہے جب کہ خود ناظم نے اس کو طیبۃ النشر لکھا ہے اغلب گمان ہے کہ طباعت میں کسی غلطی کی وجہ سے یہ نام چھپ گیا ہے۔

صاحب کشف الظنون نے اس کی تین شروح ذکر کی ہیں' خود مصنف علامہ جزریؒ نے غایۃ النہایہ ج اص ۱۳۱ میں اپنے صاحبزادہ کی شرح کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ فاحسن فیه ماشاء مع انه لم یکن عنده نسخة بالحواشی التی کنت کتبتها علیها۔ صاحبزادہ کا نام احمد تھا۔ (شرح طیبۃ النشر عربی شارح علامہ احمد الجزریؒ مطبوعہ قرآءت اکیڈمی لاہور) شرح دوم شیخ ابوالقاسم محمد نویری مالکیؒ (تلمیذ امام جزریؒ) کی ہے۔ شرح سوم شیخ زین الدین عبدالدائم ازہری کا۔ اور عنایات رحمانی کے مقدمہ میں اس کی ایک اردو شرح کا ذکر کیا ہے اور تالیف کا سنہ ۱۳۳۱ ہجری بتایا ہے۔ (یہ شرح استاذ القراء حضرت قاری المقری محمد عبداللہ مراد آبادیؒ کی ہے اس کا نام "توضیح العشر" ہے اب یہ شرح نایاب ہے۔ اس کے علاوہ ایک شرح "المراءۃ النیرہ فی حل الطیبہ" کے نام سے استاذ القراء حضرت قاری مقری رحیم بخش صاحبؒ نے بھی کی ہے۔ (ایک شرح ایضاح العشر فی القراءات العشر قاری ابوالحسن علی اعظمی کی' مطبوعہ قرآءت اکیڈمی لاہور) میرے استاذ محترم استاذ القراء والمجودین الشیخ القاری المقری محمد ادریس العاصم حفظہ اللہ تعالیٰ آمین بھی آج کل طیبۃ النشر کی شرح کی تالیف میں مصروف ہیں اللہ تعالیٰ جلد منصۂ شہود پر لاکر طلباء و اساتذہ کے لیے استفادہ کا سامان بنائے۔
قاری نجم الصبیح التھانوی عفی عنہ)

(۵) تحبیر التیسیر فی القراءات العشر یہ علامہ ابوعمرو دانیؒ کی کتاب التیسیر کی تکمیل ہے۔ التیسیر میں قراءات سبعہ بیان کی ہیں علامہ جزری نے تین قراءات کا اضافہ کر کے قراءات عشرہ کا بیان مکمل کر دیا۔

(۶) التمہید فی علم التجوید' علامہ سخاویؒ نے الضوء اللامع میں لکھا ہے کہ تحبیر اور التمہید علامہ جزریؒ نے سترہ سال کی عمر میں لکھیں۔

(۷) الدرۃ المضیہ فی قراءات الائمۃ الثلاث المرضیہ تحبیر التیسیر میں جن قراءتوں کو لکھ کر تیسیر کی تکمیل کی تھی ان قراءتوں کو اس میں منظوم کیا ہے اور یہ تین قراءتیں سبعہ قرآءت کے بعد والی ہیں۔ حمد وصلوٰۃ کے بعد دیباچہ میں فرماتے ہیں ۔

وَبَعْدُ فَخُذْ نَظْمِیْ حُرُوْفَ ثَلٰثَۃٍ تَتِمُّ بِهَا الْعَشْرُ الْقِرَاءَاتُ وَانْقُلَا

کَمَا هُوَ فِیْ تَحْبِیْرِ تَیْسِیْرِ سَبْعِهَا فَاَسْئَلُ رَبِّیْ اَنْ یَمُنَّ فَتَکْمُلَا

قراءات ثلثہ کا اضافہ کر کے جیسا کہ تحبیر التیسیر میں التیسیر کی تکمیل کی اسی طرح ان قراءات زائدہ کو منظوم کر کے امام شاطبیؒ کے قصیدہ لامیہ کی تکمیل کر دی اور اس میں طرز بھی وہی رکھا ہے جو امام شاطبیؒ کا طرز ہے نیز وزن اور قافیہ بھی وہی اور حرف روی بھی وہی ہے امام شاطبیؒ کے طرز پر لکھنا بہت مشکل ہے' بہت بڑا ادیب' ماہر لغات قادر الکلام شاعر ان کے طرز کو اپنانے کا ارادہ کر سکتا ہے درحقیقت یہ اللہ کی عطا ہے جسے چاہے نوازے الدرۃ المضیہ علامہ جزریؒ نے ۸۲۳ ہجری میں لکھی تھی اس میں ۲۴۰ اشعار ہیں اور اس عدد کو انہوں نے خاتمہ پر ظاہر کر دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

وَتَمَّ نِظَامُ الدُّرَةِ اَحْسِبْ بِعَدِّهَا وَعَامَ اَضَاحَجِّیْ فَاَحْسِنْ تَقَوُّلَا

''اور درہ کا نظم کرنا مکمل ہو گیا اور تو لفظ الـدرہ کے حروف سے عدد اشعار کا حساب کر لے اور یہ نظم اس سال مکمل ہوئی جس سال میرا حج روشن ہوا لہٰذا تو بات کہنے میں خوبی اختیار کرنا۔''

لفظ الـدرہ کے عدد ۲۴۰ ہوتے ہیں اس میں قصیدہ کے اشعار کی تعداد بتادی ہے۔ (اَلدُّرَّةُ (بالھاء فی الوقف) کے عدد ۲۴۰ ہیں اس کو تاء پڑھنے سے بہت زیادہ عدد ہو جاتے ہیں۔) اور اَضَاحَجِّیْ کے لغوی معنی ہیں میرا حج روشن ہوا لیکن ساتھ ہی اس لفظ سے سال تصنیف کی طرف اشارہ فرمادیا ہے کیونکہ اضاجحی کے عدد ۸۲۳ ہوتے ہیں۔ یہ لفظ اصل میں اضاء حجی ہے درمیان کا ہمزہ حذف کر دیا گیا ہے' اور اس لفظ کو سن تالیف بتانے کے لئے اس واسطے اختیار کیا ہے کہ ۸۲۲ ہجری کا حج کرنے کے لئے روانہ ہوئے تھے کہ راہ میں بدوؤں نے آپ کو لوٹ لیا اور اس سال حج نصیب نہ ہوا۔ بدوؤں کے لوٹنے کی وجہ سے سخت پریشانی تھی حج بھی نہ ملا اور سفر میں مالی پریشانی لاحق ہو گئی کیونکہ رہزنوں نے کچھ بھی نہ چھوڑا تھا۔ اللہ کا فضل ہوا کہ صرف مال جانے پر بات گئی اور جان محفوظ رہ گئی قریب تھا کہ آپ بھی مقتول ہو جاتے پھر اللہ پاک کا فضل شامل حال ہوا اور اللہ کے کسی بندہ نے آپ کی مدد فرمائی اور آپ کو مدینہ منورہ پہنچانے کا انتظام کر دیا۔ حج فوت ہونے کے بیس دن بعد ۸۲۳ ہجری شروع ہو چکا تھا یہ پورا سال سفر میں گزرا پہلے ینبوع میں پھر مدینہ منورہ میں کئی ماہ گزارے پھر رجب میں مکہ معظمہ آئے اور حرم میں مقیم رہے اسی سفر کے دوران یہ قصیدہ لکھا تھا اس سال حج

بھی روشن ہوا یعنی حج نصیب ہوا۔ اور قصیدہ الدرہ بھی منظوم ہوا۔ الدرہ کے ختم پر یہ سرگزشت بیان کی۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

غَرِيبَةُ أَوْطَانٍ بِنَجْدٍ نَظَمْتُهَا وَعُظْمُ اشْتِغَالِ الْبَالِ وَافٍ وَكَيْفَ لَا
صُدِدْتُ عَنِ الْبَيْتِ الْحَرَامِ وَزَوْرِي أَلْ مَقَامَ الشَّرِيفَ الْمُصْطَفَى أَشْرَفَ الْمَلَا
وَطَوَّقَنِي الْأَعْرَابُ بِاللَّيْلِ غَفْلَةً فَمَا تَرَكُوا شَيْئًا وَكِدْتُ لِأُقْتَلَا
فَأَدْرَكَنِي اللُّطْفُ الْخَفِيُّ وَرَدَّنِي عُنَيْزَةَ حَتَّى جَاءَنِي مَنْ تَكَفَّلَا
بِحَمْلِي وَإِيصَالِي لِطَيْبَةَ آمِنًا فَيَارَبِّ بَلِّغْنِي مُرَادِي وَسَهِّلَا

ایسی مصیبت اور پریشان حالی کے وقت کتاب لکھنا بس اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہوسکتا ہے۔ وهو نعم المولى ونعم النصير۔

صاحب کشف الظنون نے الدرہ کی شرحوں کا ذکر کیا ہے۔

اول: الغرہ جو جمال حسین بن علی حصنی کی تالیف ہے۔

دوم: ناظم الدرہ کے شاگرد کی شرح (یعنی علامہ نویریؒ کی شرح الدرہ)

سوم: عقد الدرة المضيئہ (اس کے مولف کا نام نہیں بتایا) اور لکھا ہے کہ یہ شرح مبسوط ہے اور عنایات رحمانی کے مقدمہ میں چودھویں صدی کی تالیفات کے ذیل میں درہ کی ایک مختصر شرح البهجة المرضیہ (مؤلفہ استاذ القراء الشیخ محمد الضباع المصریؒ) کا بھی ذکر کیا ہے اس وقت ہمارے دیار میں مولف عنایات رحمانی شیخ الاقراء حضرت العلامہ قاری فتح محمد صاحبؒ کی شرح القرة المرضیہ فی شرح الدرة المضیئہ معروف اور متداول ہے جو طالبان قرآءت کے لئے انمول دولت ہے۔ (مطبوعہ قرآءت اکیڈمی لاہور) (اس کے علاوہ الشیخ عبدالفتاح القاضی المصریؒ کی ''الایضاح شرح الدرہ'' (عربی) بہت مشہور و متدل اول ہے۔ یادرہے کہ شیخ موصوف کی شاطبیہ کی شرح ''الوافی شرح الشاطبیہ'' بھی نہایت معروف ہے دونوں کتابیں قرآءت اکیڈمی لاہور سے مطبوع ہیں۔ اس کے علاوہ میرے والد محترم الشیخ القاری المقری اظہار احمد التھانوی نور اللہ مرقدہ نے بھی ''الدراری شرح الدرہ'' کے نام سے شرح لکھی ہے جو حل نظم میں نہایت مفید اور آسان انداز میں ہے۔ قاری نجم الصبیح التھانوی عفی عنہ)

(۸) اتحاف المهره فی تتمة العشره (۹) غاية المهره فی الزيادة علی العشره (منظوم)

(علامہ سخاویؒ نے الضوء اللامع میں اعانۃ المہرہ فی الزیادۃ علی العشرہ لکھا ہے مگر کشف الظنون اور الشقائق النعمانیہ المہرہ لکھا ہے نیز حضرات قراء کرام نے بھی صاحب کشف الظنون کی موافقت کی ہے اس لئے ہم نے

بھی اس کو اختیار کیا۔ الضوء اللامع میں طباعت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔)(۱۰) منجد المقرئین۔ مقدمۃ الجزری سے لے کر یہاں تک جن کتابوں کا ذکر ہوا علامہ سخاویؒ نے الضوء اللامع میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ان کے علاوہ بھی تجوید وقراءت میں علامہ جزریؒ کی تالیفات ہیں جن کا ذکر کشف الظنون میں ہے۔ مثلاً (۱۱) اصول القراءات (۱۲) الالغاز اوراس کی شرح (۱۳) العقد الثمین، الالغاز ایک ہمزیہ ہے جو کہ مجموعہ چیستان ہے اس میں مشکل ترین سوالات متعلقہ قراءات منظوم کئے ہیں پھر العقد الثمین میں ان کا جواب دیا ہے۔ پہلا مصرعہ یہ ہے۔

ع سَأَلْتُكُمْ يَا مُقْرِئِ الْأَرْضِ كُلَّهَا

(۱۴) القراءات الشاذہ یہ بھی منظوم ہے اور شاطبیہ کے طرز پر اس میں شاذ قراءتیں جمع کی ہیں۔ رمضان ۷۹۷ھ میں اس کی تکمیل کی۔ پہلا مصرعہ یہ ہے۔

ع بَدَأْتُ بِحَمْدِ اللّٰهِ نَظْمِيْ أَوَّلَا۔

علامہ جزریؒ کو تجوید وقراءت اور ان کے حاملین سے بہت شغف تھا چنانچہ مذکورہ کتابوں کے علاوہ حضرات قراء کرام کے حالات میں بھی دو کتابیں طبقات القراء کبریٰ اور طبقات القراء صغریٰ لکھیں جن کا ذکر تاریخ وسیر کے ذیل میں آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ

﴿تفسیر:﴾ (۱۵) کفایۃ الالمعی فی ایۃ یارض ابلعی صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ اس کتاب میں سورۂ ہود کی آیت وقیل یارض ابلعی ماء ك ویاسماء اقلعی کی وجہ اعجاز بیان کی ہیں اور علامہ سکاکیؒ کی بیان کردہ وجوہ اعجاز میں اضافہ کیا ہے۔

﴿حدیث وفقہ میں تالیفات:﴾ حضرت علامہ جزریؒ کا خاص فن گو قراءت ہی تھا مگر آپ بہت بڑے محدث اور فقیہہ بھی تھے اور دیگر علوم میں بھی مہارت رکھتے تھے مذہباً شافعی تھے اور شافعی مذہب کے مفتی بھی تھے نیز الجامعۃ الصلاحیہ میں بھی خدمات انجام دیں یہ مدرسہ صلاح الدین ایوبیؒ نے فقہ شافعی کی تعلیم کے لئے بنایا تھا اور حضرات شوافع کے لئے وقف کر دیا تھا۔ فقہ اور اصول فقہ میں بھی آپ کی بعض تالیفات کا ذکر ملتا ہے۔

حدیث میں علامہ جزریؒ کی متعدد تالیفات ہیں جن میں سب سے زیادہ مشہور ومتداول الحصن الحصین من کلام سید المرسلین (ﷺ) ہے۔

﴿الحصن الحصین:﴾ یہ کتاب اذکار وادعیہ کا مجموعہ ہے جسے اکیس محدثین کرام کی کتابوں سے اقتباس کر

کے ترتیب دی ہے ان محدثین میں صحاح ستہ کے مولفین بھی ہیں اور دیگر مشاہیر بھی، جن کے اسماء گرامی دیباچہ میں لکھ دیئے ہیں، اختصار کی وجہ سے یہ کتاب دریا بکوزہ کا مصداق ہے، شیخ خود فرماتے ہیں **وقد جمع بحمد الله تعالى هذا المختصر اللطيف ما لم يجمعه من التاليف**۔ علامہ جزری نے اپنی اس کتاب کی تلخیص بھی کی ہے اور اس کے دو مختصر مجموعے لکھے جن میں ایک کا نام (۱۷) **جُنَّةُ الحِصْنِ الْحَصِيْنِ** اور دوسرے کا نام (۱۸) **عدة الحصن الحصين** ہے اول الذکر کے طبع ہونے کا علم نہیں۔ (اب یہ کتاب طبع ہوگئی ہے۔) آخر الذکر اس صدی کے اوائل میں طبع ہوئی تھی۔ **عدة الحصن الحصين** کی شرح علامہ شوکانی نے لکھی ہے جو مطبوعہ ہے اس کا نام تحفۃ الذاکرین ہے۔

علامہ جزریؒ نے الحصن الحصین کی ایک شرح بھی لکھی تھی جس کا نام مفتاح الحصن الحصین ہے، موصوف نے الحصن الحصین کے دیباچہ میں اپنا ارادہ ظاہر کیا تھا کہ:

> ''خدائے تعالیٰ سے امید ہے کہ جب یہ کتاب ختم ہو جائے گی تو اس کے آخر میں ہم ایک فصل لکھیں گے جس میں مشکل الفاظ کی تشریح ہوگی۔''

موصوف نے یہ شرح، الحصن الحصین کی تالیف کے چالیس سال بعد لکھی تھی جیسا کہ مفتاح الحصن کے دیباچہ میں ذکر کیا ہے۔

دیگر اکابر نے بھی الحصن الحصین کی شروح لکھی ہیں جن میں سب سے زیادہ مشہور ملا علی قاریؒ کی شرح ہے جس کا نام الحرز الثمین ہے۔ مولانا عبدالحی صاحبؒ نے علامہ حنفیؒ کی شرح کا بھی ذکر کیا ہے اردو میں الحصن الحصین کے متعدد تراجم لکھے گئے ہیں اور مترجمین نے اردو ہی میں ضروری فوائد اور تشریحات بھی لکھی ہیں۔ ان تراجم میں **ظفر جلیل** (از نواب قطب الدین خان صاحب دہلویؒ مصنف مظاہر حق شرح مشکوٰۃ) اور اس ترجمہ کی تسہیل اور تہذیب بنام محمد احسن صاحب نانوتوی غایۃ الاوطار و مذاق العارفین ترجمہ احیاء علوم دین) زیادہ مشہور ہیں۔ شرح جزری لکھنے کے دس بارہ سال بعد احقر نے بھی حصن حصین کا اردو شرح لکھا تھا جو فضل کے نام سے مطبوع اور مشہور ہے۔

علامہ جزریؒ کی کتاب الحصن الحصین کو ایسی مقبولیت حاصل ہوئی کہ آپ کے بعد جس کسی نے اذکار وادعیہ کا مجموعہ لکھا تقریباً سب ہی نے اس کتاب کو سامنے رکھا۔ ملا علی قاریؒ نے الحزب الاعظم کی ترتیب کے وقت جن کتابوں کو سامنے رکھا دیباچہ میں ان کا تذکرہ کیا ہے ان میں سرفہرست شیخ جزریؒ کی حصن حصین ہی ہے۔ الحصن الحصین علامہ جزریؒ نے بہت سخت آزمائش کے وقت لکھی تھی۔ اس وقت دمشق میں مقیم تھے۔ دمشق کے باہر دشمن کی یلغار اور لوٹ مار کے واقعات پیش آ رہے تھے۔ دشمن نے دمشق کا محاصرہ کر رکھا تھا اور

اہل دمشق سخت مصیبت میں مبتلا تھے ایسے وقت میں کتاب لکھنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے تصنیف کرنا تو کجا ہوش باقی رکھنا بھی مشکل ہے اللہ تعالیٰ جس کی مدد فرمائے اور جس کے قلب کو قوت بخشے اور جسے حوصلہ سے نوازے وہی اس موقعہ پر ایسی تصنیف کرسکتا ہے۔ اللہ جل شانہ نے علامہ جزریؒ کو توفیق دی انہوں نے سخت مصیبت کے وقت تقریباً تیس کتب حدیث سے اقتباس کر کے یہ کتاب لکھ دی۔ چونکہ علامہ جزریؒ نے یہ کتاب آڑے وقت میں لکھی تھی اور مصیبت عظیمہ سے بچنے کے لئے اس کو اپنا قلعہ بنایا تھا۔ اس لئے دفع مصائب کے لئے اس کو ختم کر کے دعا کرنا مشائخ کا معمول بن گیا۔ صدیوں سے تجربہ ہو رہا ہے کہ جب بھی اخلاص اور اعتقاد کے ساتھ اس کو پڑھ کر دعا کی گئی ضرور دعا قبول ہوئی۔ وفي ذلك قيل۔

ان نابك الامر المهول اذكر الـه العالمينا

واذا بغى باغ عليك فدونك الحصن الحصينا

حصن حصین کو ختم کرنے کے لئے بعض حضرات نے چار حصے کئے تا کہ چار دن میں ختم کی جا سکے اور بعض حضرات نے سات دن کے لئے سات منزلوں پر تقسیم کر دی تا کہ سات دن میں پوری ہو جائے۔ بزرگوں کا معمول رہا ہے کہ سات آدمی سات منزلیں ایک مجلس میں پڑھ کر ختم کرتے ہیں اس کے بعد دعا مانگتے ہیں۔

مولف حصن حصین دیباچہ میں لکھتے ہیں۔

''میں نے اس کتاب کو اس مصیبت سے بچنے کے لئے قلعہ بنایا ہے جو اچانک آ گئی ہے اس کتاب میں جو (ذکر و دعا کے) تیر ہیں ان کے ذریعہ میں ہر ظالم سے محفوظ ہو گیا یہ تیر دشمن کے لگنے والے ہیں' اس سلسلہ میں میں نے شعر بھی کہے ہیں (جو عربی عبارت میں مذکور ہیں) مجھے اللہ جل شانہ سے امید ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ اپنے بندوں کو نفع دے گا اور اس کی وجہ سے ہر مسلمان کی تکلیف دور فرما دے گا۔''

ختم کتاب پر لکھتے ہیں:

''اے اللہ! بحق نبی اکرم ﷺ اپنی مخلوق سے وہ مصیبت ہٹا دے جو ان پر نازل ہوئی ہے اور ان پر کسی ایسے شخص کو مسلط نہ فرما جو ان پر رحم نہ کرے کیونکہ ان پر ایسی مصیبت نازل ہوئی ہے جسے تیرے سوا کوئی نہیں ہٹا سکتا اور جسے آپ کے علاوہ کوئی نہیں دفع کر سکتا اے اللہ! اے ارحم الراحمین! ہماری مصیبت کو دور فرما میں اس قلعہ کی تعمیر سے جو کلام سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے بنایا گیا ہے بروز اتوار بعد نماز ظہر مورخہ ۲۱ ذوالحجہ ۷۹۱ ہجری میں اپنے قائم کردہ مدرسہ میں فارغ ہوا یہ مدرسہ شہر دمشق کے اندر رأس عقبۃ الکتان میں واقع ہے۔ اللہ تعالیٰ دمشق کو اور مسلمانوں کے تمام

شہروں کو آفات ومصائب سے محفوظ رکھے' یہ کتاب ایسے وقت میں لکھی گئی ہے کہ دمشق کے سارے دروازے بند ہیں بلکہ مضبوطی کے ساتھ پتھروں سے چن دیئے گئے ہیں اورلوگ شہر پناہ کی دیواروں پر خدا تعالیٰ سے فریاد کررہے ہیں اور دشمن کے گھیراؤ کی وجہ سے سخت مصیبت میں ہیں پانی ختم ہو چکا ہے اور ہاتھ دعا کے لئے اوپر کو اٹھے ہوئے ہیں شہر کے بیرونی مقامات کو جلا دیا گیا ہے اور اکثر و بیشتر لوٹ لئے گئے ہیں۔ ہر شخص اپنی جان و مال اور اہل وعیال کے بارے میں خائف ہے اور اپنے گناہوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے لرزاں و ترساں ہے ہر شخص نے اپنے مقدور بھر حفاظت کا سامان کیا ہے لہٰذا میں نے اپنا قلعہ اس کتاب کو بنالیا میں نے اللہ پر بھروسہ کیا۔ وہی مجھے کافی ہے اور بہتر کارساز ہے۔"

نیز دیباچہ میں لکھتے ہیں:

"اور جب میں اس کتاب کی ترتیب اور تہذیب سے فارغ ہوا تو مجھے ایک ایسے دشمن نے طلب کیا جسے اللہ کے سوا کوئی دفع نہیں کرسکتا تھا میں اس دشمن سے (بچنے کے لئے) پوشیدہ طور پر فرار ہو گیا اور اپنے اس قلعہ (یعنی الحصن الحصین کتاب) کی پناہ لے لی اسی دوران میں نے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا' کیا دیکھتا ہوں کہ میں آنحضرت ﷺ کی بائیں جانب بیٹھا ہوں اور گویا آپ فرما رہے ہیں کہ تم کیا چاہتے ہو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے لئے اور مسلمانوں کے لئے دعا فرمایئے چنانچہ آپ نے اپنے مبارک ہاتھ اٹھائے اور میں آپ کے مبارک ہاتھوں کی طرف دیکھتا رہا پھر آپ نے اپنے ہاتھ اپنے مبارک چہرہ پر پھیر لئے۔ یہ جمعرات کی رات کا واقعہ ہے اس کے بعد اتوار کی رات کو دشمن بھاگ گیا۔ اور اللہ جل شانہٗ نے ان چیزوں کی برکت سے جو اس کتاب میں آنحضرت ﷺ سے منقول ہیں میری اور تمام مسلمانوں کی مصیبت دور فرمائی۔"

یہ دشمن کون تھا جس نے دمشق کا حصار کررکھا تھا اور اس کی وجہ سے مخلوق سخت پریشان تھی اس کے بارے میں محشی کتاب حضرت مولانا عبدالحی صاحبؒ کا خیال ہے کہ یہ دشمن تیمور لنگ تھا مگر یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ علامہ جزریؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ تیمور ان کو ساتھ لے گیا تھا اور عمر بھر ان کو جدا نہ ہونے دیا اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ تیمور کے ساتھ (طوعاً و کرہاً) چلے گئے تھے اور الحصن الحصین کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس دشمن سے بچنے کے لئے یہ کتاب لکھی تھی وہ بھاگ گیا تھا اور شیخ جزریؒ پر قابو نہ پا سکا لہٰذا یہ تسلیم کرنا ضروری ہو جاتا ہے کہ جس دشمن سے بچنے کے لئے یہ کتاب لکھی تھی وہ تیمور کے سوا کوئی دوسرا شخص تھا۔ تیمور نے

آپ کو ۸۰۵ھ میں اپنے ہمراہ لیا ہے جیسا کہ الشقائق النعمانیہ میں مذکور ہے اور علامہ جزری نے الحصن الحصین ۷۹۱ھ میں لکھی ہے جیسا کہ ختم کتاب پر انہوں نے بالتصریح یہ سنہ لکھا ہے اور تیمور لنگ نے ۸۰۳ھ میں شام کے علاقوں کو تہہ و بالا کیا اور اسی موقعہ پر اس کی جانب سے دمشق پر حملہ ہوا ہے جیسا کہ عام تاریخوں میں مذکورہ ہے۔ (مولانا عبدالحیؒ نے بھی الفوائد البہیہ کے حاشیہ میں فتح المتعال سے نقل کیا ہے کہ تیمور کے ہاتھوں دمشق کی بربادی کا حادثہ ۸۰۳ ہجری میں رونما ہوا اور اس کی تاریخ لوگوں نے لفظ ''خراب'' سے نکالی۔)

النجوم الزاہرہ فی ملوک مصر والقاہرہ میں ۸۰۳ ہجری کے حالات میں تیمور کے فوجیوں کی غارتگری کی تفصیلات بیان کرنے کے بعد لکھا ہے

یعنی تیمور لنگ بروز شنبہ ۳ شعبان ۸۰۳ ہجری میں اسی دن قیام کرنے کے بعد دمشق سے روانہ ہوا۔ اس (النجوم الزاہرہ ج ۱۲۔ ص ۲۴۵) سے صاف ظاہر ہے کہ دمشق پر تیمور کا حملہ الحصن الحصین کی تالیف کے گیارہ سال بعد ہوا تھا۔ والعلم عند اللہ العظیم

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ یہ دشمن اگر تیمور نہیں تھا تو کون تھا؟ اس کا جواب حاصل کرنے کے لئے جب تاریخ کی ورق گردانی کی جائے اور ۷۹۱ ہجری کے حوادث پر نظر ڈالی جائے (جو کہ حصن حصین کی تالیف کا سال ہے) تو الملک الظاہر برقوق اور امیر معطاش کی جنگ کے واقعات سامنے آ گئے رمضان، شوال، ذیقعدہ، ذوالحجہ ۷۹۱ ہجری میں ان دونوں کے معرکے رہے ہیں اس دوران لوٹ مار اور آتشزدگی وغیرہ کے واقعات ہوتے رہے۔ تفصیلی واقعات النجوم الزاہرہ ج ۱۱ میں مذکور ہیں۔ علامہ جزریؒ نے ۲۲ ذوالحجہ ۷۹۱ ہجری اتوار کی بتائی ہے اور النجوم الزاہرہ کے مصنفؒ نے یکم ذوالحجہ سنیچر کی بتائی ہے اس حساب سے ۲۲ ذوالحجہ بھی سنیچر کی پڑتی ہے۔ ممکن ہے کہ ماہ سابق کے دن ۲۹، یا ۳۰ ہونے کے اختلاف کی وجہ سے یہ اختلاف رونما ہوا ہو۔ الملک الظاہر اور امیر معطاش کی جنگ محرم الحرام ۷۹۱ ہجری میں ہوئی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ذوالحجہ کے آخری عشرہ میں دمشق چھوڑ کر بھاگ گیا تھا مگر شام کے دوسرے علاقوں میں جنگ جاری رہی۔ واللہ اعلم

﴿التوضیح فی شرح المصابیح:﴾ یہ علامہ بغویؒ کی مشہور کتاب مصابیح السنہ کی شرح ہے، الشقائق النعمانیہ میں لکھا ہے کہ علامہ جزریؒ نے یہ کتاب ماوراء النہر کے علاقہ میں لکھی تھی جب کہ آپ کو تیمور اپنے ساتھ لے گیا تھا یہ کتاب تین جلدوں میں ہے۔

(۲۱) الاجلال والتعظیم فی مقام ابراہیم: (۲۲) غایۃ المنی فی زیارۃ منیٰ۔ (۲۳) **عقد اللالی فی الاحادیث المسلسلة العوالی۔ (۲۴) فضل حرا (۲۵) المسند الاحمد فیما یتعلق بمسند**

احمد۔ (۲۶) المصعد الاحمد فی ختم مسند احمد (۲۷) القصد الاحمد فی رجال مسند احمد (۲۸) الالویہ فی الاحادیث الاولیہ (۲۹) اسنی المطالب فی مناقب علی بن ابی طالبؓ۔

ان کتابوں کا ذکر علامہ سخاویؒ نے الضوء اللامع میں اور علامہ شوکانیؒ نے البدر الطالع میں کیا ہے۔ نیز ان دونوں حضرات نے (۳۰) الھدایہ فی فنون الحدیث اور (۳۱) البدایہ فی علوم الروایہ کا بھی ذکر کیا ہے اور صاحب کشف الظنون نے آخر الذکر کا نام تذکرۃ العلماء فی اصول الحدیث لکھا ہے اور تحریر فرمایا ہے کہ علامہ جزریؒ نے اس میں علم حدیث کا شرف وفضل بتاتے ہوئے بزمانہ تالیف اس علم شریف کی کساد بازاری کا شکوہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ روم میں حدیث کے جاننے والے کم ہیں۔ نیز اپنے مشائخ کا تذکرہ کیا ہے اور سند بھی ذکر کی ہے اور بتایا ہے کہ ماوراء النہر کا سفر میں نے علم حدیث کے پھیلانے کے لئے کیا ہے' شہر کش کے زمانہ قیام میں مصابیح السنۃ کی شرح لکھی تو وہاں کے محصلین ومستفیدین نے درخواست کی کہ ایک ایسی کتاب لکھیں جو علوم حدیث پر مشتمل ہو۔ اس سے پہلے آپ نے نظم میں الھدایہ الیٰ معالم الدرایہ لکھی تھی لیکن وہاں کے لوگوں کو شرح وبسط کی حاجت تھی لہٰذا البدایہ مرتب کی جو ایک مقدمہ اور چار اصول پر مشتمل ہے اس کی تالیف سے ۸۰۶ ہجری میں فارغ ہوئے۔

﴿تاریخ وسیر:﴾ امام جزریؒ نے تاریخ وسیر پر بھی کتابیں لکھی ہیں ان کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور (۳۲) طبقات القراء الکبریٰ ہے اس کا نام نہایات الدرات فی اسماء رجال القراءات ہے' پھر اس کا اختصار کیا اور اس مختصر کا نام (۳۳) غایۃ النہایۃ رکھا۔ اسے طبقات القراء الصغریٰ کہا جاتا ہے یہ دونوں کتابیں امام جزریؒ کے وقت تک قراء کرام کے حالات جاننے کے لئے نہایت معتبر ومستند ذخیرہ ہیں۔

صاحب کشف الظنون نے ان کی ایک کتاب (۳۴) التعریف فی المولد الشریف کا بھی تذکرہ کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ بعد میں موصوف نے اس کی تلخیص کی اور اس کا نام (۳۵) عرف التعریف رکھا انہوں نے اس کے ایک فارسی ترجمہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

(۳۶) تاریخ الجزریؒ۔ صاحب کشف الظنون نے تاریخ الجزریؒ کے نام سے بھی ایک کتاب امام جزریؒ کی طرف منسوب کی ہے اور لکھا ہے کہ اس میں ۷۹۸ ہجری تک کے حالات ہیں۔ (ج ا ص ۲۳۱)

﴿مختلف کتب:﴾ (۳۷) الابانہ فی العمرۃ من الجعرانہ (۳۸) التکریم فی العمرۃ من التنعیم (۳۹) الجوھرۃ فی النحو (یہ منظوم ہے) (۴۰) حاشیہ الایضاح (یہ صاحب تلخیص المفتاح

علامہ قزوینیؒ کی کتاب الایضاح فی المعانی والبیان کا حاشیہ ہے۔(۴۱) امام رازیؒ کی مشہور کتاب المحصل کا اختصار محمود بن ابی بکر الارمویؒ نے کیا تھا جس کا نام التحصیل رکھا۔ (یہ اصول فقہ میں ہے) علامہ جزریؒ نے تین جلدوں میں اس کی شرح لکھی۔

(۴۲) احاسن المنن۔ علامہ سخاوی نے امام جزریؒ کی تالیفات کے سلسلہ میں اس کا ذکر کیا ہے مگر یہ پتہ نہ چلا کہ کس موضوع پر ہے۔

(۴۳) (علم وقف سے متعلق ایک کتاب ''الاهتداء فی الوقف والابتداء'' کا ذکر علامہ جزریؒ نے النشر جلد اول میں وقف کے بیان میں کیا ہے۔ قاری نجم الصبیح التھانوی عفی عنہ)

امام جزریؒ کی تالیفات کی فہرست میں ان کتب کے علاوہ دیگر کتب بھی ذکر کی گئی ہیں صحیح تعداد اللہ ہی کو معلوم ہے۔ ہمارا مقصد یہ بتانا ہے کہ امام جزریؒ صرف علوم قرآءت وتجوید کے امام ہی نہیں بلکہ دیگر علوم میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے۔

﴿اولاد:﴾ علامہ جزریؒ کو اللہ تعالیٰ نے اولاد کی نعمت سے بھی خوب نوازا تھا باکمال باپ کو اولاد بھی باکمال دی۔ الحصن الحصین کے خاتمہ پر آپ نے چار لڑکوں اور چار لڑکیوں کے نام لکھے ہیں اور تحریر فرمایا ہے کہ میں اپنی اولاد کو اور اپنے اہل عصر کو اس کتاب کی روایت کی اجازت دیتا ہوں۔ لڑکوں کے نام مع کنیت یہ ہیں:

(۱) ابوالفتح محمد (۲) ابوبکر احمد (۳) ابوالقاسم علی (۴) ابوالخیر محمد۔ اور لڑکیوں کے یہ نام لکھے ہیں: (۵) فاطمہ (۶) عائشہ (۷) سلمہ (۸) خدیجہ۔ صاحب الشقائق النعمانیہ نے مذکورہ اولاد کے علاوہ ان کے دو مزید لڑکوں کا نام لکھا ہے۔ (۹) ابوالبقاء اسمٰعیل (۱۰) ابوالفضل اسحٰق، لڑکوں اور لڑکیوں کا ذکر لکھنے کے بعد صاحب الشقائق النعمانیہ لکھتے ہیں کہ وجمیع هولاء من القراء المجودین والمرتلین ومن الحفاظ المحدثین رضی الله عنهم وارضاهم۔ یعنی یہ سب حضرات قراء اور مجود و مرتل تھے نیز حافظ اور محدث تھے۔

ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اپنی اولاد کو قرآن وحدیث کے علوم پڑھائے خصوصاً علماء، حفاظ، قراء، محدثین و مفسرین پر تو زیادہ لازم ہے کہ اس کا خاص اہتمام کریں کہ اولاد اسی راہ پر رہے جس پر ہم خود ہیں تاکہ نسلاً بعد نسلٍ علوم عالیہ اور اعمال صالح کا سلسلہ جاری رہے مگر افسوس ہے کہ آج کل کے بہت سے قراء، علماء حفاظ اس بارے میں بہت کمزور نظر آتے ہیں، قرآن وحدیث پڑھا کر پیسہ کماتے ہیں اور اولاد کو سکول وکالج کی زینت بنا کر اس پیسہ کو ان کے فیشن پر خرچ کرتے ہیں۔ انا لله وانا الیه راجعون

صاحب الشقائق النعمانیہ نے لکھا ہے کہ علامہ جزریؒ کے صاحبزادے ابوالفتح محمد بن محمد الجزریؒ بتاریخ ۲

ربیع الاول ۷۷۷ ہجری دمشق میں پیدا ہوئے انہوں نے آٹھ سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا پھر قراءت وتجوید کی مشہور کتابیں پڑھیں اور دیگر علوم کی مختلف کتب حفظ کیں' اساتذہ نے تدریس وافتاء کی اجازت دی اور دمشق میں تدریس واقراء کی خدمت انجام دیتے رہے حتیٰ کہ طاعون میں مبتلا ہو کر ۸۱۴ ہجری میں وفات پائی اور اس طرح درجہ شہادت نصیب ہوا۔ اس وقت انکے والد شیراز میں تھے۔

علامہ جزریؒ کے دوسرے صاحبزادے ابوالخیر محمد بن محمد الجزریؒ بماہ جمادی الاولیٰ ۷۸۹ ہجری میں پیدا ہوئے یہ بھی حافظ قرآن تھے اور تجوید وقراءت میں باکمال تھے۔

تیسرے صاحبزادے ابوبکر احمد بن محمد بن الجزریؒ بتاریخ ۱۷ رمضان ۷۸۰ ہجری دمشق میں پیدا ہوئے' ہوش سنبھالا تو تحصیل علوم میں لگ گئے اور تجوید وقراءت میں ماہر ہو کر تدریس واقراء اور تالیف وتصنیف میں مشغول ہو گئے حافظ عراقیؒ وغیرہ سے حدیث کی تحصیل کی' اپنے والد کی کتاب طیبۃ النشر اور مقدمۃ الجزری کی شرح لکھی' (دونوں قراءت اکیڈمی لاہور سے دستیاب ہیں۔ ناشر) نیز منظومہ فی علم الحدیث (مولفہ شیخ جزریؒ) کی شرح لکھی۔

ان کے والد لکھتے ہیں کہ یہ لڑکا دینداری اور پاکبازی میں پلا اور بڑھا' اللہ تعالیٰ اسے سعادتوں سے مالا مال کرے اور برکت دے (علامہ احمد الجزریؒ نے ۸۵۹ھ میں وفات پائی۔ حالات کے لیے الحواشی المفہمہ شرح المقدمۃ الجزریہ ملاحظہ فرمائیں۔ قاری نجم الصبیح التھانوی)

﴿وفات:﴾ علامہ جزریؒ نے بروز جمعہ بوقت چاشت بتاریخ ۵ ربیع الاول ۸۳۳ ہجری شہر شیراز میں وفات پائی اور اپنے قائم کردہ مدرسہ دارالقرآن میں مدفون ہوئے جنازہ میں بہت زیادہ ہجوم تھا۔ حاضرین کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ جنازہ اٹھانے اور تبرکاً مس وتقبیل کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے کثرت اژدحام کی وجہ سے جو لوگ جنازے تک نہ پہنچ سکے وہ ان لوگوں کے ہاتھوں کو چھو کر برکت حاصل کرتے تھے جن کو جنازہ اٹھانے کا موقع مل گیا تھا۔ (الشقائق النعمانیہ)

آپ کی عمر شریف تقریباً ساڑھے اکیاسی سال کی ہوئی۔ تقریباً چونسٹھ سال تک بڑی آب وتاب کے ساتھ تجوید وقراءت اور علم حدیث کی تعلیم وترویج میں مشغول رہے۔ نیز دیگر علوم کی بھی خدمت کی' اپنے دور کے مفتی ہونے کی وجہ سے فتاویٰ بھی لکھتے رہے۔ علامہ سخاویؒ نے ان کے تذکرہ کے ختم پر جو دو شعر نقل کئے ہیں ہم بھی ان پر موصوف کا تذکرہ ختم کرتے ہیں۔

ایا شمس علم بالقراءات اشرقت ۔۔۔ وحقك قد من الالـه على مصر

وها هي بالتقريب منك تضوعت ۔۔۔ عبيرا واضحت وهي طيبة النشر

آخری کلام

حضرت امام عاصم اوران کے دونوں رواۃ حضرت ابوبکر شعبہ اور ابوعمرو حفص بن سلیمان رحمہم اللہ تعالیٰ کے حالات آپ نے پڑھے۔ نیز قدوۃ المقرئین حضرت الولی الشاطبی "عمدۃ المحققین الشیخ ابوالخیر محمد بن الجزری" رحمہما اللہ تعالیٰ کی سوانح کا بھی مطالعہ کیا۔ آپ کو معلوم ہوا کہ یہ حضرات مخارج وصفات درست کرنے والے اور قراءت کے اصول وفروش یاد رکھنے والے ہی نہ تھے بلکہ تجوید وقراءت میں ماہر ہوتے ہوئے محدث' مفسر فقیہ اور نحوی لغوی بھی تھے' نیز خاشع' خاضع' زاہد' عابد' مخلص' طالب آخرت رضائے الٰہی کے جویا اور اجر وثواب کے لئے کام کرنے والے تھے' کثرت تلاوت اور کثرت ذکر الٰہی ان کا خاص مشغلہ تھا عبادت کا ذوق رکھتے تھے اور امت محمدیہ کے خیر خواہ تھے' تدریس واقراء اور افاضہ وافادہ کے لئے انہوں نے بغیر کسی دنیاوی لالچ کے اپنی زندگیاں کھپادیں۔ درس بھی دیا کتابیں بھی لکھیں سخت حالات میں صبر وشکر کے ساتھ عمر گزارتے چلے گئے۔

اللہ جل شانہ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کی قبریں نور سے بھر دے اور ہمیں بھی ان کی اقتداء نصیب فرمائے۔ امین ثم امین

ہم بھی قاری کہلاتے ہیں' حافظ بھی ہیں مدرس بھی ہیں ان حضرات کے نام لیوا ہیں اور ان کی سند سے قراءت وروایت نقل کرتے ہیں مگر ہمارے رنگ ڈھنگ کیسے ہیں؟ روزانہ کتنے نوافل پڑھتے ہیں؟ تسبیح و تہلیل میں کتنا وقت لگاتے ہیں' تلاوت کا کتنا ذوق ہے؟ اور محض رضائے الٰہی کے لئے کتنی تلاوت کرتے ہیں اور خالص اجر وثواب کے لئے کتنا درس دیتے ہیں؟ اس کا جائزہ لیں تو اکثر حضرات صفر اور معدود چند صفر کے قریب نکلیں گے' ہزاروں میں شاید دو چار ایسے ہوں جو قراء سابقین اور سلف صالحین کے طریق پر گامزن ہوں۔ متعدد مدارس میں تجوید وقراءت پڑھائی جاتی ہے لیکن ادائیگی میں پختگی اور علوم تجوید وقراءت کی مہارت کے بغیر ہی سند دے دی جاتی ہے۔ مہارت تو بڑی چیز ہے پورا قرآن مجید ایک بار بھی استاد کو نہیں سنایا جاتا اور تجوید کے موٹے موٹے ضروری مسائل سے بھی واقفیت نہیں ہوتی اور سند لے کر مدرسی کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے ہیں۔

اصحاب مدارس نے جہاں کسی کو خوش آواز دیکھا انے دو چار رکوع مشق کرائے اور سالانہ جلسہ میں سند دے کر فارغین کی کثیر تعداد دکھادی اور اپنے مدرسہ کی شہرت کرلی مگر ان نام نہاد فارغین کو جہل مرکب میں مبتلا کردیا' یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم قاری ہی نہیں مقری بھی ہیں مگر فن سے بالکل خالی اور صحت اداء سے بالکل عاری

ہیں۔اصحاب مدارس سے گزارش کرتا ہوں کہ سند کا معیار قائم کریں مدرسہ کی شہرت کو مقصد نہ بنائیں۔اللہ جل شانہ کی رضا کو پیش نظر رکھتے ہوئے قرآن کریم کی صحیح خدمت انجام دیں اور کسی نا اہل کو سند دے کر خود فریبی میں مبتلا نہ کریں۔جو حضرات اس فن شریف کی تحصیل کے لئے داخلہ لینا چاہیں ان سے نصاب پورا کرنے کا وعدہ لے کر داخلہ دیں اور معیاری نصاب جاری کریں۔معیاری کتب کی تدریس کے ساتھ متعدد مرتبہ پورا قرآن مجید استاد کو سنانا لازمی قرار دیں اور محض نصاب پورا کر لینے پر سند نہ دیں نہ پہلے سے سند دینے کا وعدہ کریں بلکہ تکمیل نصاب کے بعد معیاری امتحان لیں اور دیکھیں کہ اصول وفروش کا کس قدر استحضار ہے اجرائے قواعد پر کس قدر عبور ہے ادائیگی کی پختگی بھی دیکھیں جس کا معیار یہ ہے کہ قرآن مجید جس جگہ سے پڑھوایا جائے حدر اور ترتیل اور تدویر میں تجوید کی پوری رعایت کے ساتھ پڑھتا چلا جائے نیز اخلاص کا بھی جائزہ لیں کسی جگہ کام کرا کر دیکھ لیں جب علم وعمل اور اخلاق وعادات کے بارے میں خوب اطمینان ہو جائے اور دل گواہی دے دے کہ یہ شخص قرآن کو رضائے الٰہی کے لئے پڑھائے گا اور خدمت قرآن کو زندگی کا مقصد بنائے گا تب سند دے دیں۔

یہ چند سطریں احقر نے بڑے تجربوں کے بعد دکھی دل سے لکھی ہیں شاید بعض حضرات کو ناگوار بھی گزریں لیکن حسب فرمان سید الانس والجان ﷺ قُلِ الْحَقَّ وَإِنْ كَانَ مُرًّا۔ ہمت کر کے لکھ ہی گیا اللہ تعالیٰ سب کو عمل کی توفیق دے اور مجھے ان سطور کے لکھنے پر اجر دے۔

"اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَبِالْاِجَابَةِ جَدِيْرٌ"

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَ سَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

☆☆☆

افادات

(۱) حضرت الشیخ القاری المقری السید محمد سلیمان صاحب دیوبندیؒ نے جو سند احقر کو عنایت فرمائی تھی اس میں یوں ہے **عن عبد الرحمن الیمنی عن والدہ الشیخ شحادۃ الیمنی عن الشیخ احمد بن عبدالحق السنباطی والشیخ ناصر الطبلاوی کلاھما عن الشیخ الاسلام زکریا الانصاری۔**

اور خلاصۃ البیان میں شیخ احمد بن عبدالحق کا نام مذکور نہیں ہے اور ہدیۃ الوحید میں جو سند نقل فرمائی ہے اس میں شیخ ناصر طبلاوی کا ذکر نہیں ہے لیکن سند پھر بھی متصل ہے۔ کسی نے دونوں شیوخ کا تذکرہ کر دیا اور کسی نے ایک استاد کو ذکر کر دیا اور کسی نے دوسرے شیخ کو۔

خلاصۃ الاثر ص ۳۵۸ ج ۲ میں حضرت عبدالرحمٰن یمنیؒ کے تذکرہ میں ہے کہ انہوں نے اولاً اپنے والد شیخ شحادہ یمنی سے سبعہ قراءت پڑھیں جب آیہ کریمہ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ الخ پر پہنچے تو ان کے والد کی وفات ہو گئی پھر انہوں نے ازسر نو اپنے والد کے شاگرد شیخ احمد بن عبدالحق السنباطی سے پڑھنا شروع کیا اور اولاً قراءت عشرہ کی تکمیل کی۔

(۲) سند میں قوسین کے درمیان جو رجال کا اضافہ ہے احقر نے کیا ہے' خلاصۃ البیان میں اور ہدیۃ الوحید میں یوں ہے "**عن الشیخ الامام الازھر بن اللبان عن الشیخ احمد صھر الشاطبی عن الشیخ ابی الحسن بن ھذیل**" اور (سوانح شیخ العرب والعجم القاری المقری محمد عبداللہ مکیؒ) میں بھی اسی طرح ہے جو مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ سے شائع ہوئی ہے۔ ایک دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذہن میں یہ القا ہوا کہ سند میں کچھ سقوط معلوم ہوتا ہے کیونکہ حضرت امام جزریؒ اور شیخ ابوالحسن بن ہذیلؒ کے درمیان (جو حضرت امام شاطبیؒ کے شیخ ہیں) صرف دو واسطے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ حضرت امام شاطبیؒ کا اسم گرامی مذکور نہیں ہے جب تفتیش اور تلاش میں لگا تو معلوم ہوا کہ احمد صہر الشاطبی کوئی شخصیت ہی نہیں ہے جس کا اس سند سے تعلق ہو۔

غایۃ النہایۃ للامام الجزری کا مطالعہ کیا تو واضح ہوا کہ حضرت امام جزریؒ کے شیخ ابن اللبانؒ ہیں اور ان کے شیخ اسماعیل بن ابراہیم کردیؒ ہیں اور ان کے شیخ محمد بن احمد بن عبدالخالقؒ ہیں جو التقی الصائغ کے لقب سے مشہور ہیں اور ان کے شیخ علی بن شجاع بن سالم الہاشمیؒ ہیں جن کا لقب الکمال الضریر ہے انہوں نے حضرت امام شاطبیؒ کی صاحبزادی سے ان کی وفات کے بعد نکاح کر لیا تھا اس لئے صہر الشاطبی کے نام سے بھی

معروف ہو گئے۔ انہوں نے حضرت امام شاطبیؒ سے اور حضرت امام شاطبیؒ نے شیخ ابوالحسن علی بن ہذیلؒ سے علم حاصل کیا۔ (غایۃ النہایہ ج ا ص ۱۶۰۔ ج ۲ ص ۵۴۴۔ اور ۶۵-۶۶ و ج ۲ ص ۷۲)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کاتب سے عبارت رہ گئی ہے اصل عبارت یوں تھی (عن اسمعیل بن ابراهیم عن محمد بن احمد بن عبدالخالق عن علی بن شجاع بن سالم صهر الشاطبی عن الامام الشاطبی) تقریباً ایک سطر رہ گئی' واللہ تعالیٰ بالصواب

(حضرت شارحؒ کا یہ تمام بیان اپنی تمام تر مخلصانہ کوشش کے باوجود صحیح نہیں ہے اس سلسلے میں صحیح موقف جاننے کے لیے قبلہ والد صاحبؒ کی اسناد سے متعلق کتاب ''شجرۃ الاساتذہ فی الاسناد القراءات العشر المتواترہ'' کا مطالعہ کیجئے۔ قاری نجم الصبیح التھانوی عفی عنہ)

﴿تمت بالخیر﴾

فہرست مضامین

☆☆☆

قرآءت اکیڈمی (رجسٹرڈ) کی اپنے قارئین سے

گزارش

الحمدللہ علم تجوید وقرآءت کے فروغ کے لیے قرآءت اکیڈمی (رجسٹرڈ) کوشاں ہے ہمارا مقصد معیاری، دیدہ زیب اور اعلیٰ طباعت کی حامل کتب شائقین تک پہنچانا ہے۔ اگر آپ کے شہر یا علاقے میں آپ کو ہماری کتابیں بآسانی دستیاب نہیں ہو پا رہی ہیں تو براہ راست بلاتکلف ہم سے بذریعہ خط یا فون رابطہ کریں۔

ہم آپ کو ان شاء اللہ فوری طور پر کتب فراہم کریں گے۔

نوٹ: فہرست کتب صرف چار روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر منگوائیں۔

قرآءت اکیڈمی ®
28-الفضل مارکیٹ 17- اردو بازار لاہور
Ph.: 042 - 7122423
0300 - 4785910